معرب

اَلصَّرْفُ اُمُّ الْعُلُوْمِ وَالنَّحْوُ اَبُوْهَا

درسِ کافیہ

علم نحو کی مشہور درسی کتاب "کافیہ" کی آسان اور مفصل اردو شرح

جلد اول

تالیف
مولانا سید عبد الرشید بن مقصود ہاشمی

تقریظ
مولانا ولی خان المظفر صاحب

ناشر
مکتبۃ الحکمۃ
سلطان آباد۔ کراچی

الصرف أم العلوم والنحو أبوها

درسِ کافیہ

علم نحو کی مشہور درسی کتاب "کافیہ" کی آسان اور مفصل اردو شرح

جلد اول

تالیف

مولانا سید عبد الرشید بن مقصود ہاشمی

تقریظ

مولانا ولی خان المظفر صاحب

ناشر

مکتبۃ الحکمۃ

سلطان آباد کراچی

نام کتاب.......................... درسِ کافیہ

تالیف .... مولانا سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی

طبع .... اوّل

سنہ طباعت.......................... صفر ۱۴۳۱ھ بمطابق فروری ۲۰۱۰ء

مطبع .... نیوگرازپریس، کراچی

ناشر .... مکتبۃ الحکمۃ کراچی 0321-2602858

ملنے کے پتے

☆ بیت الاشاعت کراچی ☆ مکتبہ عمر فاروق کراچی

☆ کتب خانہ مظہری کراچی ☆ مکتبہ خلیلیہ بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور ☆ شمع بک ایجنسی لاہور

اسٹاکسٹ

ادارۃ الرشید

دوکان نمبر 1 معراج منزل علامہ محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن کراچی

فون:021-37084125 موبائل:0321-2045610

انتساب

میں اپنی یہ حقیری کاوش منسوب کرتا ہوں:

❁ حضرت آدم علیہ السلام سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے نام، جن کی برکت سے ہمیں رُشد وہدایت اور انسانیت کا راستہ ملا۔

❁ اپنے والدین محترمین کے نام، جن کی برکت سے اللہ جل جلالہ نے مجھے وجود بخشا۔

❁ اپنے جملہ اساتذہ کرام کے نام، جن کی برکت سے اللہ جل جلالہ نے کچھ سوجھ بوجھ عطاء فرمائی، خاص کر استقامت کے اس پیکر کے نام جن کا لہلہاتا ہوا آشیانہ آن کی آن میں اجڑ کر ملبے کا ڈھیر بن گیا، جس ملبے تلے ایک عظیم رفیقۂ حیات اپنے بھائی اور چار لختِ جگروں سمیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انہیں داغِ مفارقت دے گئی۔

❁ خاص کر اس معصوم اور المسمّٰی باسم المعصوم اور ننھے منے شہید کو جس کی ایک پکار (ابو جانی کہنے) سے اس کے بڑھاپے میں نئی جوانی کی خوشبوئیں محسوس ہوتی تھیں۔

میری مراد ہے وہ شخصیت جس کو دنیائے علم ودین یاد کرتی ہے، استاذ العلماء ابو الشہداء

حضرت مولانا **محمد یٰسین** صاحب دامت برکاتہم

کے نام سے۔

فہرست عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از حضرت مولانا ولی خان المظفر صاحب دامت برکاتہم العالیہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وبعد:

پیش نظر کتاب (درس کافیہ) عربی نحو کی شہرہ آفاق اور مقبول عام بین اہل العلم والفضل تصنیف (کافیہ ابن الحاجب) کا ترجمہ، شرح، تسہیل اور نئے انداز میں اس کی تقدیم اور پیشکش ہے۔

کافیہ کی اردو، عربی، اور فارسی میں لاتعداد شرحیں لکھی جا چکی ہیں، لیکن جس انداز سے یہ کاوش (درس کافیہ) ہے موجودہ زمانے میں اس کی نظیر نہیں ملے گی؛ کیونکہ ہاشمی صاحب تصنیفی اور تالیفی کاموں میں ہمیشہ جدت اور آپ ٹو ڈیٹ ہونے کا اہتمام فرماتے ہیں، آج کل لوگ چوں چرا، قیل وقال اور بے جا تکلفات، لکیر کی فقیری کے بجائے ڈائریکٹ مقصد کی طرف جاتے ہیں، صراط مستقیم کی تلاش میں ہوتے ہیں اور ﴿لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ﴾ پر سختی سے کاربند ہوتے ہیں، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ کافیہ کی اس طرز پر تشریح کی ضرورت تھی جو پیش نظر کتاب سے کافی حد تک پوری ہو رہی ہے۔

ہمارے مارتونگ بابا علیہ الرحمۃ کے یہاں کوہستان اور دیگر علاقوں میں کافیہ اور سُلّم کی تقریریں یاد کرنے کے لئے طالب علم رات دن ایک کر کے پانچ پانچ سال صرف ایک ایک کتاب میں صَرف کرتے تھے۔

آج ایسا نہیں ہے بلکہ عبارت اور اس کے تناظر میں مطلب ومقصد یا بالفاظ دیگر پہلے کتاب پر زیادہ توجہ مرکوز کی جاتی تھی اور اب فن پر، اور قرآن وحدیث کے علاوہ دیگر تمام

کتب میں کتاب کے بجائے فن کو اہمیت دینا ضروری ہے تاکہ فن کے ماہرین پیدا ہوں۔

ایک غلطی یہ بھی ہوتی تھی کہ لوگ کتاب برائے کتاب یا فن برائے فن بعض علاقوں میں حاصل کرتے تھے، جس کی کچھ مثالیں آج بھی کہیں کہیں موجود ہیں، مگر یہ طریقہ غلط ہے، کتاب برائے فن اور فن برائے مقصدِ اصلی ہونا از حد ضروری اور واجب ہے۔

ہمارے برصغیر میں یہ المیہ ہے کہ لوگ جزء کو کل سمجھ لیتے ہیں، یعنی تبلیغ برائے تبلیغ، سیاست برائے سیاست، تالیف برائے تالیف، مدرسہ برائے مدرسہ اور خانقاہ برائے خانقاہ وغیرہ، جس سے مقصدیت کی بات اب مفقود ہوتی جارہی ہے، نحو، صرف، بلاغت، معانی وغیرہ کے ایسے تو بڑے بڑے ماہرین ہمارے یہاں موجود ہیں مگر انہیں عربی زبان وادب سے صرف ناآشنائی نہیں بلکہ تنفر ہے۔

ہمارے یہاں کچھ حضرات تجدید کی حد تک تفسیر واصول تفسیر کے ماہر اور شیخ کے طور پر میدان میں آئے اور کارنامے انجام دئے، لیکن ان کے نام لیوا اب سورتوں کے خلاصوں کا تفسیر اور خلاصے رٹہ کرنے والوں کو شیخ القرآن سمجھتے ہیں، جو اپنے مشائخ کے لئے لائقِ فخر فرزند نہ بن سکے۔

فتنوں کے تعاقب کے بجائے اب ہمارے یہاں لوگ فتنے ساز بنتے جارہے ہیں، اور ہر میدان میں موضوعیت، تحقیق، تدقیق، اور تعمق کے بجائے سطحیت، تنگ فکری، تنگ نظری اور ترش مزاجی کو تصلب وقار اور سنجیدگی کے نام دے کر اپنا اور امت کا نقصان کررہے ہیں۔

بات لمبی ہوگئی العرض کافیہ کی اس طرح شرح کی ضرورت تھی کہ جس میں ترجمہ، مختصر تشریح اور پھر نمبروار مسائل پر بحث ہو، الحمد للہ یہ کام اس شرح میں بخوبی آگیا ہے۔

ہاشمی صاحب نے اس سے قبل ہماری کتاب (تعریب علم الصیغہ) پر بھی تحقیقی حواشی اور اسئلہ وتمارین کا ایک لازوال کام کردیا ہے، نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا

کاندھلوی رحمہ اللہ کی تقریری بخاری پر اسی طرح تحقیقی کام کر چکے ہے، عربی نحو میر اور دیگر کتب پر ان کا کام تو بہت پہلے منظر عام پر آچکا ہے۔

اللہ تعالی ان کی ان مساعی جمیلہ کو امت کے لئے اس گئے گذرے وقت میں کار آمد اور مفید بنائے۔ آمین۔

ولی خان المظفر

سرپرست:

(۱) مجمع اللغۃ العربیۃ باکستان۔

(۲) پاکستان عربک لینگویج بورڈ۔

(۳) مظفر ٹرسٹ انٹرنیشنل۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الرُسل وخاتم النبیّین وعلی آلہ وأصحابہ وأتباعہ إلی یوم الدین، أما بعد:

اللہ جل شانہ وعم نوالہ نے انسان کواشرف المخلوقات بنایااوراسے بے شمارقسم کی نعمتوں سے نوازاہے،ایک بڑی نعمت ان میں سے علم کی دولت ہے؛ کیونکہ اس کے سکھانے کی نسبت اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پراپنی طرف فرمائی ہے جیسا کہ ارشادفرمایا﴿علم الإنسان مالم یعلم﴾اوردوسری جگہ فرمایا﴿الرحمن علم القرآن﴾ایک اورمقام پرفرمایا﴿وعلمک ما لم تکن تعلم﴾،اورپھرصاحب علم اوربے علم انسان کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے استفہام انکاری کے طورپرارشادفرمایا﴿ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون﴾،اوررسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے توعلماء کی جماعت کوانبیاءعلیہم الصلوات والتسلیمات کاوارث ٹھہراکرارشادفرمایا"العلماء ورثۃ الأنبیاء"۔

غرض اللہ تعالی نے علم جیسی بڑی دولت سے انسان کونوازاہےاوران علوم کی دوقسمیں بنائی ہے: علوم عالیہ اورعلوم آلیہ،اصل فضائل اورمراتب توعلوم عالیہ والوں کے لئے ہیں لیکن علوم آلیہ بھی موقوف علیہاہونے کی وجہ سے تبعاًان فضائل اورمراتب میں داخل ہیں، خاص کرعلم نحوجس کواللہ تعالی نے ایک خاص مقام عطاءفرمایاہے، یہی وجہ ہے کہ علماءمتقدمین اورمتاخرین دونوں نے موقع کوغنیمت سمجھ کراس میں چھوٹی بڑی کتابیں لکھیں اوراپنے لئے صدقہ جاریہ بنایا،خاص کر علامہ ابن حاجبؒ نے کافیہ لکھ کر"من سن سنۃ حسنۃ فلہ أجرھا وأجر من عمل بھا "کا مصداق بن کرشرح جامی،شرح الرضی، ہندیہ،أوفی الوافیۃ وغیرہاجیسی بے شمارقسم کی عربی، فارسی، اردوشروحات کی تصانیف کااجروثواب بھی اپنے کھاتے میں لےلیا،اورجن علماءاورطلباءنے اس کتاب کوپڑھ کراپنے علم میں چارچاندلگادئے ہیں اورجوآئندہ لگاتے رہیں گےان کےعلوم اور خدمات دینیہ میں بھی برابرکےشریک بن کراپنے لئے اجروثواب کامستقل کھاتہ اورکھولدیاہے(فیا ربّنا وفقنا کلنا مثلہ وأمثالہ)۔

ہمارے موجودہ زمانے تک اس پر علماء کرام اور مدرسین کی شروحات وتقاریر منظر عام پر آرہی ہیں اور ہر شرح میں پڑھنے والے کو نئے نئے نکتے ملتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بندے کو بھی اپنی نااہلی کے باوجود مدرسہ عربیہ تجوید القرآن قیوم آباد کراچی میں اس کتاب کے پڑھانے کا موقع ملا پڑھاتے وقت ہر طالبعلم اپنے بساط کے مطابق بندے کی تقریر نوٹ کرتے رہے لیکن خاص کر دو طالبعلموں (**محمد ارشاد اور محمد عثمان بارک اللہ فی حیاتھما و علومھما**) نے خوب اہتمام سے لکھ کر پھر بندے سے کہنے لگے کہ کیا اچھا ہو اگر اس کو نظر ثانی اور تکمیل کے بعد باقاعدہ ایک شرح کی صورت دی جائے، بندہ اپنی نااہلی اور کمزوری کو سامنے رکھ کر اس مطالبہ کو ٹالتا رہا، اس لئے کہ ہمارے اکابرین کی تقاریر اور شروحات کی موجودگی میں ہماری تقریر کی کیا حیثیت ہوگی لیکن ان کا اصرار بڑھتا رہا۔

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور زبان حال سے کہہ رہے تھے۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے اپنے اکابرین کی تقاریر اور لکھی ہوئی شروحات کی طرف مراجعت کر کے اس میں کچھ اضافات اور ترامیم کرتے ہوئے درج ذیل طریقے سے اس کو ترتیب دیا۔

(۱) پوری کتاب کو دروس میں تقسیم کر کے ہر درس کو اس کے مناسب عنوان کے ساتھ معنون کیا۔

(۲) عبارت ذکر کر کے آسان مقامات کا لفظی اور مشکل مقامات کا بامحاورہ ترجمہ کی کوشش کی گئی۔

(۳) تشریح کا عنوان لگا کر پورے درس کا تجزیہ پیش کیا کہ مثلاً آج کے درس میں اتنی باتیں ہیں۔

(۴) حتی الامکان قیل وقال اور اعتراضات وجوابات سے قصداً احتراز کر کے سیدھے سادھے طریقے سے مطلب سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے؛ کیونکہ عام طور پر کافیہ کے پڑھانے اور

اس کے متداول شروح میں جو دیکھا گیا ہے وہ یہ کہ اعتراضات اور جوابات کی ایک کڑی لگادی جاتی ہے جس کی وجہ سے ایک آسان سی بات بھی بڑی مشکل ہو جاتی ہے، حالانکہ کافیہ جس طریقے اور انداز سے پڑھانا چاہئے اس کے لئے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

> ''اس کتاب کا مقصد نحو کے مبادی سے کما حقہ واقفیت کے بعد اس علم کے تفصیلی مسائل کے ذریعے طالب علم میں فن کے ساتھ مناسبت پیدا کرنا اور اس کے ساتھ شواہد کی مدد سے مسائل نحو کے استنباط کا سلیقہ سکھانا ہے، لیکن ہمارے دور میں ان مقاصد کے حصول میں بہت بڑی رکاوٹ اس کتاب کا وہ طریق تدریس ہے جس میں سارا زور غیر متعلق چوں وچرا پر صرف کردیا جاتا ہے، اور اس چوں وچرا کی کثرت میں کتاب کے اصل مسائل گم ہو کر رہ جاتے ہیں اور طالب علم کی توجہ ٹھیٹھ نحوی مسائل ومباحث کے بجائے اعتراض وجواب کی طرف لگ جاتی ہے۔''

اور پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

> ''تحریر سنبٹ اور اس قسم کی دوسری شروح جو محض چوں وچرا پر مشتمل ہیں استاد چاہے تو اپنی دلچسپی کے لئے مطالعے میں رکھے لیکن اس قسم کے مباحث نہ طلبہ کے سامنے بیان کرے اور نہ طلبہ کو ایسی شروح دیکھنے کی اجازت دے۔'' (درس نظامی کی کتابیں کیسے پڑھیں اور پڑھائیں ص:۲۷و۲۸)

لہٰذا دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا البتہ انہی ہدایات اور ارشادات کو سامنے رکھ کر اپنے کم فہمی اور علمی لنگڑے پن کے باوجود چیونٹی کے چال چلنے کی کوشش کر کے بے ربط اور ادبیت سے یک سر خالی ہو کر چند باتوں کو یکجا کیا گیا ہے، اور ماہرین فن کو دعوت فکر دی گئی ہے کہ یہ تو اس نہج کی ایک ابتدائی چراغ ہے۔

چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے

البتہ وہ اپنی مہارت کو بروئے کار لا کر اپنے علمی جواہر پاروں کو اکابرین کے بتائے ہوئے

طریقے سے مرتب کر کے ہم جیسے پیاسوں کا علمی پیاس بجھادیں۔

بہر حال یہ ایک ادنی طالب علم کی ادنی سی کوشش ہے لہٰذا علماء اور طلبہ میں سے خاص کر جماعت مدرسین میں سے کسی کو بھی اس میں کوئی غلطی نظر آئے تو ناشر کے ذریعے ضرور بندہ کو مطلع کرلیا جائے تا کہ اگلی طباعت میں اس کی تصحیح کی جائے۔

اگر قارئین نے اس کو اچھے طریقے سے سراہا اور بندہ اس پر مطلع ہو گیا تو انشاء اللہ باقی حصہ جو منی پر مشتمل ہے اس پر بھی کچھ لکھنے کی ہمت کرے گا۔

فی الحال جو بھی کچھ ماحضر ہے اپنی طرف سے دو فیصدی حصے کا بھی دعوی مشکل ہے بلکہ سارا کا سارا اپنے اکابرین کثر اللہ جماعتہم واتباعہم کی تقاریر و شروحات سے لی گئی اقتباسات کا ایک مجموعہ ہے، اللہ جل شانہ سے دلی دعاء ہے کہ اس کو اپنے دربار عالیہ میں شرف قبولیت عطاء فرمائیں اور اپنے حبیب علیہ الصلوات والتسلیمات کے ساتھ محبت اور شفاعت کا ذریعہ بنائیں اور اس کی برکت سے بندہ اور اس کے والدین واقرباء اور جملہ اساتذہ کرام کے لئے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفا وکرامۃ کی بار بار زیارتوں اور عافیت کے ساتھ وہاں کے قیام اور شہادت کی موت کا ذریعہ بنائیں۔

آمین آمین لا أرضی بواحدۃ

حتی أضم إلیھا ألفین آمینا

ربنا تقبل منا إنک أنت السمیع العلیم وتب علینا إنک أنت التواب الرحیم

وصلی اللہ علی النبی الأمی وعلی آلہ وأصحابہ وأتباعہ وأمتہ أجمعین

إلی یوم الدین بعدد قطر الأمطار وأوراق الأشجار وذرات الرمال.

سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی

استاذ مدرسہ عربیہ تجوید القرآن قیوم آباد کراچی

۱۹؍ذی الحجہ ۱۴۳۰ھ

مبادیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين والصّلاة والسّلام على أفضل المرسلين محمّد وعلى آله وأصحابه الطيبين الطاهرين، وبعد:

درس (۱)

بسم اللہ سے شروع کرنے کی وجہ اور الف لام کی قسمیں

بسم الله الرحمن الرحيم

الكلمة:

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) کتاب کو ﴿بسم اللہ﴾ سے شروع کرنے کی وجہ۔

(۲) کلمہ کو کلام پر مقدم کرنے کی وجہ۔　(۳) الف لام کی قسمیں۔

پہلی بات: کتاب کو ﴿بسم اللہ﴾ سے شروع کرنے کی وجہ

صاحب کتاب علامہ ابن حاجبؒ نے اپنی کتاب ﴿بسم اللّٰہ الرَّحمن الرَّحیم﴾ سے شروع فرمائی بوجہ چند وجوہات کے:

(۱) **اقتداء بالقرآن:** یعنی قرآن مجید کی اتباع کرتے ہوئے، اس لئے کہ قرآن مجید کی ابتداء بھی ﴿بسم اللہ الرَّحمن الرَّحیم﴾ سے ہوئی ہے۔

(۲) **اقتداء بالحدیث النبوی الشریف:** یعنی جیسا کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "كل أمر ذی بالٍ لم يُبدأ فيه ببسم الله فهو أبتر" (أوکما قال علیہ الصلاۃ والسلام) تو اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے ایسا کیا۔

اور خود بھی رسول اللہ ﷺ جو کچھ لکھا کرتے تھے یا لکھوایا کرتے تھے تو عادت مبارکہ

یہ تھی کہ اس کو ﴿بسم اللہ﴾ سے شروع فرماتے جیسا کہ والا نامہ جات مبارکات اور صلح حدیبیہ کے مکتوبہ معاہدہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

(۳) اقتداء بالسلف الصالحین: جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ''الخیر مع اکابرکم'' تو سلف صالحینؒ اور اکابرینؒ نے جتنی کتابیں لکھی ہیں ان کی ابتداء بھی انہوں نے ﴿بسم اللہ﴾ ہی سے کی ہیں، اس لئے مصنف علامؒ نے بھی اپنی کتاب ﴿بسم اللہ﴾ سے شروع فرمائی۔

رہی یہ بات کہ مصنف علامؒ نے جب اتباع کی ہے تو پوری اتباع کیوں نہیں کی؟ یعنی ﴿بسم اللہ﴾ کے بعد ﴿الحمد للہ﴾ بھی تحریر فرمالیتے کیونکہ قرآن مجید میں بھی ﴿بسم اللہ﴾ کے بعد ﴿الحمد للہ﴾ آیا ہے اور حدیث مبارکہ میں جہاں ''کل أمر ذی بالٍ لم یُبدأ فیه ببسم الله فهو أبتر'' آیا ہے وہاں ''کل أمر ذی بالٍ لم یُبدأ بحمد الله فهو أبتر'' بھی آیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنفؒ نے قرآن مجید کے ابتداء نزولی کی اتباع کی ہے اور نزول کے اعتبار سے شروع میں ﴿الحمد للہ﴾ نہیں ہے، اور حدیث کا حکم عام ہے چاہے اس پر عمل قولاً اور قراۃً ہو یا فعلاً، تو مصنفؒ نے اگرچہ فعلاً تو اتباع نہیں کی ہے لیکن قولاً اور قراۃً ضرور کی ہوگی۔

دوسری بات: کلمہ کو کلام پر مقدم کرنے کی وجہ

علامہ ابن حاجبؒ نے اپنی یہ شہرہ آفاق کتاب نہایت مختصر الفاظ میں لکھی ہے جیسا کہ آپ اس کو ملاحظہ فرمالینگے، اس لئے صاحب کتابؒ نے یہاں بھی اختصار سے کام لیکر بلا کسی تمہید کے نحو کے موضوع یعنی کلمہ اور کلام کو شروع فرمایا، اور چونکہ کلمہ بمنزلہ مفرد اور کلام بمنزلہ مرکب کے ہوتا ہے اور مفرد کا مرکب پر مقدم کرنا چونکہ معروف ہے اس لئے یہاں بھی کلمہ کو کلام پر مقدم فرمایا۔

تیسری بات: الف لام کی قسمیں

اولاً الف لام کی دوقسمیں ہیں: (۱) اسمی (۲) حرفی۔

الف لام اسمی وہ ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول کے صیغوں پر داخل ہو جیسے الضارب والمضروب، (کما درسناہ فی نحو میر) ان کو اسمی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ (الذی) اسم موصول کے حکم میں ہوتے ہیں۔

اور الف لام حرفی وہ ہے جو الف لام اسمی کے علاوہ ہو، پھر اس کی دوقسمیں ہیں: (۱) زائد (۲) غیر زائد۔

زائد وہ ہے جس کے حذف کرنے سے کلام کے مقصودی معنی میں کچھ کمی نہ آتی ہو جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک شعر ہے ۔

ولقد امرُّ علی اللئیم یسبُّنی

فمضیتُ ثمّہ وقلتُ لا یُعنینی

''یعنی میں ایک ایسے آدمی سے گذرتا ہوں جو مجھے گالیاں دیتا ہے تو میں وہاں سے سیدھا چلا جاتا ہوں اور دل میں کہتا ہوں کہ یہ گالیاں مجھے نہیں دے رہا۔''

یہاں (اللئیم) پر الف لام زائد ہے، کیونکہ آگے اس کی صفت (یسبنی) جملہ فعلیہ کی صورت میں آرہا ہے، اور جملہ من حیث الجملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا (اللئیم) کا الف لام اگر زائد نہ مانا جائے تو اس کا معرفہ ہونا لازم آئے گا، پھر موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں رہے گی۔

اور غیر زائد وہ ہے جن کے حذف کرنے سے معنی مقصودی میں خرابی لازم آرہی ہو جیسے (الرجل قائمٌ) یہ دونوں آپس میں مبتدا اور خبر ہیں، اس سے اگر الف لام حذف کردیا جائے تو ایک تو مبتداء کا نکرہ ہونا لازم آئے گا جو صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ مبتداء اور خبر نہیں رہیں گے بلکہ موصوف اور صفت بن جائینگے۔

پھراس غیرزائد کی چار قسمیں ہیں:

(۱) **الف لام جنسی** یہ وہ الف لام ہے جس کے مدخول سے افراد مراد نہ ہوں بلکہ ان افراد کی ماہیت اور صفات مراد ہوں جیسے "الرجل خیر من المرأة" میں "الرجل" اور "المرأة" کاالف لام۔

(۲) **الف لام استغراقی** یہ وہ الف لام ہے جس کے مدخول سے تمام افراد مراد ہوں جیسے ﴿والعصر إن الإنسان لفی خسر﴾ میں "الإنسان" کاالف لام۔

(۳) **الف لام عہد ذہنی** یہ وہ الف لام ہے جس کے مدخول سے بعض افراد مراد ہوں جبکہ وہ متکلم کے ذہن میں تو متعین ہوں لیکن سامع کے ذہن میں متعین نہ ہوں جیسے ﴿إنّی اخاف أن یاکله الذّئب﴾ میں "الذئب" کاالف لام۔

(۴) **الف لام عہد خارجی** یہ وہ الف لام ہے جس کے مدخول سے بعض متعین افراد مراد ہوں یعنی متکلم اور سامع دونوں کو معلوم ہو جیسے ﴿فعصی فرعون الرّسولَ﴾ میں لفظ "الرسول" کاالف لام، اس لئے کہ یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ فرعون ملعون نے کونسے رسول کی مخالفت اور نافرمانی کی تھی۔

پورے درس کا خلاصہ یہ ہوا کہ تین وجوں سے اپنی کتاب ﴿بسم اللّٰه﴾ سے شروع فرمائی، اور کلمہ کو کلام پر اس لئے مقدم کیا کہ کلمہ بمنزلہ مفرد اور کلام بمنزلہ مرکب کے ہوتا ہے، اس کے بعد الف لام کی اولاً دو قسمیں یعنی اسمی اور حرفی آگئیں، پھر حرفی کی دو قسمیں زائد اور غیر زائد آگئیں اور پھر آخر میں غیر زائد کی چار قسمیں آگئیں۔

☆☆☆

درس (۲)

کلمہ اور اس میں الف لام کی تحقیق

الکلمة:

تشریح: آج کے درس میں دو باتیں ہیں:

(۱) الکلمة میں الف لام کی تعیین۔ (۲) لفظ کلمة کی تحقیق۔

پہلی بات: ''الکلمة'' میں الف لام کی تعیین

پچھلے درس میں الف لام کی قسمیں ہمارے سامنے واضح ہوگئیں، آج کے درس میں یہ بتانا ہے کہ (الکلمة) میں الف لام کونسی قسم والا ہے؟۔

لہٰذا اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ (الکلمة) میں الف لام اسمی تو نہیں ہوسکتا؛ اس لئے کہ (الکلمة) نہ تو اسم فاعل کا صیغہ ہے اور نہ اسم مفعول کا۔

اور الف لام زائد بھی نہیں ہوسکتے؛ کیونکہ الف لام زائدہ وہ ہوتے ہیں جن کے دخول اور عدم دخول سے کلمہ کے تنکیر اور تعریف میں کچھ فرق نہ آتا ہو بلکہ اس کے داخل ہونے کے بعد بھی کلمہ نکرہ ہی ہو، جبکہ یہاں پر الف لام کے دخول سے (الکلمة) معرفہ بنتا ہے (جیسا کہ یہاں پر بھی معرفہ واقع ہوا ہے) اور حذف کرنے سے نکرہ بنتا ہے، لہٰذا یہ بات متعین ہوگئی کہ (الکلمة) میں الف لام زائد نہیں ہے بلکہ غیر زائد ہے لیکن غیر زائد کی بھی چار قسمیں ہیں (کمافی الدرس السابق) تو ان میں سے کونسی قسم ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الف لام جنسی بھی بن سکتا ہے، مراد اس سے تمام کلمات نحویہ ہوں گے اس صورت میں (الکلمة) کی تاء اگر چہ برائے وحدت ہے جس کی بظاہر جنس کے ساتھ منافات اور تعارض ہوتا ہے، کیونکہ جنس کثرت اور عموم چاہتی ہے اور وحدت

خصوص کا تقاضا کرتی ہے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہر تاء وحدت کی جنس کے ساتھ منافات نہیں ہوتی بلکہ وحدت کی کئی قسمیں ہیں:

(۱) وحدت فردی یا شخصی جیسے زیدٌ اور فاطمة۔

(۲) وحدت جنسی جیسے امرأةٌ اور رجلٌ۔ (۳) وحدت نوعی جیسے انسانٌ۔

ان قسموں میں سے جنس کی منافات صرف وحدت فردی کے ساتھ ہے؛ کیونکہ وہ کثرت اور عموم کو نہیں چاہتی بلکہ ایک ہی ذات معینہ پر دلالت کرتی ہے جبکہ یہاں (الکلمة) میں تاء وحدت فردی کی نہیں ہے بلکہ وحدت جنسی کی ہے۔

اور الف لام عہد خارجی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں اس صورت میں اس کا مراد بھی معہود فی الذھن ہوگا وہ اس طرح کہ ہمارا بحث ہی نحو کا ہے لہٰذا اس کلمہ سے بھی نحوی کلمہ مراد ہوگا نہ کہ کوئی منطقی اور لغوی کلمہ۔

باقی الف لام استغراقی نہیں ہوسکتے، اس لئے کہ ہم نے خود ہی کہہ دیا کہ (الکلمة) سے صرف کلمہ نحوی مراد ہے، اور عہد ذہنی بھی نہیں بن سکتے: اس لئے کہ ان کے داخل ہونے سے کوئی اسم معرفہ نہیں بنتا جبکہ یہاں تو واضح ہے کہ (الکلمة) ترکیب میں مبتداء واقع ہے اور مبتداء ہمیشہ معرفہ ہوتا ہے۔

دوسری بات: لفظ ''الکلمة'' کی تحقیق

کلمة کی تحقیق میں تین بحثیں ہیں:

(۱) (الکلمة) اسم مشتق ہے یا جامد۔ (۲) کلمٌ جمع ہے یا اسم جنس ہے۔

(۳) اس کے آخر میں تاء وحدت کی وضاحت۔

پہلی بحث: ''کلمة'' مشتق ہے یا جامد

کلمة کے مشتق اور جامد ہونے میں علماء نحو کے دو مذہب ہیں:

(۱) بعض علماء نحوؒ کے ہاں اسم مشتق ہے؛ کیونکہ یہ کَلْمٌ (بمعنی زخمی کرنا) سے نکلا

ہے، رہی اسم مشتق اور مشتق منہ کے درمیان مناسبت تو وہ با قاعدہ معنوی اور لفظی دونوں طرح پائی جارہی ہے: لفظی تو یہ ہے کہ ان دونوں (کلمہ اور کلمٌ) کا مادہ ایک ہے، اور معنوی یہ ہے کہ ان دونوں میں زخمی کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا۔

جراحات السِّنان لها التیامُ

ولا یلتام ما جرح اللّسانُ

یعنی تلوار کا زخم تو صحیح ہو جاتا ہے لیکن زبان کا زخم کبھی صحیح نہیں ہوتا۔

اور کسی پشتو شاعر نے شعر ہی کی صورت میں اس کا ترجمہ کیا تھا۔

پہ دارو خو دَ نیزے زخم جوڑیگی

جوڑ بہ نہ شی پہ دارو پر ہر دَ جبے

جبکہ ایک اور شاعر نے ان الفاظ میں ترجمہ کیا تھا۔

زخم دَ تورے بہ م جوڑ شی

جوڑ بہ م نہ شی ستا دَ جبے پر ہر ونہ

(۲) جمہور علماء نحوؒ کے ہاں یہ اسم جامد ہے اسم مشتق ماننے کی صورت میں مناسبت بعیدہ کا ارتکاب لازم آتا ہے (کما مر بیانہ فی مذہب بعض العلماء)۔

دوسری بحث کَلِمٌ جمع ہے یا اسم جنس

(کَلِمٌ) کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ جمع ہے یا اسم جنس، تو بعض علماء نحوؒ (یعنی صاحب اللباب، صاحب الصحاح، علامہ جوہری اور ان کے متبعینؒ) فرماتے ہیں کہ یہ جمع ہے، دلیل ان کی یہ ہے کہ اگر یہ جمع نہ ہوتا تو اس کا اطلاق ایک اور دو پر بھی ہوتا حالانکہ اس کا اطلاق صرف دو سے زیادہ پر ہوتا ہے۔

اور جمہور علماء نحوؒ فرماتے ہیں کہ نہیں جی! یہ اسم جنس ہے جو قلیل اور کثیر دونوں پر

صادق آتا ہے، اپنے اس دعوی پر ان کے پاس دو دلیلیں ہیں:

پہلی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں فرمان باری تعالی ہے ﴿إليه يصعد الكلم الطيب والعمل الصَّالح﴾، غور فرمائیں کہ (الكلم) اگر اسم جنس نہ ہوتا تو آیت مبارکہ یوں ہوتی ﴿إليه تصعد الكلم الطَّيبة﴾ یعنی ایک تو فعل واحدہ مؤنثہ کے صیغے کے ساتھ لایا جاتا۔

اور دوسرا یہ کہ "الطَّيبة" جو "الكلم" کی صفت ہے یہ "الطَّيبة" یا "الطَّيبات" مفرد مؤنث یا جمع مؤنث لایا جاتا؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ لا یعقل کی جمع واحدہ مؤنثہ کے حکم میں ہوتی ہے۔

دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ (كَلِمٌ فَعِلٌ) کے وزن پر ہے اور جمع کے تمام اوزان میں یہ وزن کہی نہیں ملتا، لہذا یہ بات متعین ہوگئی کہ یہ اسم جنس ہے جمع نہیں ہے۔

اور صاحب اللباب والصحاحؒ کی پیش کردہ دلیل کا جواب یہ ہے کہ اعتبار اصل وضع کا ہوتا ہے استعمال نہیں، اور (كلمٌ) کی وضع واحد، تثنیہ اور جمع سب کے لئے ہوئی تھی، مگر مافوق الاثنین میں کثرت استعمال کی وجہ سے اب گویا کہ اسی کے ساتھ خاص ہوگیا ہے۔

جمہورؒ کی پیش کردہ دلیل کا صاحب اللباب والصحاح یہ جواب دے رہے ہیں کہ آیت مبارکہ میں (الكلم) مضاف الیہ سے پہلے لفظ (بعضُ) مضاف محذوف ہے تو گویا کہ اس کا معنی یہ بنے گا ﴿إليه يصعد بعض الكلم الطيب﴾، تو ﴿يصعد﴾ کا فاعل بھی لفظ (بعضُ) ہے جو کہ واحد مذکر ہے اور (الطيب) بھی اسی لفظ (بعضُ) کی صفت ہے، لہذا جمہورؒ کی پیش کردہ خرابی بھی لازم نہیں آئیگی۔

لیکن جمہور نحاۃؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اس میں لفظ (بعضُ) کا مقدر ماننا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ آیت مبارکہ میں بعضیت کا معنی پہلے سے موجود ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالی کی طرف ساری باتیں تو نہیں جاتی بلکہ صرف پاک باتیں ہی جاتی ہیں، لہذا بعضیت کا معنی گویا کہ پہلے سے موجود ہے۔

تیسری بحث: لفظ ''الکلمۃ'' میں تاء کی وضاحت

(الکلمۃ) کے آخر میں جو تاء مدورہ ہے یہ برائے وحدت ہے، اس پر مشہور اشکال واقع ہوگا کہ تاء برائے وحدت کیسی صحیح ہے جبکہ آپ نے اس کے الف لام کو جنسی بتایا ہے جیسا کہ گذر گیا، پھر اس کے آخر میں تاء وحدت کیسی آگئی؟ تو اس کا جواب پیچھے گذر چکا ہے ملاحظہ ہو الف لام کے تعین کے تحت۔

لہٰذا جب یہ بات واضح ہوگئی کہ ان دونوں میں کوئی منافات نہیں تو اب (الکلمۃ) کا معنی یہ ہوگا کہ (جنس کلمہ اور اس کی ماہیت علماء نحو کے ہاں یہ ہے کہ (لفظٌ وضع لمعنیً مفرد)۔

پورے درس کا خلاصہ یہ ہوا کہ (الکلمۃ) میں الف لام جنسی بھی بن سکتا ہے اور عہد خارجی بھی، اور (کَلْمٌ) اسم مشتق ہے بمعنی زخمی کرنا، اور یہ جمہور کے ہاں اسم جنس اور بعض علماء کے ہاں جمع کا صیغہ ہے، اور اس کے آخر میں تاء وحدت جنسی کی ہے جو الف لام جنسی کے معارض اور منافی نہیں ہے۔

درس (۳)

''لفظٌ وضع لمعنیً'' کی تحقیق

لفظٌ وضع لمعنیً مفردٍ.

تشریح: آج کے درس میں دو باتیں ہیں:

(۱) لفظٌ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔ (۲) وضعَ اور لمعنیً کی تحقیق۔

پہلی بات لفظ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

لفظ: اس کا لغوی معنی ہے (الرمی) یعنی پھینکنا، جیسا کہ عرب کہتے ہیں: (أکلتُ

التمرۃ ولفظتُ النواۃ) یعنی میں نے کھجور کھائی اور گٹھلی پھینک ڈالی، اور (لفظت الرّحی الدقیقَ) یعنی چکی نے آٹے کو پیس کر پھینک ڈالا۔

اور اصطلاح نحو میں اس کی تعریف یہ ہے کہ (ما یتلفظ به الإنسان قليلاً كان أو كثيراً، موضوعاً كان أو مهملاً، حقيقتاً كان أو حكماً، مفرداً كان أو مركباً) یعنی لفظ وہ کلمہ ہے جس پر انسان تلفظ کر سکے، چاہے وہ تلفظ کبھی کبھار ہو اور چاہے اکثر اوقات، چاہے وہ موضوع ہو یا مہمل، اور چاہے اس پر تلفظ حقیقتاً ہو یا حکماً، اور چاہے وہ لفظ مفرد ہو یا مرکب۔

ما یتلفظ به الإنسان: اتنے کہنے سے بظاہر کلام الملائکہ اور کلام الجن اس تعریف سے خارج ہو رہے تھے لیکن (قليلاً كان أو كثيراً یعنی چاہے وہ تلفظ کبھی کبھار ہو یا اکثر طور پر ہو کی قید سے یہ دونوں داخل ہی رہے، یا یہ کہ ہماری تعریف میں بالقوۃ کی قید محذوف ہے جس کی طرف ہم نے ترجمہ کرتے وقت اشارہ کیا ہے، یعنی ہر وہ کلام جس پر انسان کو تلفظ کی قدرت حاصل ہو، جیسے فرشتوں کا یہ قول۔

إن في الجنة نهراً من لبنٍ
لعلي وحسين وحسن

اور جنات کا یہ کلام۔

قبر حرب بمكان قفر
وليس قرب قبر حرب قبرُ

اس پر انسان نے اگر چہ تلفظ نہ بھی کیا ہو لیکن اس کو اس پر تلفظ کی قدرت حاصل تو ہے اس لئے یہ کلمہ کی تعریف میں داخل رہیں گے۔

اس طرح (موضوعاً كان أو مهملاً) کی قید کے ذریعے مہملات اور موضوعات سارے شامل ہو گئے۔

اور (حقیقتا کان أو حکماً) کی قید سے اس میں وہ ضمائر بھی داخل ہو گئے جو بعض کلمات میں مستتر ہوتے ہیں، جیسے قرأ میں ہو اور اقرأ میں أنتَ، اس پر حقیقتاً اگرچہ تلفظ نہیں ہوتا لیکن حکماً ضرور ہوتا ہے۔

مفرداً کان أو مرکباً: کی قید کے ذریعے اس میں مفردات کے ساتھ مرکبات بھی شامل ہو گئے۔

الکلمة: یہ مبتدا ہے اور مؤنث ہے اور (لفظٌ) اس کی خبر ہے جو کہ مذکر ہے حالانکہ مبتدا اور خبر کے درمیان تذکیر اور تانیث میں مطابقت لازمی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مطابقت کی یہ شرط اسماء مشتقہ کے لئے ہے اور (لفظ) تو اسم مصدر ہے اور مصدر کبھی مذکر ہوتا ہے اور کبھی مؤنث تو یہاں گویا کہ مؤنث ہے لہٰذا دونوں میں حکمی طور پر مطابقت پائی گئی۔

دوسری بات وُضِعَ اور لِمَعْنیً کی تحقیق

وُضعَ: یہ باب فتح یفتح سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور (وضعٌ) مصدر سے مشتق ہے اس کا لغوی معنی ہے رکھنا اور متعین کرنا۔

اور اصطلاح میں وضع کہتے ہے (تخصیص الشیء بالشیء بحیث متی أطلق أو أحسَّ الشیء الأول فُهم منه الثاني) یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب پہلی چیز بولی جائے یا محسوس کی جائے تو اس کی وجہ سے دوسری چیز خود بخود سمجھ میں آجائے جیسے دھویں کو دیکھ کر اس سے آگ کا موجود ہونا خود بخود سمجھ میں آجاتا ہے۔ (کما في تیسیر المنطق)۔

لمعنی: معنیٰ کا لغوی معنی ہے (ما یُقصد بشیء أی: المقصود من الشيء)، یعنی معنی وہ چیز ہے جس کو کسی اور چیز کے ذریعے مراد لیا جائے، اور اصطلاح نحو میں یہ (عَنَی یَعْنِیْ ضرب یضربُ) سے یا تو اسم مفعول کا صیغہ ہے یا مصدر میمی ہے یا اسم ظرف ہے، اسم مفعول ہو تو اس کا اصل رمی یرمی سے (مــــرمــــویٌ) کی طرح

(مَعْنُوْیٌ) ہوگا، (سیِّدٌ) کے قانون سے واؤ کو یاء کر کے یاء کو یاء میں مدغم کیا تو (معنیٌّ) ہوا، پھر (دِعِیٌّ) کے قانون سے یاء کے ماقبل والے ضمے کو کسرہ سے تبدیل کرلیا تو (مـعـنِـیٌّ) ہوگیا، پھر دُعِیَ کے قانون سے یاء کے ماقبل والے کسرہ کو فتح سے تبدیل کرلیا تو (مـعـنَیٌ) ہوگیا، اس کے بعد قال باعَ کے قانون سے یاء کو الف سے تبدیل کیا تو (معنانْ) بن گیا، پھر التقاء ساکنین کے قانون سے پہلے ساکن کو حذف کیا تو (مَـعْنًی) بن گیا، اس طرح اس میں کل چھ قوانین جاری ہوگئے۔

اور اسم ظرف یا مصدر میمی ہو تو دونوں صورتوں میں معنی غلط ہوگا مثلاً اسم ظرف کی صورت میں معنی یہ بنے گا کہ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو مکان قصد کے لئے وضع کیا گیا ہو، اور مصدر میمی کی صورت میں بھی معنی غلط ہوگا، وہ یہ کہ کلمہ وہ لفظ ہے جس کو نفس قصد اور ارادہ کے لئے وضع کیا گیا ہو، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں اس کو اسم مفعول کے معنی میں لے لینگے؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ جہاں کہیں عبارت میں اسم ظرف یا مصدر میمی واقع ہو اور ان کو اپنے حقیقی معنی پر محمول نہ کیا جاسکتا ہو تو وہاں اس کو اسم مفعول کے معنی میں لیا جائے گا۔

درس (۴)

لفظ مفردٌ کی تحقیق اور اس کی اعرابی صورتیں

مفردٌ

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) مفردٌ کی تحقیق اور اس کی اعرابی صورتیں۔ (۲) کلمة کی تعریف میں فوائد و قیود۔

پہلی بات مفردٌ کی تحقیق اور اس کی اعرابی صورتیں

مـفـردٌ: یہ باب افعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کا لغوی معنی ہے اکیلا کیا ہوا، اور اصطلاح نحو میں اس کا معنی یہ ہے کہ (ما لا یدلُّ جزءُ لفظِهِ علی جزء معناه)،

یعنی مفرد وہ لفظ ہے جس کے اجزاء اس کے معنی کے اجزاء پر دلالت نہ کرتے ہو، مثلاً (کراسۃٌ) ایک مفرد لفظ ہے اس کا معنی ہے کاپی، لیکن اس میں یہ نہیں ہوسکتا کہ (کراسۃ) کے کاف سے کاپی کا جلد مراد لیا جائے اور راء سے اس کے اوراق اور الف اور سین وغیرہ سے اس کی سطریں مراد لی جائے، یا اسی طرح زید کی زاء سے اس کا سر، اور یاء سے اس کا پیٹ اور کمر، اور دال سے اس کے پیر مراد لئے جائیں، بلکہ پورے الفاظ کا مجموعہ تو اپنے معنی پر دلالت کررہا ہو لیکن اس کے اجزاء معنی کے اجزاء پر دلالت نہ کررہے ہوں۔

مفرد: اس کو ترکیبی اعتبار سے تین طریقے سے پڑھنا جائز ہے:

(۱) مفردٍ مجرور پڑھنے کی صورت میں یہ (لمعنی) مجرور کے لئے صفت واقع ہوگی، چنانچہ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو مفرد معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

(۲) مفرداً منصوب پڑھنے کی صورت میں اس میں دو احتمال ہوں گے:

ایک یہ کہ یہ (وُضِعَ) کی ضمیر نائب فاعل سے (جو کہ فاعل حکمی ہے لیکن صاحب مفصل علامہ ابن یعیش نحویؒ کے ہاں یہ بھی فاعل حقیقی ہوتا ہے تو یہ اس سے) حال واقع ہوگا، لہٰذا مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ لفظ مفرد ہو۔

فائدہ۱: قاعدے کے موافق حال اور ذوالحال کے درمیان فاصلہ نہیں آتا لیکن یہ قاعدہ وہاں کے لئے ہے جہاں کسی دوسرے کلمے سے حال واقع ہونے کا التباس لازم آرہا ہو لیکن یہاں (وُضِعَ) کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی صورت میں کسی اور کے ساتھ التباس لازم نہیں آرہا اس لئے یہاں دونوں کے درمیان فاصلہ لانا جائز ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ (معنیً) سے حال واقع ہورہا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ ایسا لفظ ہے جس کو وضع کیا گیا ہو معنی کے لئے اس حال میں کہ وہ معنی مفرد ہو۔

فائدہ۲: عام طور پر حال کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ حال وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول یا دونوں کی حالت کو بیان کرے، لیکن یہ حال کی پوری تعریف نہیں ہے بلکہ پوری

تعریف وہ ہے جس کو علامہ ابن مالک نحویؒ نے بیان فرمائی ہے، کہ حال وہ ہے جو فاعل، مفعول، مبتدا، خبر، اور اسم مجرور میں سے کسی بھی ایک کی حالت کو بیان کرے جیسا کہ یہاں اسم مجرور کی حالت بیان ہوئی ہے۔

فائدہ ۳: جیسا کہ ہم نے نحو میر میں ایک قاعدہ پڑھا تھا کہ ذوالحال عام طور پر معرفہ ہوتا ہے لیکن اگر کہیں وہ نکرہ ہو تو وہاں حال کو ذوالحال پر مقدم کیا جائے گا تا کہ ان دونوں کا موصوف صفت کے ساتھ التباس لازم نہ آئے، جیسے (لقيتُ راكباً رجلاً)، لیکن جہاں ذوالحال مجرور ہو وہاں چونکہ التباس کا خطرہ نہیں ہوگا اس لئے وہاں حسب سابق ذوالحال پہلے اور حال بعد میں ہوگا جیسا کہ یہاں آپ دیکھ رہے ہیں (**الكلمة لفظٌ وضع لمعنىً مفردٌ**)۔

(۳) **مفردٌ:** کو مرفوع پڑھنے کی صورت میں یہ ماقبل والے (**لفظٌ**) کے لئے صفت ثانی ہوگی، مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ ایسا مفرد لفظ ہے جس کو کسی معنی کے لئے وضع کیا گیا ہو۔

لیکن اس صورت میں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ حضرت! موصوف صفت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جب موصوف ایک ہو اور صفتیں زیادہ ہوں درانحالیکہ بعض صفتیں مفرد ہوں اور بعض مرکب، تو وہاں صفات مفردہ کو صفات مرکبہ پر مقدم کیا جاتا ہے لیکن یہاں اس کے برعکس ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی! یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ قاعدہ اکثریہ ہے ورنہ قرآن مجید میں یوں نہ ہوتا ﴿هذا كتابٌ أنزلناه مباركٌ﴾ دیکھئے یہاں ﴿كتاب﴾ موصوف ہے، ﴿أنزلناه﴾ پورا جملہ اس کے لئے صفت اول اور ﴿مباركٌ﴾ اس کے لئے صفت ثانی ہے۔

دوسری بات: مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

کلمہ کی تعریف بیان کرنے کے لئے علامہ ابن حاجبؒ نے چار کلمات ذکر

فرمائے ہیں: (۱) لفظٌ، (۲) وضعَ، (۳) لمعنی، (۴) مفرد۔

ان میں سے پہلا (لفظٌ) جنس کے درجے میں ہے لہٰذا اس میں وہ ساری چیزیں داخل ہونگی جو ہم نے ماقبل والے درس میں لفظ کی تعریف میں ذکر کی تھیں یعنی چاہے وہ قلیل ہو یا کثیر مہمل ہو یا موضوع مفرد یا مرکب۔۔۔ الخ لیکن (وُضِعَ) جو کہ فصل اول ہے اس کی وجہ سے مہملات سارے کے سارے خارج ہو گئے، اور (لمعنی) فصل ثانی ہے اس کی وجہ سے حروف ہجاء جو محض ترکیب کے لئے ہوتے ہیں وہ خارج ہو گئے، لیکن حروف معانی تا حال داخل رہیں گے؛ اس لئے کہ وہ (موضوع للمعنی) ہوتے ہیں، اور (مفردٌ) فصل ثالث ہے جس کی وجہ سے مرکبات نکل گئے؛ اس لئے کہ اس پر کلام کی تعریف صادق آتی ہے جو آگے آنی والی ہیں، اور ہمارا یہ بحث کلمہ سے ہے کلام سے نہیں ہے۔

درس (۵)

کلمہ کے اقسام اور اس کے درمیان وجہ حصر

وهي اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ؛ لأنها إمَّا أن تدلَّ على معنىً في نفسها، أو لا، الثاني الحرف، والأوَّل إمَّا أن يقترن بأحد الأزمنة الثلاثة أو لا، الثاني الاسم، والأول الفعل، وقد عُلم بذلك حدُّ كل منها.

ترجمہ: اور (کلمہ) اسم فعل اور حرف ہے، اس لئے کہ یا تو وہ دلالت کرے گا اپنے معنی پر بذات خود یا نہیں، دوسری قسم حرف ہے، اور پہلی والی کا معنی تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ یا تو ملا ہوا ہوگا یا نہیں، دوسری قسم اسم ہے، اور پہلی والی فعل، اور یقیناً (ہماری اس مختصر عبارت سے) کلمہ کی تینوں قسموں کی تعریفیں بھی معلوم ہو گئیں۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) کلمہ کی تین قسموں کا دعوی۔ (۲) مذکورہ دعوی پر دلیل۔

(۳) ہر قسم کے طلبہ کو صاحب کتاب کا مخاطب کرنا۔

پہلی بات: کلمہ کی تین قسموں کا دعوی

(وھی اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ) سے صاحب کتاب ؒ نے اپنا دعوی پیش فرمایا ہے کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں نہ تو اس سے کم ہو سکتی ہیں اور نہ زیادہ، اور وہ تین قسمیں اسم فعل اور حرف ہیں۔

ترکیبی اعتبار سے (ھی) ضمیر مبتدأ ہے اور (اسمٌ وفعلٌ وحرفٌ) پورا اس کے لئے خبر ہے، لیکن یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ جناب عالی! مبتدأ اور خبر کے لئے ایک قاعدہ ہے کہ (الضَّمير إذا دار بين المرجع والخبر فرعاية الخبر أولى من المرجع، وهكذا حكم خبر اسم الإشارة۔

یعنی ضمیر جب اپنے مرجع اور خبر کے درمیان واقع ہو جائے تو بجائے مرجع کے خبر کی رعایت کر کے اس کو مذکر یا مؤنث لانا واجب ہے، اسی طرح اسم اشارہ کو بھی مشار إلیہ کے بجائے اپنی خبر کے موافق لانا واجب ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے: ﴿فلما رأى الشَّمسَ بازغةً قال هذا ربّى﴾، دیکھئے یہاں ﴿هذا﴾ کا مشار إلیہ ﴿الشمسُ﴾ مؤنث ہے لیکن آگے لفظ ﴿ربی﴾ اس کی خبر مذکر ہے اس لئے اسم اشارہ کو مذکر ذکر فرمایا ہے، تو صاحب کتاب ؒ کو بھی (ھی اسمٌ) کے بجائے (ھو اسمٌ) کہنا چاہئے تھا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ قاعدہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن یہاں (ھی) ضمیر کی خبر (اسمٌ) نہیں ہے بلکہ اس کی خبر لفظ (منقسمةٌ) ہے جو کہ محذوف ہے، اور (اسمٌ) خبر ہے مبتدأ محذوف کی، تو عبارت یوں ہوگی: (وھی أی: الكلمة منقسمةٌ إلى ثلاثة أنواع: أحدها اسمٌ وثانيها فعلٌ وثالثها حرفٌ)۔

الملاحظة: صاحب کتاب ؒ نے دعوی کرتے وقت اسم کو مقدم فرمایا اس لئے کہ یہ کلام میں عمدہ ہوتا ہے کیونکہ یہ مسند اور مسند إلیہ دونوں بن سکتا ہے، اور آگے دلیل

اور وجہ حصر بیان کرتے ہوئے حرف کو مقدم فرمایا ہے؛ کیونکہ اسم اور فعل مرکب کے درجے میں ہیں اور حرف مفرد کے درجے میں، تو گویا کہ مفرد کو مرکب پر مقدم فرمایا، غرض یہ کہ وہاں اسم کو مقدم کرنا صحیح تھا اور یہاں حرف کو مقدم کرنا صحیح ہے۔

رہی یہ بات کہ اسم کو اسم کیوں کہتے ہیں تو اس کے بارے میں بصریین اور کوفیین کا اختلاف اور اسی طرح فعل اور حرف کا وجہ تسمیہ پوری تفصیل کے ساتھ ہدایۃ النحو میں گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔

دوسری بات: مذکورہ دعوی کی دلیل

لأنّها إما أن تدل علی معنیً في نفسها... إلخ اس عبارت سے علامہ ابن حاجبؒ اپنے دعوی کی دلیل اور ان تینوں قسموں میں وجہ حصر بیان فرمارہے ہیں کہ میں نے اور دیگر علماء نحو نے کلمہ کی جو تین قسمیں بنائی ہیں وہ اس لئے کہ کلمہ کی صفات میں سے یہ ہے کہ وہ اپنے معنی پر بذات خود دلالت کرے گا یا نہیں، اگر نہیں کرتا تو ایسی قسم حرف کہلاتا ہے، متن کتاب میں اس مقام پر (**الثاني**) کا جو لفظ لکھا ہوا ہے یہ (**الكلمة**) کی صفت نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ مذکر ہے، بلکہ یہ (**القسم**) موصوف محذوف کی صفت ہے، (**كما أشار إليه الناكتؒ**) اور اگر اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اپنے معنی کے ساتھ ساتھ تین زمانوں میں سے کسی زمانے کے ساتھ ملا ہوا ہوگا یا نہیں، اگر ملا ہوا ہو تو وہ فعل کہلاتا ہے اور ملا ہوا نہ ہو تو وہ اسم کہلاتا ہے۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ (**لأنّها**) میں (**ها**) ضمیر جو (**إنّ**) کا اسم ہے یہ کلمہ کی طرف راجع ہونے کی وجہ سے ذات ہے اور (**أن تدل علی معنی فی نفسها**) بتاویل مصدر ہوکر (**إنّ**) کی خبر ہے، حالانکہ مصدر وصف ہے تو وصف کا حمل ذات پر آرہا ہے جو کہ منع ہے۔

علماء نحو نے خاص کر فاضل ہندیؒ اور صاحب غایۃ التحقیقؒ اور شیخ رضی اور میر سید شریف الجرجانیؒ نے اس کے مختلف جوابات دیئے ہیں، لیکن صاحب جامیؒ نے بڑا اچھا

جواب دیا ہے: وہ یہ کہ (أن تـدلَّ) بلاواسطہ اور ڈائرکٹ (أنَّ) کے لئے خبر نہیں بن رہی بلکہ یہ مبتدا مؤخر ہے اور (مـن صـفتهـا) محذوف نکال کر اس کے لئے خبر مقدم بنادینگے، مبتداً مؤخر خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر (أنَّ) کے لئے خبر بن جائے گا، لہٰذا (أنَّ) کی خبر بننے سے پہلے یہ جملہ بنا اور جملہ من حیث الجملہ ذات مع الوصف پر دلالت کرتا ہے اور ذات مع الوصف کا حمل ذات پر جائز ہے، فما بقی الإشکال۔

تیسری بات ہر قسم کے طلبہ کو صاحب کتاب کا خطاب

(وقـد عُـلـم بـذلـک) سے صاحب کتابؒ کی شفقت علی الطلبۃ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، وہ اس طرح کہ عام طور پر طلبہ کی تین قسمیں ہوتی ہیں: (۱) ذہین (۲) متوسط (۳) غبی اور کند ذہن۔

ذہین طلبہ کو ماقبل میں ذکر کردہ دعوی اور اس کی دلیل یعنی وجہ حصر ہی سے اسم فعل حرف کی تعریفات سمجھ میں آجاتی ہیں تو گویا کہ ذہین طلبہ کو وہاں خطاب فرمایا۔

اور (وقـد عُـلـم بذلک) سے متوسط طلبہ کو متوجہ فرما رہے ہیں کہ بچوں! آپ لوگوں کو کچھ پتہ چلا یا نہیں کہ پیچھے جو وجہ حصر گذر گئی اس میں اشارۃ النص کے طور پر اسم فعل اور حرف کی تعریفات بھی گذر گئیں ہیں، لہٰذا ذہن پر کچھ زور لگا کر اس کو سمجھ لو۔

اور کمزور قسم کے طلبہ کے لئے صرف ان دو طریقوں پر اکتفاء نہیں فرمایا بلکہ ان کے لئے اسم فعل حرف۔ ہر ایک کے لئے مستقل عنوان لگا کر ہر ایک کی تعریف پوری وضاحت کے ساتھ ذکر فرمائی ہیں اور پھر مزید برآں ان کی علامات بھی ذکر فرمائی ہیں۔

(بـــذلک) اسم اشارہ کا مشار إلیہ پیچھے وجہ حصر ہے وہ اگرچہ قریب ہے لیکن ﴿ذلک الکتاب لاریب فیه﴾ کی طرح (تـفـخيمـاً لشأنه) اس کے لئے اسم اشارہ بعید استعمال فرمایا۔

درس (٦)

کلام کی تعریف اور اس کی صورتیں

الکلام ما تضمَّن کلمتین بالإسناد، ولا یتأتّی ذلک إلاّ فی اسمین أو اسمٍ وفعلٍ.

ترجمہ: کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو، اور یہ حاصل نہیں ہوتا مگر دو اسموں سے یا ایک اسم اور فعل سے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) کلام کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔ (۲) مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود۔
(۳) حصول کلام کی صورتیں۔

پہلی بات: کلام کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

صاحب کتابؒ جب کلمہ کی تعریف اور اس کی تقسیم سے فارغ ہو گئے تو اب کلام کی تعریف بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ کلام کا لغوی معنی یہ ہے کہ (ما یُتکلَّم به قلیلاً کانَ أو کثیراً) یعنی کلام وہ لفظ ہے جس پر تکلم اور تلفظ کیا جائے چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔

اور اصطلاح نحاۃ میں کلام کی تعریف یہ ہے کہ (الکلام ما تضمن کلمتین بالإسناد) یعنی کلام وہ لفظ ہے جو کم از کم دو (حقیقی یا حکمی) کلموں سے بن جائے، اور ان دو کلموں کے درمیان نسبت اسنادی پائی جائے، یعنی ایک کلمہ مسند ہو اور دوسرا مسند الیہ جیسے (قرأ بکرٌ اور اقرأ)، اسی طرح (نَعَمْ) بھی پورا کلام ہے بشرطیکہ یہ اس شخص کے جواب میں کہا جائے جو سوال کرے کہ (هل زیدٌ عالمٌ؟)۔

دوسری بات: مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

مصنف ؒ کی مذکورہ تعریف میں (الکلام) معرَّف ہے، اور (ما تضمن کلمتین بالإسناد) اس کی تعریف ہے، اس میں (ما) کلمہ جنس ہے جو کہ مہملات، مفردات، اور مرکبات کلامیہ اور غیر کلامیہ یعنی مرکب تام اور مرکب ناقص سب کو شامل ہے۔

تضمنَ کلمتین: فصل اول ہے اس کی وجہ سے کلام کی تعریف سے مہملات اور مفردات دونوں خارج ہو گئے۔

بالإسناد: فصل ثانی ہے اس کے ذریعے مرکبات غیر کلامیہ یعنی مرکبات ناقصہ مثلاً کتاب زیدٍ وغیرہ خارج ہو گئے؛ کیونکہ اسناد کی تعریف ہدایۃ النحو میں یوں گذری ہے (الإسناد نسبة إحدى الكلمتين إلى الأخرى بحيث تفيد المخاطب فائدةً تامةً ويصحُ السُّكوتُ عليها) یعنی اسناد کا مطلب یہ ہے کہ دو کلموں میں سے ایک کلمہ کی دوسرے کلمہ کی طرف ایسی نسبت ہو جو مخاطب کو پورا پورا فائدہ دیدے یعنی مخاطب کو بھی مقصود اصلی کے سمجھنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور متکلم کا بھی اس پر سکوت صحیح ہو جیسے (زیدٌ عالمٌ) وغیرہ، لہٰذا (بالإسناد کی قید سے مرکبات ناقصہ نکل گئے۔

تیسری بات: حصول کلام کی صورتیں

عقلی اعتبار سے دیکھا جائے تو کلام کی کل چھ صورتیں بن سکتی ہیں مثلاً (۱) دو اسموں سے۔ (۲) دو فعلوں سے۔ (۳) دو حرفوں سے۔ (۴) اسم اور فعل سے۔ (۵) اسم اور حرف سے۔ (۶) فعل اور حرف سے، لیکن (ولا یتأتی ذلک) سے صاحبِ کتابؒ فرما رہے ہیں کہ کلام کے بنانے کے صرف دو طریقے اور صورتیں ہیں باقی صورتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے:

ایک یہ کہ دو اسموں کو ملا کر کلام بنایا جائے؛ کیونکہ کلام میں دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے: مسند اور مسند الیہ، اور اسم چونکہ مسند اور مسند الیہ دونوں بن سکتا ہے، تو دونوں

میں سے ایک کو مسند اور دوسرے کو مسند الیہ بنا کر کلام بنادینگے جیسے (زیدٌ تلمیذٌ)۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ایک اسم اور ایک فعل کو ملا کر کلام بنادیا جائے؛ وہ اس طرح کہ فعل کو مسند اور اسم کو مسند الیہ بنایا جائے جیسے (قرأ سعیدٌ)، اسی طرح (یا زیدُ، یا سعیدُ) جیسی مثالیں بھی اسی قسم میں داخل ہیں؛ کیونکہ (یا) حرف نداء (أدعو) فعل کے قائمقام ہے اور (سعیدٌ) اسم ہے، تو ایک اسم اور فعل سے کلام بن جائے گا۔

درس (۷)

اسم کی تعریف اور اس کی علامتیں

الاسم ما دلَّ على معنىً في نفسه غيرُ مقترنٍ بأحد الأزمنة الثلاثة، ومن خواصّه: دخول اللام والجرّو التنوين والإضافة والإسناد إليه.

ترجمہ: اسم وہ کلمہ ہے جو بذات خود ایسے معنی پر دلالت کرے جو تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانے کے ساتھ ملا ہوا نہ ہو، اور اس کے خواص میں سے لام اور حرف جر کا اس پر داخل ہونا، اور تنوین کا اس کے آخر میں آنا ہے، اور اس کا کسی اور کلمہ کی طرف مضاف ہونا اور اس کا مسند الیہ ہونا ہے۔

تشریح: مذکورہ عبارت میں چار باتیں ہیں:

(۱) کلمہ (ما) کی وضاحت۔ (۲) اسم کی تعریف۔

(۳) تعریف میں فوائد و قیود۔ (۴) اسم کی علامات۔

پہلی بات کلمہ (ما) کی وضاحت

تعریف اسم میں کلمہ (ما) سے کیا مراد ہے؟ اس میں اگرچہ مختلف احتمالات ہیں لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ اس سے مراد (کلمة) ہے۔

پھر یہاں ایک اشکال پیدا ہوگا کہ اس صورت میں راجع اور مرجع میں مطابقت نہیں رہے گی؛ اس لئے کہ (دلَّ) میں (ھو) ضمیر فاعل ہے جو کہ مذکر ہے اور لوٹ رہی ہے (کلمة) کی طرف جو کہ مؤنث ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ (دلَّ) کے اندر جو ضمیر ہے وہ کلمہ کی طرف نہیں بلکہ (ما) کی طرف لوٹ رہی ہے؛ کیونکہ (ما) لفظ کی اعتبار سے مذکر اور معنی کے اعتبار سے مؤنث ہے، اور ایسا کوئی لفظ ہو تو اس کی طرح مذکر اور مؤنث دونوں کی ضمیریں راجع ہو سکتی ہیں، لہٰذا (ھو) ضمیر کو (ما) طرف راجع کیا پھر (ما) سے ہم نے (کلمة) مراد لیا۔

دوسری بات: اسم کی تعریف

جیسا کہ ماقبل میں یہ بات گذر گئی ہے کہ صاحب کتاب علامہ ابن حاجبؒ نے طالبان علوم نبوت کی تینوں قسموں کے لئے کلمہ کے اقسام کی تعریف میں تین مراحل رکھے ہیں، چنانچہ ذہین اور متوسط طلبہ کے لئے جو تعریفیں بیان فرمائی تھی وہ تو گذر گئیں، اب یہاں سے کمزور اور ضعیف طالبعلموں کو سامنے رکھ کر پوری وضاحت کے ساتھ ہر ایک کی تعریف بیان فرما رہے ہیں:

لہٰذا اسم کی تعریف یہ بیان کی ہیں کہ (الاسم ما دلَّ علی معنیً فی نفسه غیرَ مقترنٍ بأحد الأزمنة الثلاثة) یعنی اسم وہ کلمہ ہے جو اپنا معنی خود بتائے یعنی اپنا معنی بتانے میں کسی اور کلمے کا محتاج نہ ہو اور تینوں زمانوں میں سے کوئی زمانہ اس میں نہ پایا جائے جیسے (کتابٌ اور قلمٌ)۔

تیسری بات: تعریف اسم میں فوائد وقیود

دیکھئے بھائی! ہر چیز کی تعریف میں چار چیزیں ہوا کرتیں ہیں:

(۱) معرَّف (۲) تعریف (۳) جنس (۴) فصل۔

لہٰذا یہاں بھی (الاسم) معرف ہے اور (ما دلَّ) سے لیکر (بأحد الأزمنة

(الثلاثة) تک پوری عبارت اس کی تعریف ہے، اور تعریف میں کلمہ (ما) جنس ہے جو کہ کلمہ کے تینوں قسموں یعنی اسم فعل حرف سب کو شامل ہے، اور (دلَّ علی معنی فی نفسه) اس کے لئے فصل اول ہے جس کی وجہ سے حرف اس تعریف سے نکل گیا لیکن فعل تا حال باقی تھا، تو (غیر مقترنٍ بأحد الأزمنة الثلاثة) جو فصل ثانی ہے اس کی وجہ سے فعل بھی نکل گیا اس لئے کہ وہ مقترن بالزمان ہوتا ہے، لہٰذا یہ تعریف خاص ہوگئی اسم کے ساتھ۔

اسم کی تعریف میں لفظ (غیر) پر تین قسم کے اعراب لگے ہوئے ہیں یعنی منصوب مجرور اور مرفوع، مرفوع تو اس لئے ہے کہ (الاسم) کی خبر ثانی ہے، اور منصوب اس لئے جائز ہے کہ یہ (معنًی) سے حال واقع ہوگا یا یہ کہ یہ (ما دلَّ) سے مستثنیٰ ہے، اور مجرور پڑھنا اس لئے جائز ہے کہ یہ معنًی کی صفت واقع ہوگی۔

چوتھی بات: اسم کی مشہور علامات

ومن خواصّه: صاحب کتابؒ اسم کی علامات میں سے چند مشہور علامتیں بیان فرما رہے ہیں، لیکن ان سے پہلے لفظ (خواصُّ) کی مختصر تحقیق سن لو:

(خواصُّ) جمع ہے (خاصةٌ) کی اور (خاصةٌ) کا لغوی معنی یہ ہے (الأمر المختص بالشیء) یعنی کسی حکم یا کسی چیز کا کسی چیز کے ساتھ خاص ہونا۔

اور اصطلاح میں (خاصةٌ) کہتے ہیں: (خاصة الشیء ما توجد فیه ولا توجد فی غیره) یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو صرف اسی چیز میں پایا جائے اور اس کے علاوہ کسی اور چیز میں نہ پایا جائے۔

(خواصُّ) منتہی الجموع کا صیغہ ہے جو کہ جمع کثرت میں شامل ہے اور جمع کثرت کا اطلاق دس سے کم پر نہیں ہوتا، یہاں بھی (خواصُّ) لا کر اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ صاحب کتابؒ کم سے کم دس علامتیں تو بیان فرما لیتے، حالانکہ یہاں صرف پانچ علامتیں ذکر فرمائی ہیں، تو اس اشکال کو دور کرنے کے لئے صاحب کتابؒ نے (خواصه) سے پہلے

(مِـــنْ) تبعیضیہ ذکر فرمایا جس سے ان تمام علامات میں سے بعض کی طرف اشارہ فرمایا، چنانچہ صاحب کافیہ کے ذکر کردہ علامات کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(ا) دخـول الـلام: یعنی کسی کلمے پر الف لام داخل ہو تو یہ اس کی اسمیت کی علامت ہے۔

فـائده: عام کتابوں میں علماء نحوؒ نے اس مقام پر (الف لام) دونوں کا ذکر فرمایا ہیں جبکہ صاحب کتابؒ نے صرف (لام) کا ذکر کیا ہے، اس لئے کہ اس میں اختلاف ہے کہ (الف لام) دونوں حرف تعریف ہیں یا فقط (الف یا لام)؟ تو اس میں تین مذاہب ہیں:

ا...... امام سیبویہؒ کے ہاں حرف تعریف صرف (لام) ہوتا ہے لیکن ابتداء بالسکون کے محال ہونے کی وجہ سے اس کے شروع میں (الف) لایا جاتا ہے۔

۲...... امام خلیل بن احمد النحویؒ کے ہاں (الف لام) دونوں حرف تعریف ہیں، جیسا کہ ان کا مشہور قول ہے: (اَلْ کہَلْ) یعنی جس طرح (ہَلْ) دونوں حرف مل کر ایک حرف استفہام بنتا ہے اسی طرح (اَلْ) میں بھی دونوں حروف مل کر ایک حرف تعریف بنتا ہے۔

۳...... امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ حرف تعریف صرف (الف) ہے لیکن اس کو ہمزہ استفہام سے جدا کرنے کے لئے اس کے ساتھ (لام ساکن) لایا جاتا ہے۔

اقوال مذکورہ میں سے مصنف علامؒ نے صرف (لام) کو ذکر فرمایا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ہاں امام سیبویہ کا قول راجح ہے۔

(۲) (والـجـرُّ) اسم کی دوسری علامت (جر) ہے یعنی کوئی کلمہ مجرور ہو تو ہم سمجھ لینگے کہ یہ اسم ہے، فعل یا حرف نہیں ہے۔

آپ دیکھ رہے ہو کہ کتاب میں (الـجـرُّ) کو مرفوع اور مجرور دونوں طرح لکھا گیا ہے، یہ اصل میں اس کی ترکیبی حالتوں کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ مجرور ہونے کی حالت میں اس کا عطف ہوگا (الـلام) پر، وہ چونکہ مجرور بالمضاف ہے اس لئے یہ بھی مجرور ہوگا، اور مرفوع پڑھنے کی صورت میں اس کا عطف (دخولُ) پر ہوگا، وہ مرفوع ہے تو یہ بھی مرفوع ہوگا۔

(۳) (والتنوین) اسم کی تیسری علامت تنوین ہے یعنی کوئی بھی اسم منون ہوتو اس پر ہم یہ حکم لگادینگے کہ یہ اسم ہے جیسے ورقۃً اور سبورۃً۔

فائدہ: تنوین کی پانچ قسمیں آپ حضرات نے پڑھی ہیں جن کو ایک فارسی شاعر نے اپنے دوشعروں میں جمع کیا ہے:

تنوین پنج قسم است اے یار من بگیر
اُول تمکن است، عوض، ثالث تنکیر
دیگر مقابلہ است، ترنُّم برادرم
این پانج قسم یاد کن کہ شوی شاہ بےنظیر

اس کی تفصیل نحو میر اور ہدایۃ النحو میں گذر چکی ہے، یہاں مختصراً عرض ہے کہ:

تنوین تمکن وہ ہے جو اسم کے منصرف ہونے پر دلالت کرے جیسے سعیدٌ اور زیدٌ۔

اور تنوین تنکیر وہ ہے جو اسم کے نکرہ ہونے کو بتائے، جیسے (صَہٍ) اس کا ترجمہ عربی میں ان الفاظ کے ساتھ کیا جاتا ہے: (اُسکت سکوتاً مّا فی وقتٍ مّا) یعنی کسی بھی طریقے سے کسی بھی وقت خاموش ہوجاؤ، اور یہی (صَہِ) اگر بغیر تنوین کے ہوتو اس وقت یہ نکرہ نہیں ہوگا بلکہ معرفہ ہوگا اس لئے پھر معنی یوں بنے گا: (اسکت السکوت الآن) یعنی ابھی خاموش ہوجاؤ۔

اور تنوین عوض وہ ہے جو کسی اسم مضاف پر حذف شدہ مضاف الیہ کے عوض آیا ہو جیسے (یومئذٍ، حینئذٍ)، اور جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ میں بھی ہے: ﴿وجعلنا بعضھم فوق بعضٍ﴾، (أی: جعلنا بعضھم فوق بعضھم) یعنی (بعضٍ) (ھم) ضمیر کی طرف مضاف تھا اس کو حذف کرکے اس کے عوض (بعضٍ) پر تنوین عوض داخل کیا۔

اور تنوین مقابلہ وہ ہے جو جمع مذکر سالم کے نون کے بدلے میں جمع مؤنث سالم کے آخر میں آجائے جیسے مسلماتٌ ومؤمناتٌ۔

اور تنوین ترنم وہ ہے جو اشعار کے آخر میں آرہی ہو چاہے شعر کے آخری کلمہ اسم

ہو یا فعل ہو یا حرف سب پر داخل ہوسکتی ہے جیسے جریر بن عطیہ نے کہا تھا:

أقل اللَّومَ عاذل والعتابن وقولی إن أصبتُ لقد أصابنْ

دیکھیں اس کے آخر میں کلمہ (أصابَ) فعل ماضی ہے اور اس پر تنوین داخل ہوئی ہے۔

اور زیاد بن معاویہ المعروف بالنابغۃ الذبیانی نے بھی کہا تھا:

أزف الرَّحیل غیر أنَّ رکابنا لمَّا تزلْ برحالنا وکأن قدِنْ

دیکھئے اس کے آخر میں کلمہ (قد) حرف ہے اور اس پر تنوین داخل ہوئی ہے۔

مذکورہ پانچ قسموں میں سے پہلے چار اسم کے ساتھ خاص ہیں اور پانچویں قسم یعنی تنوین ترنم عام ہے اسم فعل حرف ہر ایک کے آخر میں آسکتی ہے۔

(۴) (والإضافة) چوتھی علامت اسم کی کسی کلمہ کا مضاف یا مضاف الیہ ہونا ہے، جیسے کتابُ بکر۔

فائدہ ۱: اس بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ مضاف ہونا اسم کی علامت ہے یا مضاف الیہ ہونا، لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ دونوں اسم کی علامتیں ہیں۔

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب! آپ نے تو مضاف اور مضاف الیہ دونوں کو اسم کی علامت قرار دی ہے حالانکہ بسا اوقات فعل بھی مضاف الیہ واقع ہوجاتا ہے جیسے ﴿یوم ینفع الصّادقین صدقهم﴾ میں ﴿یوم﴾ مضاف اور ﴿ینفع﴾ جملہ فعلیہ اس کے لئے مضاف الیہ ہے؟

اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ ایسی مثالیں بہت کم ہیں اور حکم اکثر پر لگتا ہے، اور دوسرا یہ ہے کہ ﴿ینفع﴾ اگرچہ صورۃً فعل ہے لیکن حقیقت میں یہ بتاویل مصدر کے ہوکر اسم ہے، لہٰذا عبارت یوں ہوجائیگی: (یوم نفع الصادقین صدقهم)۔

فائدہ ۲: مضاف مضاف الیہ کو پہچاننے کے لئے علامتیں تو بہت ہیں البتہ ان میں چند اہم علامتیں حسب ذیل ہیں:

۱......دو یا دو سے زیادہ اسم ہوں ان میں سے آخری والا معرف باللام ہو اور اس سے پہلے والے بغیر الف لام کے ہوں تو ایسے اسماء آپس میں مضاف مضاف الیہ بنیں گے، جیسے (کتاب اللّٰہ، رسول اللّٰہ)۔

۲......دو یا دو سے زیادہ اسم ہوں ان میں سے آخری والا اسم علم (یعنی کسی کا نام) ہو اور اس سے پہلے والے اسم نکرہ ہوں تو ایسے اسماء بھی آپس میں مضاف مضاف الیہ بنیں گے، جیسے کتابُ سعیدٍ اور قلمُ بکرٍ۔

۳......دو یا دو سے زیادہ اسم ہوں ان میں سے آخری والا اسم موصول ہو اور اس سے پہلے والے اسماء نکرہ ہوں تو ایسے اسماء بھی آپس میں مضاف مضاف الیہ بنیں گے جیسے ﴿مصدّق الذی﴾۔

۴...... دو یا دو سے زیادہ اسم ہوں ان میں سے آخری والا اسم اشارہ ہو اور اس سے پہلے والے عام اسماء نکرہ ہوں تو ایسے اسماء بھی آپس میں مضاف مضاف الیہ بنیں گے، جیسے ﴿فلیعبدوا رب ھذا البیت﴾ اور کتاب ھذا۔

۵......دو یا دو سے زیادہ اسم ہوں ان میں سے آخری والا اسم ضمیر ہو اور اس سے پہلے والے عام اسماء نکرہ ہوں تو ایسے اسماء بھی آپس میں مضاف مضاف الیہ بنیں گے جیسے قَلَمُکَ اور کتابکَ۔

(۵) (والإسناد إلیه) اسم کی پانچویں علامت اس کا مسند الیہ ہونا ہے جیسے (کتبَ زیدٌ) میں کتابت کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے، تو زیدٌ مسند الیہ ہونے کی وجہ سے اسم ہے۔

پانچویں بات: علامات مذکورہ کا اسم کے ساتھ وجہ تخصیص

علماءِ نحوؒ نے مذکورہ علامات جو اسم کے ساتھ خاص قرار دئے ہیں اس کی باقاعدہ کچھ وجوہات بھی بیان کی ہیں:

مثلاً دخول اللام کو اس لئے اسم کا خاصہ قرار دیا ہے کہ اس کی وجہ سے کلمہ معرفہ بنتا ہے اور معرفہ اور نکرہ اسم ہی ہوسکتا ہے نہ کہ فعل اور حرف۔

اور جر کو اس لئے اسم کا خاصہ قرار دیا ہے کہ جر یا تو حرف جر کی وجہ سے آئے گا یا مضاف کی وجہ سے، اور یہ دونوں صرف اسم پر داخل ہوتے ہیں۔

اور تنوین کو بھی اس لئے اسم کا خاصہ قرار دیدیا کہ اس کی پانچ قسموں میں سے چار تو اسم کے ساتھ خاص ہیں اور ایک قسم کلمہ کے اقسام ثلاثہ میں مشترک ہے تو (وللاکثر حکم الکل) کے قاعدہ کو دیکھ کر اس کو اسم کا خاصہ قرار دیدیا۔

اور اضافت کو بھی اسم کا خاصہ قرار دیدیا اس لئے کہ مضاف یا تو (بتقدیر اللام) ہوتا ہے یا بتقدیر (منْ) اور یہ دونوں حرف جر ہیں اور حرف جر کا اسم کے ساتھ خاص ہونا ظاہر ہے، جیسے (غلامُ زید) اصل میں (غلامٌ لزید) تھا، اور (خاتم فضۃٍ) اصل میں (خاتم من فضۃ) تھا، اور دوسری وجہ اس کی یہ بھی ہے کہ اضافت تعریف، تخصیص یا تخفیف کا فائدہ دیتی ہے اور یہ تینوں صرف اسم کے ساتھ خاص ہیں۔

اور مسند الیہ ہونا بھی اس لئے اسم کے ساتھ خاص ہے کہ اس کے دونوں قسیم یعنی فعل اور حرف میں مسند الیہ بننے کی صلاحیت ہی نہیں ہے تو لامحالہ اس کا اسم کے ساتھ خاص ہونا متعین ہوگیا۔

درس (۸)

معرب اور مبنی کا بیان

وهو معربٌ ومبنيٌّ، فالمعرب: المركب الذي لم يُشْبِهِ مبنيَّ الأصل.

ترجمہ: اور وہ (اسم) دو قسم پر ہے معرب اور مبنی، پس معرب (اپنے عامل کے ساتھ) وہ مرکب اسم ہے جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت نہ رکھتا ہو۔

تشریح: آج کے اس درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) عبارت کی ترکیب پر اشکال اور اس کا جواب۔

(۲) معرب اور مبنی کی تعریف اور فوائد وقیود۔

(۳) معرب اور مبنی دونوں کی وجہ تسمیہ۔

پہلی بات: عبارت کی ترکیب پر اشکال اور اس کا جواب

(وھو معربٌ ومبنیٌّ) اگر اس کی ترکیب یہ ہو کہ (ھو) ضمیر مبتدا، اور (معربٌ ومبنیٌّ) معطوف معطوف علیہ مل کر اس کی خبر، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو، تو جناب عالی! اس پر اشکال یہ ہے کہ (ھو) ضمیر عام ہے جو اسم کی تمام اقسام کو شامل ہے، اور معرب اور مبنی خاص ہیں، اور قاعدہ یہ ہے کہ خبر کا حمل مبتدأ پر ہوتا ہے، تو خبر مبتدا کے تمام افراد کو شامل ہوگی اور اس کا معنی یہ بنے گا: کہ اسم کے تمام افراد معرب بھی ہیں اور مبنی بھی ہیں، جبکہ اس کا غلط ہونا ظاہر ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب والا! (ھو) ضمیر کی خبر معرب او مبنی نہیں ہیں بلکہ اس کی خبر (قسمان یا نوعان) محذوف ہے، تو اب معنی صحیح بنے گا: کہ اسم کے تمام افراد کی دو قسمیں ہیں: (احدھما معربٌ وثانیھما مبنیٌّ)، لھٰذا اب کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا۔

دوسری بات: معرب اور مبنی کی تعریف

معربٌ: اسم مشتق ہے جو باب افعال سے اسم مفعول اور اسم ظرف دونوں کا صیغہ بن سکتا ہے۔

اعرب یُعربُ إعراباً کا لغوی معنی (أوضَحَ) یعنی واضح کرنا ہے۔

اور اصطلاح نحو میں بعض حضرات نے اس کی تعریف یوں بیان فرمائی ہیں: **(ھو ما اختلف آخرہ بدخول العوامل المختلفة علیه)** یعنی معرب وہ اسم ہے جس کا آخر مختلف عوامل کے بدلنے سے بدل جائے، جس کو ایک فارسی شاعر نے یوں کہا تھا:

مبنی آن باشد کہ ماند برقرار

معرب آن باشد کہ گردد بار بار

اور صاحب کتاب علامہ ابن حاجبؒ نے دوسرے الفاظ میں تعریف بیان فرمائی ہیں: (المرکب الذی لم یشبہ مبنی الأصل)، یعنی معرب وہ اسم ہے جو اپنے عامل سے مل کر مرکب ہو اور مبنی الاصل کے مشابہ نہ ہو، جیسے (قرأ زیدٌ) میں (زیدٌ) معرب ہے، او رجو اسم مبنی الاصل کے مشابہ ہو وہ مبنی ہوگا جیسے (کتب ھؤلاء) میں (ھؤلاء) مبنی ہے؛ اس لئے کہ جس طرح حروف اپنا معنی دینے میں ضم ضمیمہ کا محتاج ہوتے ہیں اسی طرح (ھؤلاء) بھی اپنا معنی دینے میں اپنے مشار الیہ کا محتاج ہوتا ہے۔

صاحب کتابؒ نے عام نحاۃؒ کی بیان کردہ تعریف کو چھوڑ کر از خود ایک نئی تعریف کیوں بیان فرمائی؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ عام علماء نحوؒ نے معرب کی تعریف کرتے ہوئے اس کی ایک صفت اور عارض کو بیان کیا ہیں جبکہ صاحب کتابؒ نے اپنی تعریف میں معرب کی ذات کو آشکارہ فرمایا ہیں، اور ذات کا صفت سے افضل ہونا ظاہر ہے۔

مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

فالمعرب: المرکب الذی لم یُشْبِہ مبنیَّ الأصل: اس میں (المعرب) معرف اور باقی اس کی تعریف ہے، پھر تعریف میں (المرکب) فصل اول ہے جس کی وجہ سے تمام مفردات مثلاً اسماء اصوات، اسماء معدودہ، حروف ہجاء اور زید عمرو بکر وغیرہ خارج ہوگئے۔

الذی لم یشبہ مبنی الأصل: یہ فصل ثانی ہے جس کی وجہ سے وہ مرکبات بھی خارج ہوگئے جو مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھتے ہوں جیسے (قام ھؤلاء) میں (ھؤلاء) اگرچہ اپنے عامل کے ساتھ مرکب ہے لیکن مبنی الاصل کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے (کما مرَّ آنفا)۔

تیسری بات: معرب اور مبنی کی وجہ تسمیہ

معرب کو معرب اس لئے کہتے ہیں کہ باب افعال یعنی (اعــرب، یُعــربُ، إعراباً) سے اس کا مصدری معنی ہے ظاہر کرنا، اور (معربٌ) اسی باب سے اسم مفعول اور اسم ظرف کا صیغہ ہے، تو اس کا معنی ہوگا: ظاہر کیا ہوا، اور ظاہر کرنے کی جگہ، تو چونکہ اسم معرب پر بھی اعراب ظاہر کیا جاتا ہے اس لئے اس کو معرب کہتے ہیں۔

اور بعض علماء نحوؒ اس کا وجہ تسمیہ یوں بیان فرماتے ہیں کہ باب افعال کا ہمزہ سلب مآخذ کے لئے آتا ہے، اس اعتبار سے (عَرِبَ یَعْرَبُ سمع یسمع) کے باب سے اس کا معنی ہوگا: فاسد اور خراب ہونا، جیسا کہ کہا جاتا ہے: (عـربتْ معدةُ فلانٍ) فلان آدمی کا معدہ خراب ہوگیا، لیکن جب یہی مادہ باب افعال سے لایا جائے گا تو پھر اس کا مصدری معنی یہ ہوگا: فساد اور خرابی کو زائل کرنا، لہٰذا اسم مفعول اور اسم ظرف کی صورت میں اس کا معنی بنے گا: فساد زائل کیا ہوا، اور فساد زائل کرنے کی جگہ، اس اعتبار سے معرب کو معرب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس پر اعراب ظاہر ہونے کی وجہ سے معنی کی خرابی اور فساد زائل ہو جاتا ہے۔

درس (۹)

اسم معرب کا حکم

وحكمه: أن يختلف آخره باختلاف العوامل لفظاً أو تقديراً.

ترجمہ: اور معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوامل کے بدلنے سے بدل جائے چاہے لفظی طور پر ہو یا تقدیری طور پر۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) معرب کا حکم اور ایک اشکال کا جواب۔ (۲) لفظاً اور تقدیراً کی تحقیق۔

پہلی بات: معرب کا حکم اور ایک اشکال کا جواب

وحکمہ ان یختلف آخرہ: صاحب کتاب "اسم معرب کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمار ہے ہیں کہ معرب کا حکم اور اس پر مرتب ہونے والا اثر یہ ہے کہ عوامل کے بدل جانے سے اس کا آخر بدل جاتا ہو، چاہے وہ بدلنا لفظی طور پر ہو جیسے (جاء نی ابوکَ ورایت اباکَ ومررتَ بابیکَ) اور (جاء نی زیدٌ ورأیتُ زیداً ومررتُ بزیدٍ)، یا تقدیری طور پر ہو جیسے (جاء نی موسی ورأیتُ موسی ومررت بموسی)۔

یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ (العوامل) منتہی الجموع کا صیغہ ہے جس کے تحت کم سے کم تین افراد تو ضرور ہوتے ہیں، تو گویا کہ مطلب یہ ہوگا کہ جب تک کسی معرب پر کم سے کم تین عوامل داخل نہ ہوں اس وقت تک اس کا آخر نہیں بدلے گا، حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ (جاء نی زیدٌ ورأیتُ زیداً ومررتُ بزیدٍ) میں صرف ایک ہی عامل کی وجہ سے اس کا آخر بدل گیا ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یقیناً آپ کی بات صحیح ہے لیکن (العوامل) پر (الف لام) جنسی داخل ہے، اور قاعدہ ہے کہ جب جمع پر (الف لام) جنسی داخل ہو جائے تو اس جمع کی جمعیت ختم ہو جاتی ہے، لہٰذا (العوامل) اگرچہ منتہی الجموع ہے لیکن مراد اس سے ایک ہی عامل ہے۔

فائدہ: یاد رہے کہ عوامل کے بدلنے کا مطلب ان کا عمل میں مختلف ہونا ہے صرف نوعیت میں ان کا مختلف ہونا مراد نہیں ہیں ورنہ بہت سارے عوامل ایسے ہیں کہ نوعیت اگرچہ ان کی مختلف ہے لیکن عمل ان سب کا ایک ہی جیسے ہے جیسے (اِنَّ زیداً قائمٌ، ضربتُ زیداً، اورانی ضارب زیداً) غور فرمائیں (زیدٌ) معرب ہے اس پر مختلف نوعیت کے عوامل تو بدلتے رہے لیکن عمل نہیں بدلا ہے، تو اس لئے اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ عوامل کے بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ مختلف قسم کے عمل کرنے والے عامل اس پر داخل ہو جائیں۔

دوسری بات: لفظاً اور تقدیراً کی تحقیق

لفظاً اور تقدیراً: یہ عبارت لاکر مصنفؒ نے سمندر بکوز کے مانند ایک پر مغز مضمون کو صرف دو کلمات میں سمودیا ہیں، تشریح اس کی یہ ہے کہ عوامل کے بدلنے سے معرب کا آخر جو بدلے گا اس کی دو قسمیں ہیں: لفظی اور تقدیری، لفظی وہ ہے جو زبان سے ادا ہو اور تقدیری وہ ہے جو زبان سے ادا نہ ہو سکے بلکہ صرف عقل اس کی تبدیلی کو تسلیم کرلے۔

پھر لفظی کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور صفتی، ذاتی کا مطلب یہ ہے کہ معرب کا آخری حرف دوسرے حرف سے بدل جائے، پھر اس کی بھی دو قسمیں ہیں: ذاتی حقیقی اور ذاتی حکمی۔

ذاتی حقیقی کی مثال یعنی جس میں معرب کی ذات یعنی آخری حرف حقیقی طور پر بدل جائے، جیسے اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب، جیسے (جاء نی أبوکَ ورأیت اباکَ ومررتُ بأبیکَ)۔

اور ذاتی حکمی کی مثال یعنی جس میں معرب کی ذات یعنی آخری حرف حقیقی طور پر نہیں بلکہ حکمی طور پر بدل جائے، جیسے تثنیہ اور جمع کا بمع اپنے اقسام کے حالت نصبی اور جری کا اعراب جیسے (رأیتُ تلمیذَین واثنین کلَیهما) اور جمع کی مثال (رأیتُ مسلمِین وعشرِین أولِي مالٍ)۔

اور صفتی کی بھی دو قسمیں ہیں: صفتی حقیقی اور صفتی حکمی، صفتی حقیقی کی مثال جیسے مفرد منصرف صحیح، جاری مجرای صحیح، اور جمع مکسر کا اعراب، جیسے (جاء نی زیدٌ وظبیٌ ورجالٌ)۔

اور صفتی حکمی کی مثال جیسے غیر منصرف اور جمع مؤنث سالم کا حالت نصبی اور جری میں اعراب جیسے (رأیتُ عمرَ ومسلماتٍ ومررت بعمرَ ومسلماتٍ)۔

اور تقدیری حقیقی کی مثال جیسے (جاء نی فتیً ورأیتُ فتیً ومررتُ بفتیً)

دیکھئے ان کا اصل (فَتَیٌ، فَتَیاً، اور فَتَیٍ) تھا، تینوں میں (قالَ باعَ) کے قانون سے (یاء) کو (الف) بنایا گیا، پھر (التقاء ساکنین) کی وجہ سے (الف) کو گرایا گیا ہے۔

اور تقدیری حکمی کی مثال جیسے اسم مقصور کا اعراب، مثلاً (جاء نی موسی ورأیتُ موسی ومررت بموسی)، تو یہ سارا مضمون صاحب کتابؒ نے صرف دو کلموں (لفظاً اور تقدیراً) میں بیان فرمایا۔

لفظاً اور تقدیراً: یہ دونوں منصوب ہیں بوجہ چند وجوہات کے:

(۱) ایک تو یہ کہ (یختلف) کی نسبت جو اپنے فاعل کی طرف ہو رہی ہے، اس میں ابہام تھا کہ کس طرح اس کا آخر بدل جائے، تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے صاحب کتابؒ نے تمیز کو ذکر فرمایا کہ (لفظاً أو تقدیراً) یعنی اس کے بدلنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ لفظی یا تقدیری طور پر بدل جائے، تو تمیز ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں (کما مرَّ تفصیله آنفا)۔

(۲) دوسری وجہ اس کے منصوب ہونے کی یہ ہے کہ یہ دونوں (کانَ) محذوف کی خبر ہیں، لہٰذا عبارت یوں ہوگی: (وحکمه: أن یختلف آخره باختلاف العوامل لفظیاً کانَ الاختلاف أو تقدیریاً)۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ مفعول مطلق محذوف کے لئے مضاف الیہ ہے، لہٰذا اس صورت میں تقدیری عبارت یوں بنے گی: (وحکمه: أن یختلف اختلاف لفظٍ أو تقدیرٍ آخره باختلاف العوامل)، لہٰذا (اختلاف) مصدر مضاف کو حذف کرکے مضاف الیہ یعنی (لفظاً أو تقدیراً) کو اس کا قائمقام بنا کر مفعول مطلق کا اعراب اس کو دیدینگے، اسی کو اصطلاح نحاۃ میں (المنصوب بنزع الخافض) کہا جاتا ہے۔

(۴) چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ مصدر محذوف یا مفعول مطلق محذوف المضاف کے لئے صفت واقع ہو رہا ہو، اس صورت میں عبارت یوں ہوگی: (حکمه: أن یختلف آخره اختلافاً ملفوظاً أو مقدراً)۔ واللہ أعلم بالصواب وعلمه أتم وأکمل

درس (۱۰)

اعراب اور عامل کی تعریف اور اعراب کی قسمیں

الإعراب ما اختلف آخره به ليدلَّ على المعاني المعتورة عليه، وأنواعه: رفعٌ ونصبٌ وجرٌّ، فالرفع علم الفاعلية، والنصب علم المفعولية، والجرُّ علم الإضافة، والعامل ما به يتقوم المعنى المقتضى للإعراب.

ترجمہ: اعراب وہ ہے جس کے ذریعے معرب کا آخر بدلے تاکہ وہ دلالت کرے ان معانی پر جو یکے بعد دیگرے اسم معرب پر آنے والے ہوتے ہیں، اور اس کی قسمیں رفع نصب اور جر ہیں، پس رفع فاعلیت اور نصب مفعولیت اور جر اضافت کی علامت ہوتی ہے، اور عامل وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے ایسے معانی حاصل ہو جائیں جو اعراب کا مطالبہ اور تقاضا کرنے والے ہوں۔

تشریح: آج کے درس میں چار مختصر سی باتیں ہوگی:

(۱) اِعراب کی تعریف۔ (۲) اِعراب کی حکمت اور وجہ۔

(۳) اِعراب کی اقسام۔ (۴) عامل کی تعریف۔

پہلی بات: اِعراب کی تعریف

علامہ ابن حاجبؒ جب اسم معرب کی تعریف سے فارغ ہوئے تو اب اس پر آنے والے اعراب کی تعریف بیان فرما رہے ہیں، تو فرمایا کہ (الإعراب ما اختلف..) یعنی اعراب ہر وہ حرف یا حرکت ہے جس کی وجہ سے اسم معرب کا آخر بدل جائے، جیسے (جاءني زيدٌ ورأيتُ زيداً ومررتُ بزيدٍ)، ملاحظہ فرمائیں: اس مثال میں (جاءَ) عامل ہے، اور (زیدٌ) کا آخری حرف یعنی (دال) اعراب کا محل ہے، اور اس پر جو (رفع) آیا ہے یہ اعراب ہے، اسی طرح اعراب حرفی کی مثال: جیسے (جاءني أبوكَ ورأيت

أباکَ ومررتَ بأبیکَ)۔

دوسری بات: اعراب کی حکمت اور وجہ

عامل کے ذریعے معرب کے آخر کا اعراب کیوں بدلتا ہے؟ اس کی وجہ صاحب کتابؒ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ (لیدلَّ علی المعانی المعتورة علیه) یعنی تاکہ یہ دلالت کرے ان معانی (فاعلیت، مفعولیت، اور اضافت) پر جو اسم معرب پر پے درپے اور یکے بعد دیگرے آنے والے ہوتے ہیں۔

فائدہ: (المعتورة) یہ باب افتعال سے فعل متعدی کا اسم فاعل کا صیغہ ہے، اور فعل متعدی کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اس کے صلہ میں (علی) نہیں آتا، لیکن یہاں پر آیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صنعت تضمین کی وجہ سے آیا ہے یعنی اس کو ہم (الواردة) کے معنی میں لے لینگے، اور (الواردة) کے صلہ میں چونکہ (علی) آسکتا ہے اس لئے اس کے صلہ میں بھی (علی) لیکر آئے ہیں۔

تیسری بات: اعراب کی اقسام

وانواعه رفعٌ ونصبٌ وجرٌّ: صاحب کتابؒ اعراب کی قسموں کو بیان فرمارہے ہیں کہ اعراب کی تین قسمیں ہیں: رفع نصب اور جر، حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو اعراب کی کل چار قسمیں بنتی ہیں: رفع نصب جر اور جزم، لیکن یہاں تین اس لئے کہا کہ یہاں اسم کے اعراب کو بیان فرمارہے ہیں اور اسم کے اعراب تین ہی ہیں، رہا جزم تو وہ صرف فعل کے ساتھ خاص ہے اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا۔

فائدہ: صاحب کافیہؒ یہاں اپنی عبارت میں (أنواعه) لائے (أقسامه) نہیں لائے؛ یہ اس لئے کہ اس سے ایک اہم نکتہ کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے وہ یہ کہ ہر نوع کے اندر کئی افراد ہوا کرتے ہیں، یہاں بھی تینوں انواع کے افراد کی طرف اشارہ فرمایا وہ اس طرح کہ (رفع) کے تحت تین افراد ہیں: واوَ، الف اور ضمہ، اور (نصب) کے

تحت چار افراد ہوتے ہیں: یاء، الف، نصب، اور کسرہ، اور (جر) کے تحت تین افراد ہوتے ہیں: یاء، نصب اور جر (كما لا يخفى على أحد منكم)۔

فالرفع علم الفاعلية: ماقبل میں صاحب کتابؒ نے اسم کے اعراب کی تین قسمیں بنائی ہیں: رفع، نصب اور جر، تو اس کے لئے بطور دلیل کے فرماتے ہیں کہ میں نے اعراب کی تین قسمیں اس لئے بنائی ہیں کہ اسماء کی بھی تین قسمیں ہیں: مرفوعات، منصوبات، مجرورات، اس کے علاوہ کوئی اور قسم نہیں ہے، لہٰذا (رفع) چاہے حرکت کی صورت میں ہو یا حرف کی صورت میں یہ مرفوعات کی علامت ہے، اور (نصب) منصوبات کی علامت ہے اور (جر) مجرورات کی۔

فائدہ: فاعلیت اور مفعولیت دونوں میں (یاء مشددہ) لائے ہیں اس لئے کہ ان دونوں میں معنی مصدری پیدا کرنا مطلوب تھا، اور اضافت میں پہلے سے مصدری معنی پایا جارہا تھا اس لئے اس میں (یاء) لانے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے اس کو ایسا ہی ذکر فرمایا۔

فائدہ: مصدر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) **مصدر اصلی**: یہ وہ مصدر ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو ذات سے خالی ہو بشرطیکہ اس کے شروع میں میم نہ ہو، اور آخر میں ایسی یاء مشددہ زائدہ بھی نہ ہو جس کے بعد تاء تانیث ہو جیسے عِلْمٌ فَضْلٌ فَهْمٌ وغیرہ۔

جب مصدر مطلقاً بولا جاتا ہے تو اس سے یہی قسم مراد ہوتی ہے اور مصدر کی یہ قسم سماعی ہے۔

(۲) **مصدر میمی**: یہ وہ مصدر ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو ذات سے خالی ہو اور اس کے شروع میں میم ہو اور آخر میں ایسی یاء مشددہ زائدہ نہ ہو جس کے بعد تاء تانیث ہو جیسے مَطْلَبٌ، مَعْدِلٌ مَجْلَبَةٌ۔

(۳) **مصدر صناعی**: ہر وہ مصدر ہے جس کے آخر میں یاء مشددہ زائدہ ہو اور اس کے بعد تاء تانیث مربوطہ زیادہ کردی گئی ہو جیسے أَسَدٌ سے أَسَدِيَّةٌ، فَاعِلٌ سے فَاعِلِيَّةٌ اور

مفعولٌ سے مفعولیۃٌ۔

مصدر کی یہ دونوں قسمیں قیاسی ہیں۔(درس مقامات)۔

چوتھی بات: عامل کی تعریف

معرب کا حکم بیان کرتے ہوئے اس کے ضمن میں عامل کا ذکر بھی آیا تھا، لہٰذا صاحب کتاب نے اعراب اور اس کے اقسام بیان کرنے کے بعد مناسب سمجھا کہ اس کو پوری طرح واضح کرلے تو فرمایا کہ:(**والعامل ما به يتقوم المعنى المقتضى للإعراب**) یعنی عامل (چاہے لفظی ہو یا معنوی) وہ ہے جس کے ذریعے سے وہ معنی حاصل ہو جائے جو اعراب کا مقتضی ہو، چنانچہ (**جاء نی زیدٌ**) میں (**جاء**) عامل ہے اور اس کے سبب سے (زید) میں فاعلیت کا معنی پیدا ہو گیا، اور اس کے آخر میں رفع فاعلیت کی علامت ہے۔ اسی طرح (**رأیتُ زیداً**) میں (**رأیتُ**) عامل ہے اس لئے کہ اس کی وجہ سے (**زیداً**) میں مفعولیت کا معنی پیدا ہو گیا ہے، اور نصب جو اس پر آیا ہے یہ مفعولیت کی علامت ہے (**وهكذا تقول في مررت بزيد**)۔

درس (۱۱)

اعراب کی پہلی قسم

فالمفرد المنصرف، والجمع المكسر المنصرف بالضمة رفعاً والفتحة نصباً والكسرة جرًّا.

ترجمہ: پس مفرد منصرف اور جمع مکسر کا اعراب یہ ہے کہ یہ دونوں حالت رفعی میں میں ضمہ کے ساتھ ہونگے اور حالت نصبی میں میں فتح کے ساتھ اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) مفرد منصرف صحیح اور جمع مکسر کی تعریفیں۔ (۲) ان دونوں کا اعراب۔

(۳) ان دونوں کو مذکورہ اعراب دینے کی وجہ۔

(۴) (رفعاً نصباً اور جرًّا) کا اعراب۔

پہلی بات: مفرد منصرف صحیح اور جمع مکسر کی تعریفیں

المفرد المنصرف هو الاسم الذی لا یکون مثنی ولا مجموعاً ولا غیر منصرفٍ، کزیدٍ ورجلٍ: یعنی مفرد منصرف صحیح وہ اسم ہے جو تثنیہ اور جمع بھی نہ ہو اور غیر منصرف بھی نہ ہو جیسے (زیدٌ اور رجلٌ)، صاحب کتابؒ نے عام علماء نحوؒ کی طرح اس کے ساتھ (صحیح) کی قید نہیں لگائی یہ اس لئے تا کہ اس میں مفرد منصرف جاری مجرای صحیح (یعنی دلوٌ اور ظبیٌ) بھی داخل ہو جائے۔

الجمع المکسر المنصرف هو الجمع الذی لم یُسلم فیه بناء الواحد ولا یکون غیر منصرفٍ کرجالٍ وطلبةٍ: یعنی جمع مکسر منصرف وہ اسم ہے جس میں نہ تو اپنے مفرد کی بناء صحیح سلامت رہی ہو اور نہ غیر منصرف ہو جیسے (رجالٌ اور طلبة) جو کہ جمع ہیں (رجلٌ اور طالبٌ) کی۔

دوسری بات: ان دونوں قسموں کا اعراب

ان دونوں کا اعراب صاحب کتابؒ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ (**بالضمة رفعاً والفتحة نصباً والکسرة جرًّا**) یعنی حالت رفعی میں ان تینوں کا رفعہ ضمہ کے ساتھ آئے گا جیسے (**جاءنی زیدٌ ورجالٌ وهذا دلوٌ**) اور حالت نصبی میں فتح کے ساتھ آئے گا جیسے (**رأیتُ زیداً ورجالاً ودلواً**) اور حالت جری میں کسرہ کے ساتھ آئے گا جیسے (**مررت بزیدٍ ورجالٍ ودلوٍ**)۔

تیسری بات: ان دونوں کو مذکورہ اعراب دینے کی وجہ

اسم متمکن کی ساری قسموں میں سے ان دونوں کو یہ اعراب کیوں دیا گیا؟ تو اس کی ایک خاص وجہ ہے وہ یہ ہے کہ اعراب کی ساری صورتوں میں یہ صورت (یعنی اعراب بالحرکت لفظی غیر تبعی) اصل ہے، اور اسم متمکن کی ساری قسموں میں سے بھی یہ دونوں قسمیں اصل ہیں وہ اس طرح کہ مفرد اصل ہے تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں اور منصرف اصل ہے غیر منصرف کے مقابلے میں اور صحیح اصل ہے معتل کے مقابلے میں، اور جمع مکسر منصرف بھی اصل ہے جمع مکسر غیر منصرف کے مقابلے میں، لہٰذا جب اس کا اصل ہونا ثابت ہو گیا تو اب گویا کہ اصل کو اصل والا اعراب دیا گیا۔

چوتھی بات: (رفعاً نصباً اور جرّاً) کا اعراب

عبارت مذکورہ میں (رفعاً نصباً اور جرّاً) تینوں منصوب ہیں اس کی کئی وجوہات ہیں:

(۱) یہ تینوں مفعول فیہ ہیں باعتبار حذف مضاف کے، تو گویا کہ اصل عبارت یہ ہے (حالة الرفع والنصب والجرّ)۔

(۲) یہ تینوں مفعول مطلق ہیں باعتبار موصوف کے جو کہ محذوف ہے اس صورت میں عبارت یوں ہوگی (تُعرب هذه الأقسام إعراباً لفظاً)۔

(۳) یہ تینوں ترکیب میں حال واقع ہو رہے ہیں وہ اس طرح کہ (رفعاً ونصباً وجرّاً) تینوں مصدر بمعنی مفعول کے ہیں، کیونکہ قاعدہ ہے کہ مصدر کبھی اسم فاعل کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی اسم مفعول کے معنی میں، تو گویا کہ (رفعاً مرفوعٌ) کے معنی میں ہے لہٰذا عبارت یہ ہو جائے گی: (يُعربان بالضمة حال كونهما مرفوعين والفتحة منصوبين والكسرة مجرورَين)۔

درس (۱۲)

اعراب کی دوسری اور تیسری قسم

جمعُ المؤنث السَّالم بالضمة والكسرة، غيرُ المنصرف بالضمة والفتحة.

ترجمہ: جمع مؤنث سالم کا اعراب یہ ہے کہ حالت رفعی میں اس پر ضمہ آئے گا اور حالت نصبی اور جری میں کسرہ، اور غیر منصرف کا اعراب یہ ہے کہ وہ حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور حالت نصبی اور جری میں فتحہ کے ساتھ ہوگا۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں

(۱) جمع مؤنث سالم کی تعریف اور اس کا اعراب۔

(۲) نصب کو جر کے تابع کرنے کی وجہ۔ (۳) غیر منصرف کا اعراب۔

(۴) غیر منصرف میں جر کو نصب کے تابع کرنے کی وجہ۔

پہلی بات: جمع مؤنث سالم کی تعریف اور اس کا اعراب

الذی یکون جمعه بالألف والتاء: یعنی نحویوں کے ہاں جمع مؤنث سالم وہ جمع کا صیغہ ہے جس کے آخر میں (الف اور تاء) آرہی ہو، چاہے اس کا مفرد مؤنث ہو جیسے (مؤمنةٌ) کی جمع (مؤمناتٌ) اور (مسلمةٌ) کی جمع (مسلماتٌ) آتی ہیں، اور چاہے اس کا مفرد مذکر ہو جیسے (مرفوعٌ) کی جمع (مرفوعاتٌ) اور (منصوبٌ) کی (منصوباتٌ) آتی ہیں۔

صاحب کتاب نے اس کا اعراب بڑے مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہیں جس کے ساتھ بین السطور والے کلمات اگر ملائے جائے تو اس کا سمجھنا زیادہ آسان ہو جائے گا، مثلاً یوں کہا جائے (بالضمة رفعاً، والكسر نصباً وجرًّا) یعنی جمع مؤنث سالم کا اعراب

یہ ہے کہ حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور حالت نصبی اور جری دونوں میں کسرہ کے ساتھ ہوگا جیسے (جاء نی مسلماتٌ ورأیتُ مسلماتٍ ومررتُ بمسلماتٍ)۔

دوسری بات: نصب کو جر کے تابع کرنے کی وجہ

جمع مؤنث سالم میں نصب کو جر کا تابع بنایا گیا ہے جیسا کہ ابھی گذر گیا کہ اس کا نصب اور جر دونوں کسرہ کے ساتھ ہونگے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی اور جمع مذکر سالم میں نصب تابع ہے جر کا لہذا یہاں بھی ایسا ہی کیا تا کہ اصل اور فرع میں مطابقت رہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ فرع ہے جمع مذکر سالم کی تو اس کو بھی اس کی طرح اعراب بالحرف دیا جاتا، حالانکہ اس کو تو اعراب بالحرکت دی گئی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل ایسا ہی ہونا چاہئے تھا لیکن اعراب بالحرف اس کلمہ پر آتا ہے جس کے آخر میں حرف علت ہو، جبکہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں حرف علت نہیں ہوتا اس لئے اس کو اعراب بالحرکت یعنی اعراب بالأصل دیدیا گیا۔

تیسری بات: غیر منصرف کا اعراب

غیر منصرف کا اعراب بیان کرتے ہوئے صاحب کتاب" فرماتے ہیں کہ (غیر المنصرف بالضمة والفتحة) جس کے ساتھ بین السطور کے کلمات اور نکتے ملاکر عبارت یوں بن جائیگی (غیر المنصرف بالضمة رفعاً، والفتحة نصباً وجراً) یعنی غیر منصرف کا اعراب یہ ہے کہ حالت رفعی میں اس پر ضمہ آئے گا جیسے (جاء نی عمرُ) اور حالت نصبی اور جری دونوں میں اس پر فتحہ آئے گا جیسے (رأیتُ عمرَ ومررتُ بعمرَ)۔

چوتھی بات: غیر منصرف میں جر کو نصب کے تابع کرنے کی وجہ

غیر منصرف میں جر کو نصب کا تابع بنادیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف فرع ہے فعل کی اور فعل پر کسرہ نہیں آسکتا، لہذا فعل کی متابعت میں غیر منصرف پر بھی کسرہ

نہیں آئے گا تا کہ اصل اور فرع میں مطابقت باقی رہے، اس کی پوری تفصیل ان شاء اللہ غیر منصرف کے بحث میں آئی گی۔

رہی یہ بات کہ غیر منصرف جب فرع ہے تو اس کو اعراب بھی فرع والا یعنی اعراب بالحرف دیا جاتا، حالانکہ اعراب اس کو اصل والا یعنی اعراب بالحرکت دیا گیا ہے؟

تو اس کی تین وجہیں سمجھ میں آرہی ہیں: ایک یہ کہ غیر منصرف فرع ہے فعل کا اور فعل کا اعراب عام طور پر بالحرکت ہوتا ہے اس لئے اس کو بھی اعراب بالحرکت دیا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اگر چہ بظاہر اعراب اصلی لگ رہا ہے لیکن حقیقت میں یہ اصلی نہیں بلکہ فرعی ہے کیونکہ تین حالتوں میں سے صرف دو حالتوں پر اعراب ظاہر کرنا یہ اگر چہ اعراب بالحرکت ہی کیوں نہ ہو یہ پھر بھی فرعی اعراب شمار ہوتا ہے اور یہاں بھی ظاہر ہے کہ دو حالتوں (رفعی اور نصبی) میں اگر چہ اعراب ظاہر ہو رہا ہے لیکن ایک حالت (جری) میں کوئی ظاہر نہیں ہو رہا، لہٰذا فرع کو اعراب فرعی دیا گیا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف کے دو پہلو ہیں ایک طرف سے یہ فرع ہے فعل کا اور دوسری طرف سے یہ اصل ہے تثنیہ اور جمع کا اس لئے کہ غیر منصرف اکثر طور پر مفرد ہوا کرتا ہے اور مفرد اصل ہوا کرتا ہے، لہٰذا اس پر کسرہ نہ آنے کی صورت میں اس کے فرعیت یعنی فعل ہونے کا اعتبار کیا گیا اور اعراب بالحرکت دینے کی صورت میں اس کی اصلیت یعنی تثنیہ اور جمع کے اصل ہونے کا اعتبار کیا گیا کیونکہ اعراب بالحرکت اصل کو دی جاتی ہے۔

☆☆☆

درس (۱۴)

اعراب کی چوتھی قسم

أبوكَ، وحموكِ، وهنوكَ، وفوكَ، وذومالٍ مضافةً إلى غير ياء المتكلم بالواو والألف والياء.

ترجمہ: اور (أبوكَ أخوكَ) یعنی اسماء ستہ مکبرہ کا درانحالیکہ یہ مضاف ہوں غیر یاء متکلم کی طرف (تو ان کا اعراب یہ ہے کہ) یہ حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ ہونگے اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ اور حالت جری میں یاء کے ساتھ۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب۔ (۲) اسماء ستہ مکبرہ کی لفظی اور لغوی تحقیق۔

(۳) اسماء ستہ مکبرہ میں فوائد وقیود اور ہر ایک کا اعراب۔

پہلی بات: اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب

یہاں تک اعراب بالحرکت کا بیان تھا اب یہاں سے اعراب بالحرف کو بیان فرما رہے ہیں، اور جس طرح اعراب بالحرکت میں سب سے پہلے اعراب بالحرکت غیر تبعی بیان کیا تھا اسی طرح یہاں بھی سب سے پہلے اعراب بالحرف غیر تبعی کو بیان فرما رہے ہیں:

چنانچہ اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب بیان کرتے ہوئے صاحب کتابؒ نے فرمایا کہ (بالواو والألف والياء) جس کی پوری عبارت نا کت کے نکتوں کے ساتھ یہ بنے گی (بالواو رفعاً، والألف نصباً، والياء جرًّا) یعنی یہ اسماء حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ ہونگے جیسے (جاء نی أخوكَ وأبوكَ...إلخ)، اور حالت نصبی میں الف کے ساتھ ہونگے جیسے (رأيتُ أخاكَ وأباكَ...إلخ)، اور حالت جری میں یاء کے ساتھ ہونگے جیسے (مررتُ بأخيكَ وأبيكَ...إلخ)۔

دوسری بات: اسماءستہ مکبرہ کی لفظی اور لغوی تحقیق

ان اسماء میں سے پہلے والے چار (أبٌ، اخٌ، حمٌ، هنٌ) ناقص واوی ہیں اس لئے کہ اصل میں یہ (أبوٌ، أخوٌ، حموٌ، اور هنوٌ) بروزن (فَعَلٌ) تھے، ان کے ناقص واوی ہونے پر ان کا تثنیہ اور تصغیر بھی دلالت کرر ہے ہیں اس لئے کہ ان کا تثنیہ (ابوان، اخوان، حموان، هنوان) آتے ہیں اور تصغیر (أُبَيْوٌ، أُخَيْوٌ، حُمَيْوٌ، اور هُنَيْوٌ) آتے ہیں، پھر ان سب میں سے واؤ کو خلاف القیاس حذف کیا اور اعراب عین کلمہ پر جاری کیا تو (أبوٌ، اخوٌ، حموٌ، اور هنوٌ) سے (أبٌ، اخٌ، حمٌ، هنٌ) بن گئے۔

لیکن جب ان کلمات کی اضافت ہو جائے یا ان سے تثنیہ بنانا ہو تو حذف شدہ واؤ واپس آجائیگی جیسے (أبوک وأبوانِ وغیرہ)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال واقع ہو سکتا ہے کہ جب (قالَ باعَ) کا قانون ہمارے پاس موجود ہے تو اس کی وجہ سے واؤ کو الف بنالیتے پھر التقائے ساکنین کی وجہ سے اسے گرالیتے، اس کو چھوڑ کر خلاف القیاس والے راستے کو کیوں اختیار کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پھر ان کا اعراب یہ نہ ہوتا بلکہ ان کو پھر اسم مقصور والا اعراب دیا جاتا اس لئے خلاف القیاس والے راستے کو اختیار کیا گیا۔

(فَمٌ) یہ اجوف واوی ہے اس لئے کہ اصل میں یہ (فَوَہٌ) تھا اور جمع اس کی (افواہٌ) آتی ہے جیسے (ثوبٌ) کی جمع (اثوابٌ) آتی ہے، (ھاء) کو خلاف القیاس حذف کر کے (واؤ) کو (میم) سے تبدیل کرلیا، اس لئے کہ اگر (واؤ) کو (میم) سے تبدیل نہ کرتے تو اعراب (واؤ) پر آنے کی وجہ سے (واؤ) متحرک ہو جاتی، پھر (قال باع) کے قانون کے ذریعے (الف) سے بدل کر التقائے ساکنین کی وجہ سے گر جاتی تو (ف) بن کر معرب ایک حرف کی صورت میں بچ جاتا جو کہ ناجائز ہے۔

لیکن جب اس کی اضافت کرنی ہو یا اس کی جمع بنانی ہو تو اس وقت وہ حذف شدہ (واؤ) واپس اپنی صورت میں آجائیگی اس لئے کہ تبدیل کرنے کی علت ختم ہوجائے گی جیسے (فوکَ اور أفواہٌ)۔

اور (ذُوٌ) لفیف مقرون ہے اس لئے کہ یہ اصل میں (ذَوَوٌ) بروزن (فَعَلٌ) تھا، دوسرے (واؤ) کو حذف کرکے اعراب پہلے (واؤ) پر جاری کیا تو (ذَوٌ) بروزن (یَدٌ و دَمٌ) ہوگیا پھر اس مین اضافت کی وجہ سے (ذَوٌ) کی تنوین گر جائے گی اور ضمہ ذال کی طرف نقل کرکے واؤ ساکن رہ جائے گا تو (ذو مالٍ) بن جائے گا۔

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ اوپر اسماء خمسہ کی اضافت تو اسم ضمیر کی طرف کی گئی ہے اور (ذو) کی اسم ظاہر اور اسم جنس کی طرف، تو ایسا کیوں کیا گیا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ (ذو) کی اضافت اسم ضمیر کی طرف سرے سے جائز ہی نہیں اس لئے کہ (ذو) کی وضع اس لئے ہوئی ہے کہ یہ اپنے مابعد والے اسم ظاہر کو اپنے ماقبل والے اسم کے لئے صفت بنادے جیسے (زیدٌ ذو مالٍ وعمرٌو ذو علمٍ) [illegible] مال والا اور عمرو علم والا ہے، جبکہ ماقبل والے اسماء خمسہ میں یہ بات نہیں ہوتی، اس [illegible] دونوں کے درمیان فرق رکھا گیا۔

تیسری بات: فوائد وقیود اور ہر ایک کا اعراب

اسماء ستہ مکبرہ کا اعراب بیان کرتے ہوئے دیگر کتابوں میں اس کے ساتھ کچھ قیود بھی لگائی گئیں ہیں لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان قیود کے فوائد کو یہاں ذکر کیا جائے تو عزیز طلبہ کے لئے فائدے کا باعث ہوگا، مثلاً صاحب نحو میر کہتے ہیں (الأسماء الستة مكبَّرةً موحَّدةً مضافةً إلى غير ياء المتكلم):

(۱) الأسماء الستة: کہہ کر یہ معلوم ہوا کہ مذکورہ اعراب صرف مذکورہ چھ اسماء کے لئے ہے ان کے علاوہ کسی اسم کو یہ اعراب نہیں دیا جاسکتا۔

(۲) مکبَّرۃً: کہہ کر معلوم ہوا کہ یہ اسماء اسم مکبر کی صورت میں ہوں تب تو ان کا یہ اعراب ہوگا ورنہ مصغر کی صورت میں ان کا اعراب (جاری مجرائے صحیح) والا ہوگا جیسے (جاء نی أخَيٌّ ورأیتُ اخَيًّا ومررتُ بأخَيٍّ)۔

(۳) مؤحّدۃً: کہہ کر یہ معلوم ہوا کہ مفرد ہونے کی صورت میں تو ان کا یہی اعراب ہوگا لیکن انہی اسماء کا اگر تثنیہ لایا جائے تو اس کا اعراب مثنیٰ والا ہوگا جیسا کہ آگے آرہا ہے مثلاً یوں کہیں گے (جاء نی أخوان ورأیتُ أخوَین ومررت بأخوَينِ)۔

اور اگر جمع کی صورت میں ہوں تو بھی مذکورہ اعراب نہیں ہوگا بلکہ جمع مکسر منصرف والا اعراب ہوگا مثلاً (جاء نی آباءٌ ورأیتُ أباءً ومررت بأباءٍ) اور (جاء نی إخوۃٌ ورأیتُ إخوۃً ومررت بإخوۃٍ)۔

(۴) مضافۃً: کہنے سے یہ معلوم ہوا کہ اگر یہی اسماء مضاف نہ ہوں تو اس صورت میں بھی مفرد منصرف صحیح والا اعراب دیا جائے گا جیسے (جاء نی أخٌ ورأیتُ أخاً ومررت بأخٍ)۔

(۵) إلی غیر یاء المتکلم: کہنے سے یہ معلوم ہوا کہ اگر یہی اسماء یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو اس وقت ان کا اعراب (غلامی) کی طرح تقدیری ہوگا جیسے (جاء نی أخِيْ ورأیتُ أخيْ ومررت بأخيْ)۔

چوتھی بات: اسماء ستہ مکبرہ کو مذکورہ اعراب دینے کی وجہ

اسماء ستہ مکبرہ کو اعراب بالحروف اس لئے دیا گیا کہ تھوڑا سا آگے جا کر انشاء اللہ یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ تثنیہ اور جمع کو اعراب بالحرف دیا گیا ہے تو اسی کی مناسبت سے یہاں مفرد کو بھی اعراب بالحرف دیا گیا تا کہ مفرد تثنیہ اور جمع تینوں کا اعراب ایک جیسے رہے اور درمیان میں کوئی منافرت اور جدائی نہ ہو۔

دوسری یہ بات سمجھنی چاہئے کہ یہاں چھ اسماء کو اس اعراب کے ساتھ خاص کر لیا

گیا ہیں اس سے کم یا زیادہ کو کیوں خاص نہیں کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے اخوات یعنی تثنیہ اور جمع کی بھی تین تین قسمیں ہیں مثلاً تثنیہ کی تین قسمیں یہ بنتی ہیں: تثنیہ حقیقی، تثنیہ صوری، اور تثنیہ معنوی، اور جمع کی بھی تین قسمیں ہیں: جمع حقیقی، جمع صوری، اور جمع معنوی، یہ کل چھ قسمیں ہوگئیں، لہٰذا جب اس کے اخوات کی چھ قسمیں تھیں تو مفرد میں بھی چھ اسماء رکھدیئے گئے تاکہ اس کا ہر ایک اسم ایک مستقل قسم کے قائمقام ہو۔

پھر اشکال ہوسکتا ہے کہ انہیں چھ اسماء کو کیوں خاص کرلیا گیا؟ کیا اس کے علاوہ دوسرے اسماء میں یہ صلاحیت نہیں تھی؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جی ہاں! ان چھ کے علاوہ کوئی ایسا اسم نہیں تھا جس کے آخر میں حرف علت ہو اور اعراب بالحروف کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان چھ اسماء کی تثنیہ اور جمع کے ساتھ معناً مشابہت تھی یعنی جس طرح تثنیہ اور جمع میں تعدد تھا اسی طرح ان اسماء میں بھی تعدد ہے مثلاً (ابٌ) میں باپ اور اولاد دونوں آجاتے ہیں کیونکہ جب تک باپ نہ ہو تو اولاد کا ہونا محال ہے، اور جب تک اولاد نہ ہو تو کسی آدمی کا باپ بننا بھی محال ہے، اور (اخٌ) میں دو افراد ہوتے ہیں؛ کیونکہ جب تک کسی کا دوسرا بھائی یا بہن نہ ہو تو اس وقت تک وہ کسی کا حقیقی بھائی نہیں بن سکتا۔

لطیفہ: اگر کوئی کہے کہ حضرت! یہ آپ نے کیا بات کہی، ہم تو دیکھتے ہیں کہ یورپی ممالک میں بہت ساری اولادیں بغیر باپ کی موجود ہیں؟۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ بھائی ہم مسلمان ہیں اور مسلمانوں والی باتیں کرتے ہیں تو مسلمانوں کے ہاں حلال اولاد کی نسب تو ثابت ہوتی ہے لیکن حرامی کی کوئی نسب ثابت نہیں ہوتی، اور ایسے اعتراض کرنے والوں کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے ایک مولوی صاحب بیان کرتے ہوئے فرمارہے تھے کہ دیکھو، میرے بھائیو! ناپاک کپڑوں میں اور گندی جگہ نماز نہیں ہوتی، تو سامنے سے ایک جینٹلمین اور روشن خیال اور تہذیب یافتہ

بلکہ تعذیب یافتہ) آدمی نے کھڑے ہوکر کہا کہ مولوی صاحب کون کہتا ہے کہ نہیں ہوتی دیکھو میں پڑھتا ہوں ہوتی کہ نہیں ہوتی ؟، تو سارے لوگوں کے سامنے ایک کچرے کے ڈیر پر کھڑے ہوکر لفظ بیس ۲۰ رکعت پڑھ کر دکھادئے، پھر کہا کہ دیکھوں یار تمہارے تاریک خیال اور انتہا پسند مولوی صاحب کہتے ہیں کہ ایسی جگہ نماز نہیں ہوتی تو یہ ہوگئی کہ نہیں؟۔(تف ہو اور لعنت ہو ایسی روشن خیالی پر)۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ اسماء سماعی ہیں قیاسی نہیں ہیں یعنی عرب سے اعراب بالحرف غیر تبعی کے ساتھ صرف یہیں چھ اسماء سنے گئے ہیں ان کے علاوہ کوئی اسم اس اعراب کے ساتھ نہیں سنا گیا۔

عبارت میں (مضافۃ) منصوب واقع ہوا ہے اس لئے کہ یہ ان اسماء ستہ (أبوک. . . .وغیرہ) سے حال واقع ہو رہا ہے۔

درس (۱۴)

اعراب کی پانچویں اور چھٹی قسم

المثنی و(کلا) مضافاً إلی مضمر، والثنان والثنتان بالألف والیاء، جمع المذکر السالم، وأولو، وعشرون وأخواتها بالواو والیاء.

ترجمہ. اور تثنیہ کا اور (کلا) جب کہ مضاف ہو کسی ضمیر کی طرف، اور (اثنان) اور (اثنتان) کا اعراب یہ ہے کہ یہ حالت رفعی میں الف کے ساتھ ہونگے اور حالت نصبی اور جری (دونوں میں) یاء(ماقبل مفتوح) کے ساتھ ہونگے، اور جمع مذکر سالم اور (أولو اور عشرون) اور اس کے اخوات کا اعراب یہ ہے کہ یہ حالت رفعی میں واؤ کے ساتھ ہونگے اور حالت نصبی اور جری دونوں میں یاء (ماقبل مکسور) کے ساتھ ہونگے۔

تشریح. آج کے درس میں دو باتیں ہیں:

(۱) تثنیہ، جمع اوران کے ملحقات کی تعریفیں۔ (۲) مذکورہ چھ قسموں کا اعراب۔

پہلی بات: تثنیہ، جمع اوران کے ملحقات کی تعریفیں

صاحب کتابؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں تثنیہ اور جمع کی تین تین قسموں کے صرف نام اور مختصر انداز میں ان کا اعراب بیان فرمایا ہے لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے ان کے نام اور تعریفیں بھی اگر سمجھ لی جائیں تو شاید مفید ثابت ہو.

(۱) تثنیہ حقیقی: تثنیہ حقیقی وہ اسم ہے جس میں تین چیزیں پائی جائیں: ایک یہ کہ وہ دو افراد پر دلالت کر رہا ہو، دوسرا یہ کہ اسی مادے سے اس کا مفرد بھی مستعمل ہو، تیسرا یہ کہ اس میں تثنیہ کی علامت پائی جاتی ہو جیسے (رجلان، تلمیذانِ) وغیرہ۔

(۲) تثنیہ صوری: تثنیہ صوری (یا ملحق بالمثنی لفظا) وہ اسم ہے جس میں مذکورہ باتوں میں سے دو باتیں پائی جاتی ہوں۔ ایک یہ کہ وہ دو افراد پر دلالت کر رہا ہو، دوسری یہ کہ اس میں تثنیہ کی علامت پائی جارہی ہو جیسے (اثنان و اثنتان)۔

(۳) تثنیہ معنوی: تثنیہ معنوی (یا ملحق بالمثنی معنا) وہ اسم ہے جس میں مذکورہ باتوں میں سے صرف ایک بات پائی جائے اور وہ ہے کہ وہ اسم دو افراد پر دلالت کر رہا ہو جیسے (کلا اور کلتا)۔

اسی طرح جمع کی بھی تین قسمیں ہیں مثلاً:

جمع حقیقی وہ اسم ہے جس میں تیں باتیں پائی جائیں: ایک یہ کہ وہ دو سے زیادہ پر دلالت کرے، دوسری یہ کہ اس کے اسی مادے سے مفرد اور تثنیہ بھی بن رہے ہوں، تیسری یہ کہ اس میں جمع کی علامتیں پائی جاتی ہوں جیسے (مسلمون) یہ دو سے زیادہ افراد پر دلالت بھی کررہا ہے، (مسلمٌ اور مسلمان) اس کا مفرد اور تثنیہ بھی بن رہے ہیں، اور اس کے آخر میں (واؤ اور نون) جمع کی علامت بھی ہے۔

اسی ترتیب سے اس کی دونوں قسموں (اُولو اور عشرون تا تسعون) کی

تعریفیں بھی اسی پر قیاس کرلو، یعنی کہ جمع صوری یا ملحق بالجمع لفظاً میں دو باتیں ہونگی اور جمع معنوی یا ملحق بالجمع معناً میں صرف ایک بات ہوگی۔

دوسری بات: مذکورہ چھ قسموں کا اعراب

تثنیہ حقیقی اور صوری اور (کلاَ جب مضاف ہو) توان تینوں کا اعراب یہ ہے کہ یہ حالت رفعی میں (الف) کے ساتھ ہونگے جیسے (جاء نی رجلان، اثنان، کلاھما) اور حالت نصبی اور جری دونوں میں (یاء ماقبل مفتوح) کے ساتھ ہونگے جیسے (رأیتُ رجلَینِ، اثنَینِ، کلَیھما ومررت برجلین اثنین کلیھما)۔

صاحب کتابؒ نے (کلاَ) کے ساتھ مذکورہ اعراب کے لئے یہ شرط لگائی کہ (مضافاً إلی مضمرٍ) یعنی جب یہ مضاف ہو کسی اسم ضمیر کی طرف تب یہ اعراب ہوگا، یہ شرط اس لئے لگائی کہ اگر یہ مضاف ہو کسی اسم ظاہر کی طرف تو اس وقت اس کا اعراب اعراب بالحرکت تقدیری کے ساتھ ہوگا جیسے (جاء نی کِلا الرَّجلین، ورأیتُ کِلاَ الرَّجلین ومررتُ بکلاَ الرَّجلین)۔

یہاں صاحب کافیہ نے صرف (کِلاَ) کے ذکر پر اکتفاء کرکے (کلتا) کو چھوڑ دیا؛ اس لئے کہ کلا اصل ہے اور قاعدہ ہے کہ (ذکر الأصل یستلزم ذکر الفرع) یعنی کسی چیز کے اصل کو ذکر کرنے سے اس کی فرع اس میں خود بخود داخل ہو جاتی ہے۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جب کلا کے ذکر سے کلتا خود بخود مذکور تصور کیا گیا تو (اثنان) اور (اثنتان) میں بھی ایسے ہی کر لیتے، یعنی صرف (اثنان) کو ذکر کرکے (اثنتان) اس کے ضمن خود بخود آجاتا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسماء عدد اکثر قیاس کے مخالف ہوتے ہیں جیسے (ثلاثۃ رجالٍ) اور (ثلاث نساء) یعنی مذکر اور مؤنث دونوں کا معدود ایک دوسرے سے مخالف ہوتا ہے تو اس سے شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید اس کا اعراب بھی ایک دوسرے سے مخالف ہوگا تو

مصنف نے دونوں کو صراحتاً ذکر فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہاں پر کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ دونوں کا اعراب ایک جیسے ہیں۔

عبارت میں (مضافاً) منصوب ہے اس لئے کہ یہ (کِلا) سے حال واقع ہو رہا ہے، اور کلا اصل میں نائب فاعل ہے فعل محذوف کے لئے تقدیری عبارت یہ بنے گی (ویُعرب المثنی و کلا)، اس لئے یہ اشکال نہیں ہوگا کہ (کِلاَ نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول پھر اس سے (مضافاً) حال کیسے بنایا گیا۔

جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات کا اعراب بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ ان کا اعراب حالت رفعی میں (واوٗ) کے ساتھ ہوگا جیسے (جاء نی مسلمون، عشرون، أولو مالٍ) اور حالت نصبی اور جری دونوں میں (یاء) ماقبل مکسور کے ساتھ ہوگا جیسے (رأیتُ مسلمِین، عشرِین، أولی مالٍ، و مررتُ بمسلمِین، عشرِین، أولی مالٍ)۔

(اولــو یہ ذو) کا جمع ہے لیکن من غیر لفظہ ہے لہٰذا جو شرط ہم نے اسماء ستہ مکبرہ میں (ذو) کے متعلق پڑھی تھی وہی شرط یہاں بھی اس کی جمع (اُولــو) کے لئے ہوگی یعنی بشرطیکہ یہ کسی اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو، اس کی وجہ وہاں گذر گئی ہے وہاں دیکھی جائے۔

درس (۱۵)

اعراب کی باقی جملہ قسمیں

التقدیر فیما تعذّر کعصا وغلامی مطلقاً، أو استثقل کقاضٍ رفعاً وجرًّا، ونحو: مسلمیَّ رفعاً، واللفظی فیما عداہ.

ترجمہ: اور اعراب تقدیری دیا جائے گا ان صورتوں میں جہاں اعراب لفظی کا ظاہر ہونا یا تو سرے سے ممتنع ہو جیسے (عصا اور غلامی) کے تینوں حالتوں میں، یا (ممتنع تو نہ ہو لیکن) ثقیل سمجھ لیا گیا ہو جیسے حالت رفعی اور جری میں (قاضٍ) کا اعراب، اور

(اسی طرح) حالت رفعی میں جمع مذکر سالم کا اعراب جیسے (مسلمِیَّ)، اور اعراب لفظی ان صورتوں کے علاوہ میں ہوگا یعنی جہاں اعراب متعذر رہو اور نہ ثقیل ہو۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اعراب تقدیری اور اس کے مواقع۔ (۲) چند کلمات کی تحقیق۔

(۳) (واللفظی فیما عداہ) کی وضاحت۔

تمہید: صاحب کتابؒ یہاں تک اعراب بالحرکت لفظی اور اعراب بالحرف لفظی کو بیان فرمارہے تھے جس میں اعراب کی چھ قسمیں اور اسم متمکن کی بارہ قسمیں بیان ہوگئیں، اب اعراب کی باقی تین قسمیں رہ گئیں ہیں جن میں اسم متمکن کی باقی ماندہ چار قسمیں انشاء اللہ بیان کی جائیں گی۔

پہلی بات: اعراب تقدیری اور اس کے مواقع

اعراب تقدیری کا مطلب یہ ہے کہ لفظوں میں اعراب تو نظر نہ آتا ہو لیکن اندرونی اور ترکیبی اعتبار سے اس کے اثرات موجود ہوں جیسے بجلی کی تاریں ہوتیں ہیں بظاہر اس میں کچھ نظر نہیں آتا لیکن ہاتھ لگانے سے وہ اپنی اندرونی طاقت (کرنٹ) دکھادیتی ہیں جیسے (جاءنی موسیٰ ورأیت موسیٰ ومررت بموسیٰ) یہاں تینوں حالتوں میں اعراب نظر تو نہیں آتا اس کے اندر ترکیبی اعتبار سے اپنے عامل کے اثرات موجود ہیں۔

اعراب کی ساتویں قسم

فرمایا کہ (التقدیر فیما تعذّر) یعنی اعراب کی ساتویں قسم یہ ہے کہ رفع ضمہ تقدیری کے ساتھ ہو اور نصب فتح تقدیری کے ساتھ، اور جر کسرہ تقدیری کے ساتھ ہو، اعراب کی یہ قسم خاص ہے دو اسموں کے ساتھ:

ایک اسم مقصور کے ساتھ (وھو ما فی آخرہ ألفٌ مقصورۃٌ) یعنی اسم مقصور وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو جیسے (عصا)

اور دوسرا ہر اس اسم کے ساتھ جو جمع مذکر سالم کے علاوہ ہو اور یائے متکلم کی طرف مضاف ہو جیسے (غلامی، کتابی، کرّاستی وغیرہ)، تو یہ دونوں اسم معرب اعراب کی تینوں حالتوں میں ایک ہی حالت پر رہیں گے جیسے (هذه عصا وغلامي، ورأيتُ عصا وغلامي، ومررتُ بعصا وغلامي)۔

اعراب کی آٹھویں قسم

أو استثقل: اعراب کی آٹھویں قسم بیان فرمارہے ہیں کہ رفع ضمہ تقدیری کے ساتھ ہو، نصب فتح لفظی یعنی فتح ظاہری کے ساتھ اور جر کسرہ تقدیری کے ساتھ ہو۔

اعراب کی یہ قسم خاص ہے ایسے اسم معرب کے ساتھ جس پر اعراب لفظی کا آنا اگرچہ متعذّر تو نہ ہو لیکن مشکل ضرور ہو مثلاً اسم منقوص، (وهو ما في آخره ياءٌ ما قبلها مكسورٌ كقاضٍ) یعنی اسم منقوص وہ اسم ہے جس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو جیسے (جاءني القاضيُ ورأيت القاضيَ ومررت بالقاضِيُ) یہاں حالت رفعی اور جری دونوں میں اعراب تقدیری ہے۔

اعراب کی نویں قسم

(ونحو مسلميَّ رفعاً) اس عبارت میں صاحب کتابؒ نے اعراب کی نویں قسم کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ رفع واؤ تقدیری کے ساتھ ہو اور نصب اور جر دونوں یاء ماقبل مکسور کے ساتھ ہو۔

اعراب کی یہ قسم خاص ہے جمع مذکر سالم کے ساتھ جب وہ مضاف ہو یاء متکلم کی طرف جیسے (جاءني مسلميَّ، ورأيتُ مسلميَّ، ومررت بمسلميَّ) یہاں صرف حالت رفعی میں اعراب تقدیری ہے۔

دوسری بات چند کلمات کی تحقیق

عبارت مذکورہ کے بعض کلمات میں کچھ تفصیل ہے لہذا وہ ملاحظہ ہو:

(۱) تعذّر: یہ باب تفعُّل سے ماضی معلوم کے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اس کا مصدری معنی یہ ہے کہ ایسی چیز جس تک پہنچنا ممکن تو ہو لیکن مشقت اور تکلیف کے ساتھ ہو، لیکن یہاں پر یہ (امتنعَ) کے معنی میں ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ جہاں اعراب لفظی سرے سے ممتنع ہو تو وہاں یہ تقدیری اعراب آئے گا۔

(۲) استثقل: یہ باب استفعال سے ماضی مجہول کے واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے اس کا مصدری معنی کسی چیز کو مشکل اور ثقیل سمجھنا، یہاں پر اس کا مطلب یہ ہے کہ اعراب لفظی کا آنا (قاضٍ) پر ناممکن تو نہیں ہے لیکن ثقیل اور مشکل ضرور ہے۔

تو تعذّر اور استثقال میں فرق یہ ہوا کہ تعذّر میں کسی کلمہ پر اعراب کا پڑھنا بالکل ناممکن ہوتا ہے جیسے (عصا) اس کے آخر میں (الف) ہے وہ اعراب کا تحمل نہیں کرسکتا لیکن اگر کوئی زبردستی اعراب لگالے تو وہ الف الف نہیں رہے گا بلکہ ہمزہ بن جائے گا، اور استثقال میں کسی کلمہ پر اعراب لفظی کا آنا ناممکن نہیں ہوتا بلکہ اعراب کے قابل تو ہوتا ہے لیکن مشکل ضرور ہوتا ہے جیسے (غلامی) اس میں میم کا کسرہ یاء نسبتی کی وجہ سے ہے اور اوپر سے ہم اعراب لفظی بھی داخل کردے تو دو حرکتیں بیک وقت ایک اسم میں جمع ہوجائیگی جو کہ ناجائز ہے۔

(۳) عصا: یہ ناقص واوی ہے بمعنی لاٹھی، یہ اصل میں (عَصَوٌ) تھا واؤ متحرک ماقبل مفتوح کو (قال باع) کے قانون سے (الف) بنایا گیا تو (عَصَانٌ) ہوگیا، التقائے ساکنین کی وجہ سے (الف) کو گرادیا تو (عصا) بن گیا، اس اگر الف کے ساتھ پڑھا جائے تو الف مقصورہ لفظوں میں آئے گا جیسے (العصی) اور اس کے بغیر ہو تو الف مقصورہ تقدیری ہوگا جیسے (عصا)۔

(۴) مطلقاً: یہ باب افعال سے اسم مفعول کے مفرد مذکر کا صیغہ ہے بمعنی کھلا چھوڑ دیا گیا، یہاں پر اس کا معنی ہے: ہر حالت میں، یعنی عصا اور غلامی دونوں کا تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا۔

اور ترکیبی اعتبار سے یہ (مطلقاً) (عصااور غلامی) دونوں سے حال واقع ہورہا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان دونوں کا تینوں حالتوں میں اعراب تقدیری ہوگا۔

یا یہ صرف (غلامی) سے حال واقع ہوگا اس صورت میں گویا کہ صاحب کتاب ردفرمارہے ہیں ان نحویوں پر جو (غلامی) کی حالت جری میں اعراب لفظی کے قائل ہیں، تو صاحب کتاب نے فرمایا کہ (غلامی) کے آخر میں جو کسرہ ہے یہ کسی عامل کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ (یاء) کی مناسبت کی وجہ سے ہے اس لئے کہ اگر یہ عامل کی وجہ سے ہوتا تو دیگر عوامل کے آنے سے بدل جاتا جبکہ یہ تو ایک ہی حالت پر رہتا ہے۔

(۵) قاضٍ: یہ اسم منقوص ہے اور اسم فاعل کا صیغہ ہے، یہاں پر اس سے مراد ہر وہ اسم معرب ہے جس کے آخر میں (یاء ماقبل مکسور) ہو جب یہ معرف باللام ہو تو (یاء) ثابت ہوگی ورنہ ساقط ہوگی۔

یہ اصل میں (قاضیٌ) تھا، (یاء) پر ضمہ ثقیل تھا اسے گرادیا پھر التقاء ساکنین کی وجہ سے (یاء) کو حذف کیا تو (قاضٍ) بن گیا، اب اس پر اعراب لفظی کا آنا اگرچہ ممتنع تو نہیں لیکن ثقیل ہونے کی وجہ سے نہیں آتا۔

(٦) مسلمیَّ: یہ باب افعال سے اسم فاعل کے جمع مذکر کا صیغہ ہے اصل میں (مسلمونَ یَ) تھا نون جمع کو اضافت کی وجہ سے گرادیا اور واؤ کو (سیدٌ) کے قانون سے (یاء) بنا کر پھر (متجانسین) کے قانون سے دونوں (یاء) کو مدغم کیا گیا تو (مسلمُیَّ) بن گیا، پھر (یاء) کی مناسبت کی وجہ سے ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کیا گیا تو (مسلمِیَّ) بن گیا۔

دیکھئے! اس اعلال کے بعد (واؤ) باقی نہیں رہا اس لئے صاحب کتاب نے فرمایا کہ اس کا ضمہ واؤ تقدیری کے ساتھ ہوگا۔

(مسلمیَّ) سے مراد یہاں پر ہر وہ جمع مذکر سالم ہے جو مضاف ہو یاء متکلم کی طرف۔

تیسری بات: (واللّفظي فیما عداہ) کی وضاحت

واللّفظي فيما عداه: اس عبارت میں مصنفؒ نے ایک ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ جہاں جہاں اعراب بالحرکت ممتنع ہو جیسے (عصا) اور (غلامی) میں، یا ثقیل ہو جیسے (قاضٍ) میں، اس طرح جہاں اعراب بالحروف ثقیل ہو جیسے (مسلمیَّ) میں، تو ان چاروں قسموں کے اسماء میں اعراب تقدیری ہوگا، اس کے علاوہ جتنی صورتیں ہیں جو ماقبل میں گذر گئیں ان سب میں اعراب بالحرکت ہو یا اعراب بالحروف سب میں لفظی ہوگا۔

(فیما عداہ) کی ضمیر کے مرجع میں علماء نحو نے کافی کلام کیا ہے لیکن صحیح تر قول جو علامہ تاشکندیؒ کا ہے وہ یہ ہے کہ (عداہ) کی ضمیر ماقبل میں (فیما تعذّر) میں کلمہ (ما) کی طرف لوٹ رہی ہے۔

درس (۱۶)

غیر منصرف کا بیان

غير المنصرف ما فيه علّتان من تسع، أو واحدةٌ منها تقوم مقامهما، وهي

عدلٌ ووصفٌ وتأنيثٌ ومعرفةٌ

وعجمةٌ ثم جمعٌ ثم تركيبُ

والنُّون زائدةٌ من قبلها ألف

ووزن الفعل وهذا القول تقريبُ

مثل: عمرَ، وأحمرَ، وطلحةَ، وزينبَ، وإبراهيمَ، ومساجدَ، ومعديكربَ،

وعمرانَ، واحمدَ.

ترجمہ: غیر منصرف وہ (اسم معرب) ہے جس میں نو اسباب منع صرف میں سے دو سبب ہوں یا ان میں سے ایسا ایک سبب ہو جو دو کا قائمقام ہو اور وہ یہ ہیں: عدل، وصف، تانیث، معرفہ، عجمہ، جمع، ترکیب، اور وہ نون جو کہ زائد ہو اس سے پہلے الف، اور وزن فعل، اور یہ قول حق کے زیادہ قریب ہے جیسے عمرُ، أحمرُ، طلحةُ، وزينبُ، إبراهيمُ، مساجدُ، معديكربُ، عمرانُ، اور أحمدُ۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) غیر منصرف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور اس کا وجہ تسمیہ۔

(۲) عبارت کی مختصر تشریح۔ (۳) والنُّون زائدةٌ کی ترکیبی صورتیں۔

(۴) وهذا القول تقريبٌ کی توجیہات مختلفہ۔

تمہید: صاحب کتاب جب اعراب اسم کی تفصیل سے فارغ ہوئے جس کے ضمن میں غیر منصرف کا اعراب بھی بیان ہوا تھا تو اب یہاں سے باقاعدہ اس کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں، اور اسم منصرف کو اس لئے بیان نہیں فرمایا کہ وہ کثیر الاستعمال ہونے کی وجہ سے معروف ہے، دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ غیر منصرف کی تعریف سے اس کی تعریف خود بخود سمجھ میں آجائیگی جیسا کہ کہا جاتا ہے: (وبضدّها تتبيَّن الأشياء).

پہلی بات: غیر منصرف کا لغوی اور اصطلاحی معنی اور وجہ تسمیہ

غیر مصرف کا لغوی معنی یہ ہے کہ (هو اسمٌ غير قابل للزّيادة، أى الكسرة والتّنوين) یعنی غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جو زیادتی یعنی کسرہ اور تنوین کو قبول نہ کرے۔

اور اصطلاح نحو میں کہتے ہیں (هو ما فيه علّتان من تسع، أو واحدةٌ منها تقوم مقامهما) یعنی غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں اسباب منع صرف میں سے دو

سبب یا ایک ایسا سبب جو دو کے قائمقام ہو وہ پایا جائے۔

عبارت میں کلمہ (ما) کا معنی ہم نے اسم معرب سے کیا تا کہ کوئی (ضربت) کو لے کر اعتراض نہ کرے کہ اس میں تو دو سبب یعنی تانیث اور وزن فعل موجود ہیں پھر بھی غیر منصرف نہیں ہے، اس لئے کہ (ضربت) فعل ہے اور مبنی بھی ہے جو کہ دونوں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔

اسی طرح (حضارِ، قطارِ، اور نزالِ) میں بھی اگر چہ دو دو سبب یعنی علمیت اور تانیث موجود ہیں لیکن مبنی ہونے کی وجہ سے وہ بھی ہماری تعریف سے خارج ہیں؛ کیونکہ ہم معرب میں چل رہے ہیں۔

اور (نوحٌ) اگر چہ معرب بھی ہے اور دو سبب یعنی علمیت اور عجمہ بھی اس میں پائے جاتے ہیں لیکن پھر بھی غیر منصرف اس لئے نہیں ہے کہ انشاء اللہ آگے یہ بات آجائیگی کہ عجمہ غیر منصرف کے لئے سبب مؤثر تب بنے گا جب اس میں دو شرطوں میں سے کوئی ایک پائی جائے، یعنی یا تو وہ اسم (زائد علی الثلاثۃ) ہو یا کم سے کم (متحرک الأوسط) ضرور ہو، جبکہ یہاں دونوں شرطوں میں سے کوئی بھی شرط نہیں پائی جاتی۔

اور وجہ تسمیہ اس کی یہ ہے کہ منصرف کا معنی ہے پھرنے والا اور غیر منصرف کا معنی ہے نہ پھرنے والا، تو اسم منصرف بھی عوامل کی وجہ سے مختلف حالتوں کی طرف پھرتا رہتا ہے اس لئے اس کو منصرف کہا جاتا ہے، اور غیر منصرف بعض حالات میں نہیں پھر سکتا اس لئے اس کو غیر منصرف کہا جاتا ہے۔

دوسری بات: عبارت کی مختصر تشریح

اسباب منع صرف نو ہیں جن کو شیخ ابو سعید عبد الرحمٰن بن محمد بن عبید اللہ الأنباری الکوفیؒ نے اپنے دو شعروں میں جمع فرمایا ہیں، ان دو شعروں سے پہلے بھی ایک شعر ہے جس کو کتاب میں محشی صاحب نے نقل کیا ہے اسے ملا کر پورے اشعار یہ ہیں:

موانع الصَّرف تسعٌ كلَّما اجتمعت

ثنتان منها فما للصَّرف تصويب

عدل ووصفٌ وتأنيثٌ ومعرفةٌ

وعجمةٌ ثم جمعٌ ثم تركيبُ

والنُّون زائدةً من قبلها ألفٌ

ووزن الفعل وهذا القول تقريبُ

ان اشعار میں، جس طرح عدل تا عجمہ میں واؤ برائے عطف ہے اسی طرح (ثمَّ جمعٌ ثمَّ تركيب) کے اندر بھی (ثمَّ) برائے عطف ہے نہ کہ برائے تراخی ورنہ معنی کی خرابی لازم آئیگی، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہو جائے گا کہ جس اسم میں جمعیت پائی جائے تو جمعیت سے پہلے اس میں عدل وصف تانیث معرفہ اور عجمہ ہوگا اس کے بعد جمعیت ہوگی، رہی یہ بات کہ (ثم) کے بجائے (واؤ) کیوں نہیں لائے، تو یہ اس لئے کہ وزن شعری کو برقرار رکھنے کے لئے واؤ کو چھوڑ کر (ثم) لے کر آئے۔

تیسری بات: والنون زائدة کی ترکیبی صورتیں

شعر کے اندر (زائدةً) کو منصوب اور مرفوع دونوں طریقوں سے پڑھا گیا ہے، اگر مرفوع ہو تو اس صورت میں یہ صفت ہوگی (النون) کے لئے، اس صورت میں (النون) کا الف لام یا تو زائد ہوگا یا عہد ذہنی ہوگا، اس لئے کہ ان دونوں سے کوئی اسم معرفہ نہیں بنتا بلکہ نکرہ ہی رہتا ہے، لہٰذا دونوں موصوف اور صفت میں تعریف اور تنکیر کے اعتبار سے عدم موافقت کا اعتراض واقع نہیں ہوگا۔

اور منصوب ہونے کی صورت میں یہ (النون) جو کہ (تمنع) فعل محذوف کے لئے فاعل ہے اس سے حال واقع ہوگا، اس صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی (تمنع النونُ الصَّرفَ حال كونها زائدة).

اور (من قبلها) میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ جار مجرور متعلق ہو (ثابتٌ یا کائنٌ) اسم محذوف کے ساتھ، اس صورت میں یہ خبر مقدم ہوگی اور (ألفٌ) مبتدا مؤخر ہوگا جیسا کہ کتاب میں نا کت صاحب نے لکھا ہے۔

دوسرا یہ کہ (من قبلها) متعلق ہو (ثبتَ) فعل محذوف کے ساتھ؛ اس صورت میں (ألفٌ ثبتَ) فعل محذوف کے لئے فاعل بنے گا، اس صورت میں پوری عبارت یہ بنے گی: (تمنع النونُ الصرفَ حالَ کونها زائدةً ثابتة أو تثبت من قبلها ألف) یہ احوال مترادفہ کی صورت ہے۔

اور پھر (من قبلها ألفٌ) پورے جملے میں بھی دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ اس کو بھی (النون) فاعل سے حال بنایا جائے، چونکہ اس صورت میں ایک ذوالحال سے دو حال واقع ہونگے اس لئے اس کو احوال مترادفہ کہتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ اس پورے جملے کو (زائدةٌ) کی ضمیر مستتر سے حال بنادیا جائے، اس صورت میں اس کو احوال متداخلہ کہتے ہیں اس لئے کہ اس صورت میں ایک حال دوسرے حال میں داخل ہوگیا ہے، اب عبارت یہ بنی گی (وتمنع النونُ الصَّرفَ حال کونها زائدةً من قبلها ألفٌ)۔

لیکن ان دونوں صورتوں میں صرف (نون) کا زائد ہونا معلوم ہوتا ہے نہ کہ (الف) کا بھی؛ کیونکہ اس کا صرف ثابت ہونا معلوم ہوتا ہے لہٰذا بہتر ترکیب یہ ہے کہ (ألفٌ) کو (زائدةٌ) صیغہ اسم فاعل کے لئے فاعل بنایا جائے اور (من قبلها) جار مجرور کو اسی (زائدةٌ) کے ساتھ متعلق کیا جائے، تو تقدیری عبارت یہ ہوگی، (وتمنع النونُ الصَّرفَ حال کون الألف زائدة من قبلها)، اس صورت میں الف کا زائد ہونا تو ظاہر ہے، رہا نون کا زائد ہونا تو وہ عرب کے ایک محاورہ سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جب عرب یہ کہتے ہیں (جاءَ زیدٌ راکباً من قبله أخوه)، تو اس کا مطلب ان کے ہاں یہ ہوتا ہے کہ وصف رکوب میں زید اور اس کا بھائی دونوں شریک ہیں لیکن آنے میں زید کا بھائی

مقدم ہے، اس طرح یہاں بھی وصف زیادت کے ساتھ الف اور نون دونوں شریک ہیں لیکن زائد ہونے میں الف اس سے مقدم ہے۔

(مثل عمرُ واحمرُ إلخ) صاحب کتاب نے جس طرح شعر میں اسباب منع صرف ذکر فرمائے ہیں یہاں مثالیں بھی اسی ترتیب سے دی ہیں، اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ ناکت نے بین السطور ہر مثال میں پائے جانے والے اسباب کی نشاندہی فرمائی ہیں۔

چوتھی بات: وهذا القول تقريب کی توجیہات

یہاں وهذا القول تقريب میں علامہ جامی رحمہ اللہ نے تین توجیہات ذکر فرمائی ہیں:

(۱) (تقریب) مصدر بمعنی فاعل کے ہے تو عبارت یوں ہوگی (وهذا القول مقرّبٌ إلى الحفظ)، یعنی اسباب منع صرف کو اس طرح شعر کی صورت میں یاد کرنا زیادہ آسان ہیں۔

(۲) (تقریب) اصل میں (تقریبیٌّ) بمعنی (مجازیٌّ) ہے جس کی طرف ناکت نے بھی اشارہ فرمایا ہے، اس کو مجازی اس لئے کہا کہ حقیقت میں کل نو اسباب نہیں ہیں بلکہ ان میں سے دو علتوں کے مجموعے کو مکمل ایک سبب کہا جاتا ہے، اس حساب سے ان کو نو کہنا حقیقت نہیں بلکہ مجاز ہے۔

(۳) مصدر کو مفعول کے معنی میں لینا، یعنی (هذا القول مقرَّبٌ إلى الصّواب)، تو مطلب یہ ہوگا کہ اسباب منع صرف کی تعداد میں اختلاف ہے بعض کے ہاں نو ہیں بعض کے ہاں گیارہ ہیں اور بعض کے ہاں سات ہیں لیکن ان میں صحیح تر قول یہی نو والا ہے۔

☆☆☆

درس (۱۷)

اسم غیر منصرف کے متعلق کچھ مسائل

وحکمہ: أن لا کسرة ولا تنوین، ویجوز صرفہ للضرورة أو للتناسب، بمثل: ﴿سلاسلاً وأغلالاً﴾، وما یقوم مقامھما الجمع وألفا التأنیث.

ترجمہ: غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ نہ اس پر کسرہ آسکتا ہے اور نہ تنوین، اور جائز ہے اس کو منصرف بنانا ضرورت (شعری) کی وجہ سے، یا مناسبت کی وجہ سے، جیسے (سلاسلاً وأغلالاً)، اور وہ اسباب جو (ایک ہوکر) دوسبب کے قائمقام ہیں وہ جمع منتہی الجموع اور تانیث کے دونوں الف ہوتے ہیں۔

تشریح: اس عبارت کے تحت ہم چار باتیں ذکر کریں گے:

(۱) غیر منصرف کا حکم۔ (۲) اس پر کسرہ اور تنوین نہ آنے کی وجہ۔

(۳) غیر منصرف کے منصرف بننے کے مواقع۔

(۴) وہ اسباب جو دو کے قائمقام ہیں ان کی وضاحت۔

پہلی بات: غیر منصرف کا حکم

غیر منصرف کی تعریف کے بعد صاحب کتاب اس کے حکم کو بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آسکتے۔

دوسری بات: غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین نہ آنے کی وجہ

غیر منصرف پر کسرہ اور تنوین اس لئے نہیں آتے کہ یہ فعل کے ساتھ فرعیتین میں مشابہت رکھتا ہے، یعنی جس طرح فعل دو چیزوں کی فرع ہے ایک معناً اور دوسرا اشتقاقاً، یعنی معنی دینے میں وہ فاعل کا محتاج ہوتا ہے اور مشتق ہونے میں اپنے مصدر کا محتاج ہوتا

ہے، تو گویا کہ فاعل اور مصدر اصل ہو گئے اور فعل اس کی فرع ہو گئی، اسی طرح غیر منصرف بھی غیر منصرف ہونے میں اسباب منع صرف میں سے دو سببوں کا یا ایک ایسے سبب کا جو دو کے قائمقام ہو ان کا محتاج ہوتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ ان اسباب میں سے ہر ایک سبب فرع ہے کسی اور چیز کا، مثلاً عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف اپنے موصوف کی فرع ہے، تانیث تذکیر کی، معرفہ نکرہ کی، عجمہ عربی کی، جمع اور ترکیب مفرد کی، وزن فعل وزن اسم کی، الف اور نون زائدتان یا تو (مزيدٌ عليه) کی یا الف ممدودہ اور مقصورہ کی (على اختلاف الأقوال كما سيأتي بيانه بالتفصيل إن شاء الله تعالى)۔

چنانچہ جب فعل کے ساتھ اس کی مشابہت ثابت ہو گئی تو دونوں کا حکم بھی ایک ہو گیا یعنی جس طرح فعل پر کسرہ اور تنوین نہیں آسکتے اس طرح غیر منصرف پر بھی نہیں آئینگے، اور فعل پر اس لئے نہیں آسکتے کہ یہ خاص ہیں اسم کے ساتھ، اور قاعدہ ہے کہ: (خاصة الشیء لا توجد فی غیرہ) یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس کے غیر میں نہ پایا جائے۔

تیسری بات: غیر منصرف کے لئے منصرف بننے کے مواقع

صاحب کتابؒ (الضرورات تُبيح المحذورات، اور يجوز في الشعر ما لا يجوز في غيره) والے قواعد کو سامنے رکھ کر فرما رہے ہیں کہ دو موقعوں پر غیرؔ منصرف کا منصرف پڑھنا جائز ہے:

پہلا موقع

ضرورت شعری کی وجہ سے، پھر اس کی تین قسمیں ہیں:

(۱) شعر کا وزن فاسد ہو رہا ہو یعنی کسی شعر میں غیر منصرف کلمہ مستعمل ہو، اگر اس کو غیر منصرف ہی پڑھیں گے تو شعر کی تقطیع (یعنی شعر کو اپنے خاص عروضی اوزان پر وزن کر کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا) درست نہ ہو رہی ہو جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شعر ہے جو

اس نے رسول اللہ ﷺ کے روضہ مطہرہ پر حاضر ہوئی اور قبر شریف سے ایک مشت مٹی اٹھا کر آنکھوں پر لگائی اور زار و قطار رو رو کر کہہ رہی تھی:

مـاذا عـلـى مَنْ شَـمَّ تُربَةَ أحْمَد
أن لا يَشُمَّ مـدى الـزمان غواليا
صُبَّت عـلـيَّ مـصـائبٌ لـو أنها
صُبَّت عـلى الأيام صِـرنَ لياليا

ترجمہ: اس پر کیا واجب ہے جس نے قبر شریف کی مٹی سونگھ لی؟ اس پر یہ واجب ہے کہ عمر بھر کوئی دوسری خوشبو نہ سونگھے، مجھ پر ایسی مصیبتیں انڈیل دی گئیں ہیں کہ اگر دنوں پر انڈیل دی جاتیں تو وہ تکلیف کی شدت سے تاریک راتیں بن جاتے۔

ملاحظہ ہو اس میں (مصائب) غیر منصرف ہونے کے باوجود منصرف پڑھا گیا ہے؛ کیونکہ اگر اس کو غیر منصرف ہی پڑھیں گے تو شعر کا وزن فاسد ہو جائے گا۔

(۲) **وزن قافیہ** یعنی شعر کے آخری حصے کا وزن فاسد ہو رہا ہو، جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اشعار میں ہے:

سـلامٌ عـلـى خيـر الأنـام وسيد
حـبـيـب إلـه العالمين محمَّدٍ (ﷺ)
بشـيـر نـذير هـاشـميٌّ مكـرَّم
عطوفٍ رؤوفٍ من يسمَّى بأحمدٍ (ﷺ)

اس کے آخر میں نام مبارک **احمد** ﷺ غیر منصرف ہونے کے باوجود قافیہ برابر کرنے کے لئے احمد ﷺ منصرف پڑھا گیا ہے۔

(۳) **احتراز عن الزحاف کی وجہ سے**، (زحاف ارکان عشرہ مشہورہ میں سے کسی رکن کی تبدیلی کو کہتے ہیں جن کی تفصیل ان شاء اللہ علم عروض میں آپ حضرات

پڑھیں گے) مختصر مطلب اس کا یہ ہے کہ کسی غیر منصرف کلمہ کو شعر میں اگر غیر منصرف ہی پڑھا جائے تو وزن شعری تو باقی رہے گی لیکن اس کی وجہ سے سلاست اور روانگی ختم ہو جائیگی جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مدح میں فرمایا تھا:

هنيئاً لأربابِ النعيم نعيمُهم وللعاشق المسكين ما يتجرَّعُ

أعِدْ ذِكرَ نعمانٍ لنا إنَّ ذكرَه هو المسك إذا كرَّرته يتضوَّعُ

ترجمہ: ارباب نعمت کو ان کی نعمتیں مبارک ہوں، اور عاشق مسکین کو جدائی کی گھونٹ، ہمارے سامنے نعمان بن ثابتؒ کا ذکر بار بار کرتے رہو کیونکہ وہ مشک کی طرح مہکے گا جب تک آپ اس کا ذکر کرتے رہیں گے۔

دیکھیئے اس میں (نعمانٍ) کو اگر غیر منصرف یعنی (نعمانَ) پڑھا جائے تو مذکورہ خرابی لازم آجائیگی یعنی سلاست اور روانگی ختم ہو جائے گی۔

دوسرا موقع

أو للتناسب: غیر منصرف کو منصرف پڑھنے کی دوسری وجہ تناسب ہے، تناسب کا مطلب یہ ہے کہ فصیح کلام میں اسم منصرف کے جوار میں کوئی اسم غیر منصرف بھی واقع ہو، تو غیر منصرف کو اسم منصرف کے جوار میں واقع ہونے کی وجہ سے (صحبت صالح ترا صالح کند کا مصداق بنا کر) منصرف پڑھنا جائز ہے، مثلاً فرمان باری تعالی ہے ﴿إنا أعتدنا للكافرين سلاسلاً وأغلالاً وسعيراً﴾ دیکھیئے اس میں ﴿سلاسلَ﴾ خود غیر منصرف ہے لیکن ﴿اغلالاً﴾ کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے منصرف لکھا گیا ہے۔

﴿سلاسلَ کا أغلالاً﴾ کے ساتھ مناسبت لفظی اور معنوی دونوں طرح کی ہے، لفظی تو اس طرح ہے کہ یہ دونوں اکثر طور پر ایک ساتھ آتے ہیں، اور معنوی یہ کہ ﴿سلاسلَ﴾ بمعنی زنجیر کے ہے اور ﴿اغلالاً﴾ بمعنی طوق کے ہے اور یہ دونوں چیزیں مجرم کے لئے برائے سزا استعمال کی جاتی ہیں۔

چوتھی بات: اُن اسباب کی وضاحت جو دو کے قائم مقام ہیں

وما یقوم مقامهما الجمع و ألفا التأنیث: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسباب منع صرف میں سے دو سبب ایسے ہیں کہ اگر کسی اسم میں ان دونوں میں سے ایک بھی پایا جائے تو اس کی وجہ سے وہ اسم غیر منصرف پڑھا جائے گا کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک دو کے قائمقام ہے، ایک (تانیث بالالف) یعنی الف ممدودہ اور الف مقصورہ، دوسرا جمع منتہی الجموع۔

تانیث بالالفکو دو سببوں کے قائمقام اس لئے بنایا گیا ہے کہ ایک تو اس کے اندر تانیث ہے دوسرا لزوم تانیث، یعنی ایک تو اس کا صرف تانیث کے لئے ہونا اور دوسرا اس سے تانیث کا کبھی جدا نہ ہونا، یعنی لزوم تانیث دوسرے ایک مستقل تانیث کے حکم میں ہیں تو گویا کہ دو اس میں دو تانیث پائے گئے۔

اور جمع منتہی الجموعکو بھی اس لئے دو سببوں کے قائمقام بنایا گیا کہ اس میں جمع کا تکرار ہوتا ہے خواہ وہ تکرار حقیقتاً ہو جیسے (اکالبُ) جمع ہے (اکلب) کی، اور (اکلب) جمع ہے (کلب) کی، اسی طرح (اساور) جمع ہے (أسورة) کی، اور (اسورة) جمع ہے (سوارٌ) کی، یا وہ تکرار حکماً ہو یعنی حقیقت میں میں اس میں جمع مکرر نہ ہو لیکن منتہی الجموع کے وزن پر آنے کی وجہ سے اس کو جمع الجمع کا نام دیا گیا ہو جیسے (مساجد اور مصابیح) وغیرہ، تو گویا کہ اس کے اندر جمع مکرر پائی گئی اور ہر جمع مستقل ایک سبب کے درجے میں ہے تو اس میں بھی گویا کہ دو سبب پائے گئے۔

☆☆☆

درس (۱۸)

عدل کی تعریف اور اس کی قسمیں

فالعدل خروجه عن صيغته الأصلية تحقيقاً كثُلاث ومَثلث، وأُخَرَ وجُمَعَ، أو تقديراً كعُمَرَ، وباب قَطَامِ في تميم.

ترجمہ: پس عدل (کے معنی یہ ہے کہ) اسم کا نکلنا اپنے اصلی صیغے سے چاہے حقیقی طور پر ہو جیسے (ثُلاث ومَثلث، اور أُخَر وجُمَع)، یا فرضی طور پر ہو جیسے عُمَر، اور (قطام) کا وزن بھی بنو تمیم کی لغت میں۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) عدل کی وجہ تقدیم۔ (۲) عدل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۳) خروجه کی ضمیر کا مرجع اور تعریف میں فوائد وقیود (۴) عدل کی قسمیں۔

پہلی بات: عدل کی وجہ تقدیم

اسباب منع صرف کو شعر میں اجمالی طور پر بیان فرما کر اب تفصیل میں عدل کو اس لئے مقدم فرمایا کہ وہاں اجمال میں یہ مقدم تھا تو اس کی مناسبت سے یہاں بھی اس کو مقدم فرمایا۔

دوسری وجہ یہ ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ عدل بمنزلہ مطلق کے ہے یعنی غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے اس کے ساتھ کوئی قید نہیں ہے، جبکہ اس کے علاوہ تمام اسباب بمنزلہ مقید کے ہیں اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ کوئی نہ کوئی قید اور شرط ضرور ہے، تو گویا کہ مطلق کو مقید پر مقدم فرمایا؛ کیونکہ اصول ہے کہ مطلق کو مقید پر مقدم کیا جاتا ہے۔

دوسری بات: عدل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

عدل کے لغوی معنی بہت ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) اگر اس کے صلہ میں (عَنْ) ہو تو اس کا معنی ہوگا اعراض کرنا جیسے (صَلُحَ زيدٌ فعدلَ عن المعاصي)۔

(۲) اور اگر اس کے صلہ میں (إلـــى) ہو تو اس کا معنی ہوگا رجوع کرنا جیسے (المسافر عدل إلى بيته)۔

(۳) اور اگر اس کے صلہ میں (مِنْ) ہو تو اس کا معنی ہوگا دور ہونا جیسے (عدل الجمَّال من البعير)۔

(۴) اور اگر اس کے صلہ میں (فِيْ) ہو تو اس کا معنی ہوگا عدل وانصاف کرنا جیسے عدل عمروٌ في حكمه۔

(۵) اور اگر اس کے صلہ میں (بَيْنَ) ہو تو بھی اس کا معنی ہوگا انصاف اور برابری کرنا جیسے (عدل سعيدٌ بين أزواجه)۔ (كما في تقرير الكافية)۔

اور اصطلاحی معنی صاحب کافیہ یہ بیان کرتے ہیں کہ (خروجه عن صيغته الأصلية تحقيقاً كثلاث ومثلث وأخر وجمع، أو تقديرا كعمر) اور دوسرے عام علما نحو نے اس کی تعریف اس طرح بیان فرمائی ہیں (خروجه عن صيغته الأصلية إلى صيغة أخرى تحقيقاً كان أو تقديراً مع بقاء المادة الأصلية بلا قاعدة نحوية وقانون صرفيٍّ) یعنی اسم کا اپنی اصلی صورت کو چھوڑ کر کسی دوسری صورت کی طرف بغیر نحوی اور صرفی قاعدہ کے منتقل ہو جانا، چاہے اس کا یہ نکلنا حقیقتاً ہو جیسے (ثلث اور مثلث اور أخر اور جمع)، یا تقدیراً یعنی فرضی طور پر ہو جیسے (عمر زفرُ وغیرہ)، بشرطیکہ مادہ اصلیہ یعنی حروف اصلی اس کے برقرار رہوں۔

تیسری بات: خروجه کی ضمیر کا مرجع اور تعریف میں فوائد وقیود

خروجه: اس کی ضمیر کا مرجع اسم ہے، ماقبل میں اسم اگرچہ لفظوں میں مذکور نہیں ہے لیکن یہ بحث اور مقام خود ہی اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کا مرجع اسم ہے، اس لئے کہ یہ بحث اسم ہی کا چل رہا ہے۔

خروجه عن صیغته: صاحب کتابؒ نے عدل کی تعریف میں (خروجه) کے ساتھ (صیغته) کی قید لگائی ہے اس سے یہ معلوم ہوا کہ تغیر صرف صیغہ میں ہوگا اس کے علاوہ مادہ اور حروف اصلی اپنی حالت پر رہیں گے، لہٰذا اس قید سے وہ اسماء خارج ہو جائیں گے جن میں صیغہ کے ساتھ مادہ بھی بدل جاتا ہو، جیسے (یدٌ اور دمٌ) جو کہ اصل میں (یدوٌ اور دموٌ) تھے۔

پھر جب (صیغته) کی اضافت ضمیر کی طرف فرمائی تو مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنے ہی صیغے سے نکلا ہوا ہو، لہٰذا اس سے اسماء مشتقہ خارج ہو گئے؛ کیونکہ وہ اپنے صیغوں سے نہیں بلکہ اسم مصدر سے نکلتے ہیں۔

اور (الأصلیة) کی قید سے مغیرات شاذہ نکل گئے، جیسے (أقوس اور أنیب) جو جمع ہیں (قوسٌ اور نابٌ) کی، حالانکہ قاعدہ کے موافق ان کا صیغہ اصلی (أقواسٌ اور أنیابٌ) ہونا چاہئے تھا، اس لئے کہ اجوف کے لئے قاعدہ ہے کہ اس کی جمع (أفعالٌ) کے وزن پر آتی ہے، جیسے قومٌ سے أقوامٌ اور قولٌ سے أقوالٌ۔

چوتھی بات: عدل کی قسمیں

تحقیقاً... أو تقدیراً: یہاں مصنف علامؒ نے اشارہ فرمایا کہ عدل کی دو قسمیں ہیں: عدل تحقیقی اور عدل تقدیری۔

عدل تحقیقی اسے کہتے ہیں جس میں کسی اسم کے معدول عنہ پر اس کے غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ کوئی خارجی دلیل بھی پائی جا رہی ہو، جیسے اس کے لئے مصنف علامؒ نے چار

مثالیں پیش فرمائی ہیں:

(۱=۲) ثلٰثُ اور مثلثُ: یہ دونوں غیر منصرف ہیں وصف اور عدل تحقیقی کی وجہ سے، ان میں عدل کا ہونا ایک تو ہم نے اس کے غیر منصرف ہونے کی وجہ سے مان لیا، جبکہ اس کے علاوہ خارج میں ہمارے پاس دلیل بھی موجود ہے، وہ یہ کہ ثلث اور مثلث دونوں میں سے کسی کا بھی کسی بھی زبان میں ترجمہ کرنا ہو تو اس میں آپ دیکھیں گے کہ اس میں تکرار آرہا ہوگا، جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع﴾ ، پس نکاح کرو تم ان عورتوں سے جو تمہیں بھلی لگے، دو دو کے ساتھ، اور تین تین کے ساتھ، اور چار چار کے ساتھ۔

ملاحظہ کیجئے یہاں الفاظ میں تکرار کوئی نہیں لیکن معنی میں تکرار آرہا ہے، اور قاعدہ ہے کہ (إنَّ تکرار المعنی یدل علی تکرار اللفظ) اس سے معلوم ہوا کہ مثنی اصل میں اثنان اثنان اور ثلث اصل میں ثلثة ثلثة اور ربعُ اصل میں أربعةٌ أربعةٌ تھے، تو گویا کہ اس کے غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ بھی ہمارے پاس دلیل پائی گئی۔

فائدہ: یادرہے کہ یہ ثلث مثلث ربع وغیرہ جب ترکیب میں واقع ہوں تو یہ یا تو موصوف کے لئے صفت واقع ہونگے، یا ذوالحال کے لئے حال یا مبتداء کے لئے خبر، جیسے جاء القوم رُبعَ، أی: أربعةً أربعةً وذهبوا أُحادَ، أی: واحداً واحداً، یعنی آئی میرے پاس قوم درانحالیکہ وہ چار چار مل کر آئے پھر واپس چلی گئی درانحالیکہ وہ ایک ایک ہو کر چلا گیا۔

(۳) اُخرُ: یہ بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے، اس کے معدول عنہ پر خارج میں ہمارے پاس دلیل یہ ہے کہ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے جو (أخری) اسم تفضیل المؤنث کی جمع ہے جیسا کہ (ضُرَبٌ ضُربی اور فتحٌ فتحی) کی جمع ہے، اور اسم تفضیل کے بارے میں ہم نے نحو میر میں یہ قاعدہ پڑھا تھا کہ اس کے استعمال کے تین طریقے ہیں:

(۱) مِنْ کے ساتھ جیسے زیدٌ أعلم من عمرو.

(۲) الف لام کے ساتھ جیسے جاء نی زید الأفضل.

(۳) اضافت کے ساتھ جیسے مکة والمدینة أشرفا المدن۔

لیکن یہاں جب ہم نے دیکھا تو یہ ان تینوں طریقوں میں سے کسی طریقے پر بھی مستعمل نہیں ہے، اور پھر بھی عرب کہتے ہیں کہ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے تو لازماً ہمیں ماننا پڑا کہ یہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت سے معدول ہو کر آیا ہوگا، تو یہاں بھی غیر منصرف کے علاوہ دسری دلیل پائی گئی۔

(۴) جمعُ: صاحب کتابؒ نے عدل تحقیقی کی یہ چوتھی مثال پیش فرمائی ہیں، چنانچہ اس کے معدول عنہ پر ہمارے پاس خارج میں دلیل یہ ہے کہ یہ (جمعاءُ) بروزن (فعلاء) کی جمع ہے، اور (فعلاء) کی دو قسمیں ہیں: اسمی اور صفتی:

اسمی کا مطلب یہ ہے کہ اس وزن پر آنے والا کلمہ یا تو اسم جامد ہوگا یا کسی کا نام ہوگا جیسے (صحراء)، اور صفتی کا مطلب یہ ہے کہ اس وزن پر آنے والے کلمہ میں صفت کا معنی پایا جائے جیسے (حمراء)۔

اور قاعدہ یہ ہے کہ (فعلاء) اسمی کی جمع بروزن (فعالی) یا (فعلاواتٌ) آتی ہے جیسے (صحراء) کی جمع (صَحْرَاوَاتٌ) اور (صَحَارَی) آئی ہیں، اور (فعلاء) صفتی کی جمع بروزن (فُعْلٌ) آتی ہے جیسے (حمراء) کی جمع (حُمْرٌ) آئی ہے، تو گویا کہ وزن (فعلاء) کی جمع کے تین اوزان متعین ہو گئے جبکہ (جُمَعُ) ان تینوں میں سے کسی ایک وزن پر بھی نہیں ہے، اور پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ یہ (جمعاءُ) کی جمع ہے تو لازماً ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ (فعالی، فعلاواتٌ اور فعلٌ) میں سے کسی ایک وزن سے معدول ہو کر آیا ہوگا۔

أو تقدیراً: یہ عدل کی دوسری قسم عدل تقدیری ہے، اس کی تعریف یہ ہے کہ کسی معدول عنہ کلمہ پر اس کے غیر منصرف پڑھنے کے علاوہ ہمارے پاس خارج میں کوئی دلیل نہ پائی جائے بلکہ صرف فرضی طور پر اس میں عدل مان لیا گیا ہو جیسا کہ اس کے نام (تقدیری) سے ہی ظاہر ہو رہا ہے۔

صاحب کتابؒ نے عدل تقدیری کی مثال (عُمَرُ) دی ہیں، اس میں تفصیل یہ ہے کہ عرب حضرات اس کو غیر منصرف پڑھ رہے تھے، لیکن جب ہم نے اس میں اسباب منع صرف تلاش کرنے شروع کئے تو بجز معرفہ کے ہمیں اور کوئی سبب نہیں ملا، اور پھر بھی عرب حضرات اس کو غیر منصرف پڑھ رہے تھے تو مجبوراً ہمیں ماننا پڑا کہ چلو اس میں ایک عدل بھی ہے وہ اس طرح کہ یہ (عامرٌ) سے معدول ہو کر آیا ہوگا۔

تحقیقاً...أو تقدیراً: اس کی ترکیب میں چند احتمالات ہیں:

(۱) **خروجه** کی نسبت جو ضمیر کی طرف ہو رہی ہے اس میں ابہام ہے تو اس نسبت اضافیہ کے ابہام کو دور کرنے کے لئے بطور تمیز کے یہ لائے گئے ہیں۔

(۲) یہ دونوں (**کَانَ**) محذوف کی خبریں ہیں، اس صورت میں عبارت یوں ہوگی: **تحقیقاً کان الخروج أو تقدیراً**.

(۳) یہ فعل محذوف کے لئے مفعول مطلق ہیں، اس صورت میں عبارت یوں ہوگی: **حقق العدل تحقیقاً أو قدر العدل تقدیراً**۔

(۴) یہ **خروجه** سے حال واقع ہو رہے ہیں۔

وباب قطام فی تمیم: قطامِ عدل تقدیری کی دوسری مثال ہے اس کیا صل پر بھی (عمرُ) کی طرح خارج میں کوئی دلیل نہیں پائی جا رہی، بس ہم نے ایسے فرض کر لیا ہے کہ یہ (قاطمةٌ) سے معدول ہو کر آیا ہے۔

قطام کے ساتھ باب کا لفظ لگا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ اس کا مقصد صرف (قطام) والا کلمہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہر وہ اسم ہے جو (فعالِ) کے وزن پر ہو اور أعیان مؤنثہ (عورتوں میں سے کسی) کا نام ہو بشرطیکہ اس کے لام کلمہ میں راء نہ ہو، تو بنی تمیم کے ہاں عدل تقدیری اور معرفہ کی وجہ سے یہ بھی معرب ہوگا اور غیر منصرف ہوگا۔

فائدہ: ہدایۃ النحو میں اسماء افعال کے بحث میں آپ حضرات نے یہ بات پڑھی ہے کہ (قطام، فعالِ) کے وزن پر ہے اور اس وزن فعال کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وزن فَعَالِ امر کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے (نزال بمعنی انزل) یعنی اتر جاؤ۔

(۲) وزن فَعَالِ مصدر معرفہ کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے (فجار بمعنی الفجور) یعنی گناہ کرنا۔

(۳) وزن فَعَالِ یہ مؤنث کی صفت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے (فساقِ بمعنی فاسقة) یعنی نافرمانی کرنی والی عورت۔

(۴) وزن فَعَالِ اعیان (یعنی عورتوں کے ناموں) کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے (قطام، غلابِ، حضارِ)۔

درس (۱۹)

غیر منصرف کے دوسرے سبب وصف کا بیان

الوصف شرطه أن يكون في الأصل، فلا تضره الغلبة، فلذلك صُرف أربعٌ في مررتُ بنسوةٍ أربعٍ، وامتنع أسودُ وأرقمُ للحية وأدهمُ للقيد، وضعف منع أفعى للحية، وأجدلُ للصَّقر، وأخيلُ للطائر.

ترجمه: وصف کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ اصل وضع کے اعتبار سے ہی وصف ہو، پس غلبہ اسمیت اس کے لئے مضر نہیں ہوگا، اس لئے (مررتُ بنسوةٍ أربعٍ) میں (أربعٌ) منصرف ہے، اور (أسود، أرقمُ، أدهمُ) غیر منصرف ہیں، اور ان تینوں (أفعى، وأجدلُ، وأخيلُ) کا غیر منصرف ہونا کمزور ہے۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) وصف کا لغوی اور اصطلاحی معنی۔

(۲) وصف کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرط۔

(۳) شرط مذکور کی وجہ۔ (۴) مذکورہ شرط پر تفریعات کی وضاحت۔

پہلی بات: وصف کا لغوی اور اصطلاحی معنی

وصف کا معنی صاحب کافیہ نے اگرچہ بیان نہیں کیا ہے لیکن اتماماً للفائدہ یہاں سمجھ لیں کہ اس کا لغوی معنی یہ ہے: (المعنی القائم بالغیر سواءٌ دلَّ علی کماله أو علی نقصه، أی: علی مدحه أو علی ذمه)۔

اور اصطلاح نحو میں وصف کہتے ہیں: (کون الاسم دالاً علی ذاتٍ مبهمةٍ مأخوذةٍ مع بعض صفاتها، سواء کانت هذه الدّلالة بحسب الوضع أو بحسب الاستعمال).

یعنی کسی اسم کا ذات مبہمہ کے بعض صفات پر دلالت کرنا چاہے وہ دلالت اصل وضع کے اعتبار سے ہو یا بعد میں صفت کے معنی میں استعمال ہونے کی وجہ سے ہو، جیسے اسماء مشتقہ۔

دوسری بات: وصف کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرط

وصف بھی اسباب منع صرف میں سے ایک سبب ہے لیکن یہ اس کے لئے مؤثر سبب تب بنے گا جب یہ اپنے اصل وضع کے اعتبار سے وصف کے لئے وضع کیا گیا ہو، لہٰذا ہر ایسا اسم جس کی اصل وضع صفت کے لئے نہ ہو پھر بعد میں اگرچہ صفت کے طور پر استعمال کیا جائے تو وہ اگرچہ وصف تو ہوگا لیکن غیر منصرف کے لئے سبب نہیں بن سکے گا، ہاں وہ اسم جس کو واضع نے وصف کے لئے وضع کیا ہو بعد میں اگرچہ اس پر علمیت غالب بھی آجائے اور معنی صفت اس میں ماندھ پڑ جائے پھر بھی یہ غیر منصرف کا سبب بنے گا، اور علمیت کا اس میں غالب آجانا کوئی مضر نہیں ہوگا، اس لئے کہ اعتبار اصل وضع کا ہوتا ہے جیسے (أجملُ) یہ اصل میں وصف یعنی خوبصورتی کے لئے وضع ہوا تھا لیکن بعد میں اس پر علمیت غالب آگئی، لہٰذا اب یہ وصف اصلی اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف بنے گا، نہ کہ وصف اور علمیت کی وجہ سے اس لئے کہ آپ لوگوں نے ہدایۃ النحو میں یہ قاعدہ پڑھا ہے کہ علمیت اور وصفیت

سبب مؤثر بن کر کہیں جمع نہیں ہوسکتے (کما سیأتی بعد سطور فی کتابنا هذا أیضًا)۔

تیسری بات: شرط مذکور کی وجہ

وصف کے لئے مذکورہ شرط اس لئے لگائی کہ اسماء میں انصراف اصل ہوتا ہے اور عدم انصراف فرع، لہٰذا ان کو اپنے اصل سے نکال کر فرع کی طرف لیجانے کے لئے کسی طاقت ور سبب کی ضرورت ہوتی ہے، اور وصف طاقت ور سبب تب بنے گا جب اس میں اصل وضع کے اعتبار سے وصف ہو، نہ کہ اس وقت جب اس میں وصف عارضی اور الحاقی ہو۔

چوتھی بات: مذکورہ شرط پر تفریعات کی وضاحت

علامہ ابن حاجبؒ نے (فلذلک) کے شروع میں فاء تفریعیہ اور لام تعلیلیہ لاکر (شرطه أن یکون فی الأصل اور فلا تضره الغلبة) دونوں اصولوں کو (المذکور) کی تاویل میں لیکر تین قسم کی تفریعات ذکر فرمائی ہیں:

(۱) صُرف أربعٌ: اس کے بارے میں فرمایا کہ یہ منصرف ہے اس لئے کہ ہم نے شرط لگائی تھی کہ (أن یکون فی الأصل) اور اصل کے اعتبار سے وصف وہ کہلاتا ہے جو ذات مبہمہ پر دلالت کررہا ہو، جبکہ (أربع) تو ایک شیءِ معین یعنی (ما بین الثلاثة والخمسة) والی عدد پر دلالت کررہا ہے، لہٰذا یہ (مررت بنسوة أربع) میں اگرچہ برائے وصف ہے لیکن یہ وصف عارضی اور الحاقی ہے، لہٰذا یہ غیر منصرف کے لئے سبب نہیں بن سکتا اس لئے کہ اب اس میں صرف ایک سبب یعنی وزن فعل رہ گیا ہے جو اکیلے دو کا قائمقام بھی نہیں ہے تو اس لئے (أربعٌ) اپنے اصل یعنی انصراف پر قائم رہے گا۔

(۲) وامتنع أسود وأرقم للحیة وأدهم للقید: ان تینوں کے بارے میں فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اصل کے اعتبار سے صفت کے لئے وضع ہوا ہے، یعنی (أسود) کی وضع کالے رنگ اور (أرقمُ) کی چتکبرے (کالے اور سفید) اور (أدهم)

کی سخت کالے رنگ کے لئے ہوئی ہے، پھر بعد میں اگر چہ یہ نام پڑ گئے ہیں اور علمیت ان کے معنی وصفیت پر غالب آ گئی ہے، اس لئے کہ جب بھی یہ اسماء بولے جاتے ہیں تو سامع کی توجہ فوراً کالے اور چتکبرے سانپ اور کالے رنگ کی زنجیر کی طرف چلی جاتی ہے، لیکن پھر بھی علمیت کا یہ غالب آ جانا کوئی مضر نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ان میں وصفیت قبل العلمیت سبب بن رہی تھی وہ اب بھی سبب بنے گی، لہٰذا یہ تینوں اسماء وزن فعل اور وصف اصلی کی وجہ سے غیر منصرف ہو گئے نہ کہ علمیت اور وزن فعل کی وجہ سے۔

فائدہ: علمیت اور غلبہ علمیت میں فرق یہ ہے کہ غلبہ علمیت سے معنی وصفی بالکل ختم نہیں ہوتے، جبکہ علمیت سے معنی وصفی بالکل ختم ہو جاتے ہیں، اسی وجہ سے صاحب (هداية النحو) وصف کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: (فلا يجتمع مع العلمية أصلاً)۔

(۳) وضعف منع أفعى للحية، وأجدل للصقر، وأخيل للطّائر:

یعنی (أفعى، أجدل، اور أخيل) ان تینوں کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہے اس لئے کہ ان تینوں کے اصل وضع کے اعتبار سے وصفیت میں اختلاف ہے، بعض کے ہاں ان میں وصف اصلی ہے وہ اس طرح کہ (أفعى، فعوةٌ بمعنی ہر خبیث چیز) سے مشتق ہے، پھر بعد میں سانپ کا نام پڑ گیا، اور (أجدلُ، جدلٌ بمعنی (قوت اور طاقت) سے مشتق ہے، پھر بعد میں شکرہ نام کے ایک پرندے کا نام پڑ گیا، اسی طرح (أخيل، خيلانٌ) (بمعنی سیاہ نقطہ دار چیز) سے مشتق ہے پھر بعد میں ایک سبز رنگ کے پرندے کا نام پڑ گیا جس میں کچھ دھبے ہوتے ہیں، تو ان علماء کے ہاں یہ تینوں وزن فعل اور وصفیت کی وجہ سے غیر منصرف ہیں، جبکہ دیگر علماء نحو ان اسماء کو مذکورہ اسماء سے مشتق نہیں مانتے، اس لئے ان کے ہاں یہ سب منصرف ہونگے۔

چنانچہ علامہ ابن حاجبؒ نے ان ہر دو جماعتوں کے درمیان بطور حَکم کے یہ فیصلہ فرمایا کہ چونکہ دونوں طرف علماء نحو کے اقوال ہیں، اور دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح فرما رہے ہیں،

لیکن اسماء میں چونکہ انصراف اصل ہے اور عدم انصراف فرع، تو ان کو اپنے اصل پر چھوڑ کر قائلین غیر منصرف کے قول کو ضعیف قرار دیدیا۔

فائدہ: مذکورہ تین تفریعات کو مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لو کہ وہ اسماء جن میں معنی وصفیت پائی جاتی ہے ان کی تین قسمیں ہیں:

(۱) ایسے اسماء کہ اصل وضع سے ان میں معنی وصفیت نہ ہو بلکہ بعد میں آ گیا ہو جیسے (أربعٌ) تو ایسے اسماء بالاتفاق منصرف ہونگے۔

(۲) ایسے اسماء کہ اصل وضع سے ہی ان میں معنی وصفیت ہو جیسے (أسود أرقم اور أدهم) تو ایسے اسماء بالاتفاق غیر منصرف ہونگے۔

(۳) ایسے اسماء کہ ان میں اختلاف ہو یعنی بعض علماء کے ہاں اصل وضع سے ہی ان میں معنی وصفیت ہو جبکہ بعض کے ہاں ان میں اصلی نہ ہو بلکہ عارضی اور الحاقی ہو جیسے (أفعى، أجدل اور أخيل) تو ایسے اسماء کا غیر منصرف ہونا ضعیف ہوگا اس لئے کہ اسماء میں اصل انصراف ہوتا ہے۔

درس (۲۰)

غیر منصرف کے تیسرے سبب: تانیث کا بیان

التأنيث بالتاء شرطه العلمية، والمعنوي كذلك، وشرط تحتم تأثيره الزيادة على الثلاثة أو تحرك الأسط أو العجمة، فهندٌ يجوز صرفه، وزينبُ وسقَر وماه وجورُ ممتنعٌ، فإن سُمِّيَ به مذكرٌ فشرطه الزيادة على الثلاثة، فقدمٌ منصرفٌ وعقربُ ممتنعٌ.

ترجمہ: تانیث بالتاء اس کی شرط علمیت ہے، اور تانیث معنوی بھی اسی طرح ہے، اور اس کے حتمی اور وجوبی طور پر غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ

زائد علی الثلاثہ ہو یا (اگر اس طرح نہ ہوتو) متحرک الاوسط ہو، (اگر یہ بھی نہ ہوتو کم از کم) عجمہ (تو) ہو، اسی وجہ سے (ھندٌ) کا منصرف پڑھنا بھی جائز ہے، اور (زینب، سقر، اور ماہ اور جور) سب غیر منصرف ہیں، پھر اگر تانیث معنوی کے ذریعے کسے مذکر کا نام رکھا جائے تو پھر اس کے سبب مؤثر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ زائد علی الثلاثہ ہو، پس یہی وجہ ہے کہ (قدمٌ) منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہونگیں:

(۱) تانیث کی قسمیں۔

(۲) دونوں قسموں کی غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط۔

(۳) شرائط کی وجہ۔

پہلی بات: تانیث کی قسمیں

غیر منصرف کا تیسرا سبب تانیث ہے اس کی دو قسمیں ہیں: تانیث لفظی اور تانیث معنوی۔

تانیث لفظی وہ اسم ہے جس میں تانیث کی کوئی علامت پائی جائے جیسے (حمراء، حبلی، فاطمۃ اور حمزۃ) اور تانیث معنوی وہ اسم ہے جس میں کوئی علامت تانیث نہ ہو البتہ اس میں تاء مقدرہ (حقیقی طور پر یا حکمی طور پر) پائی جاتی ہو جیسے (الأرض اور زینبُ)۔

دوسری بات: تانیث کی دونوں قسموں کیلئے شرطیں

تانیث الفی یعنی الف ممدودہ اور مقصورہ کے لئے تو کوئی شرط نہیں بلکہ وہ ہر صورت میں غیر منصرف کے لئے سبب بنیں گے، لیکن یہاں جو تانیث بالتاء کا بیان ہے ان کے لئے علامہ ابن حاجبؒ فرماتے ہیں (شرطہ العلمیۃ والمعنوی کذلک) کہ تانیث بالتاء کے دونوں قسموں میں علمیت ہوتو یہ غیر منصرف کے لئے سبب بنے گی ورنہ نہیں، البتہ دونوں

میں فرق یہ ہے کہ تانیث لفظی میں شرط پائی جائے تو اس کا غیر منصرف پڑھنا واجب ہوگا، جبکہ تانیث معنوی میں اگر پائی جائے تو اس کا غیر منصرف پڑھنا واجب نہیں بلکہ صرف جائز ہوگا، اس لئے صاحب کتابؒ نے اس کے لئے الگ عبارت لاکر (والمعنوی کذلک) فرمایا اور (شرطهما العلمية) نہیں کہا۔

وشرط تحتم تأثيره: فرمارہے ہیں کہ تانیث معنوی کے اثر کو یقینی اور وجوبی بنانے کے لئے شرط یہ ہے کہ علمیت کے ساتھ ساتھ وہ اسم (زائد علی الثلاثة) بھی ہو جیسے (زینبُ، سعادُ اور کلثومُ) وغیرہ، یا اگر (زائد علی الثلاثة) نہ ہو تو (متحرک الأوسط) ہو جیسے (سَقَرُ) جو جہنم کے ایک طبقے کا نام ہے، اور اگر (متحرک الأوسط) بھی نہ ہو تو کم از کم وہ عجمہ تو ضرور ہو جیسے (ماہ اور جورُ) جو دو شہروں یا قلعوں کے نام ہیں۔

غرض ان تینوں شقوں میں سے کوئی بھی شق اس (تانیث معنوی) میں پائی جائے تو وجوبی طور پر یہ غیر منصرف کا سبب بن جائے گا، ورنہ تو صرف جوازی طور پر بنے گا۔

ھِنْدٌ: میں مذکورہ شرط کے تین شقوں میں سے کوئی شق نہیں پائی جاتی لہٰذا اس کا غیر منصرف پڑھنا صرف جائز ہوگا واجب اور ضروری نہیں ہوگا۔

فإن سُمِّيَ به مذكرٌ فشرطه الزيادة على الثلاثة: فرماتے ہیں کہ تانیث معنوی کے ذریعے اگر کسی مذکر کا نام رکھدیا جائے تو اس کے غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے مذکورہ بالا شرط کے تین شقوں میں سے متعینہ طور پر صرف (زائد علی الثلاثة) ہونے کی شرط ہے جیسے (عقربُ اور زینبُ) اگر آدمیوں کے نام رکھے جائے تو یہ تو غیر منصرف ہونگے کیونکہ جس طرح پہلے غیر منصرف تھے اب بھی مذکورہ شرط اس میں پائی جارہی ہے، لیکن اگر (قَدَمٌ) کسی مذکر کا نام رکھا جائے تو وہ اگرچہ پہلے غیر منصرف تھا اس لئے کہ اس میں تانیث اپنی شرط (متحرک الاوسط) کے ساتھ پائی جارہی تھی، لیکن اب یہ منصرف ہو جائے گا اس لئے کہ اب شرط بغیر مشروط (تانیث) کے رہ گئی۔

تیسری بات: شرائط مذکورہ کی وجہ

تانیث بالتاء کے لئے علمیت کی شرط اس لئے لگائی کہ اس میں جو تاء ہے وہ حرف زائد ہے، اور زائد حرف کو زوال کا خطرہ لاحق ہوتا ہے، تو اس خطرہ سے بچانے کے لئے اس کے ساتھ علمیت کی شرط لگائی (لأن الأعلام تکون محفوظة عن التغیر بقدر الإمکان) یعنی اعلام تغیر اور تبدل سے بقدر امکان محفوظ رہا کرتے ہیں۔

اور تانیث معنوی کے لئے مذکورہ شرط کے علاوہ یہ دوسری شرط (زائد علی الثلاثة) اس لئے لگائی تا کہ اس میں کچھ ثقل اور مضبوطی پیدا ہو جائے، مثلاً (زائد علی الثلاثة) والے اسم میں چوتھا حرف تاء تانیث کے قائمقام ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تصغیر نکالتے وقت اس میں تاء نہیں آتی جیسے (زینبُ) کی تصغیر (زُوَینَبُ) آتی ہے، جبکہ وہ اسم جو (زائد علی الثلاثہ) نہ ہو تو اس کے تصغیر میں تاء آتی ہے جیسے (قدمٌ) کی تصغیر (قُدَیمَةٌ) آتی ہے۔

اور متحرک الاوسط ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اگرچہ یہ (زائد علی الثلاثة) تو نہیں ہے لیکن اس کا متحرک الأوسط ہونا گویا کہ حرف رابع کا قائمقام ہے، اور عجمہ کی شرط بھی محض اس میں ثقل پیدا کرنے کے لئے لگائی گئی ہے۔

تانیث معنوی جب مذکر کا نام ہو تو اس میں بھی (زائد علی الثلاثة) کی شرط اس لئے لگائی کہ مذکر کے نام پڑنے کی وجہ سے اس سے بظاہر اگرچہ تانیث ختم ہوگئی لیکن اس کا قائمقام حرف رابع تو موجود ہوگا۔

درس (۲۱)

غیر منصرف کے چوتھے سبب (معرفہ) کا بیان

المعرفة شرطها أن تكون علميةً.

ترجمہ: معرفہ، اس کی شرط یہ ہے کہ وہ علمیت ہو۔

تشریح: مذکورہ مختصری عبارت میں صرف دو مختصری باتیں ہیں:

(۱) معرفہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی۔

(۲) اس کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرط اور اس کی وجہ۔

پہلی بات: معرفہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی

معرفہ کا لغوی معنی ہے حقیقت کو پالینا، اور اصطلاح میں اس کا معنی یہ ہے کہ (هی اسمٌ وضع لشیءٍ معین) یعنی معرفہ وہ اسم ہے جو ایک خاص معین چیز کے لئے وضع کیا گیا ہو چاہے وہ معین چیز ذوالعقول میں سے ہو جیسے زیدٌ عمرٌ بکرٌ اور چاہے غیر ذوالعقول میں سے ہو جیسے الکتاب القلم وغیرہ۔

دوسری بات: معرفہ کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرط اور اس کی وجہ

معرفہ غیر منصرف کے لئے سبب مؤثر تب بنے گا جب اس میں علمیت پائی جائے، اور معرفہ کی سات قسموں میں سے صرف علمیت کو اس لئے خاص کیا گیا کہ اس کے علاوہ جتنی قسمیں ہیں وہ غیر منصرف بن نہیں سکتی، مثلاً پہلی تین قسمیں مضمرات اسماء اشارات اور اسماء موصولات تو مبنی ہیں، اور ہمارا بحث معرب سے ہے مبنی سے نہیں ہے لہٰذا وہ تینوں قسمیں خارج ہوگئیں، اور معرف باللام اور مضاف کی وجہ سے تو غیر منصرف بھی منصرف بن

جاتے ہیں چہ جائیکہ وہ غیر منصرف کے لئے سبب بننے کا کام انجام دیدے، ورنہ یہ تو چوہوں کی حفاظت بلی سے کرانے کے مترادف ہوگا، اور معرفہ بنداء بھی معرف باللام کے حکم میں ہے، کیونکہ (یارجل) کامعنی (یاأیھا الرجل) ہی ہے، باقی صرف اعلام ہی رہ گئے تو اس لئے صرف اسی کو خاص فرمایا۔

اگر کوئی سوال کرے کہ یہاں معرفہ کو سبب بنا کر علم کو اس کے لئے شرط قرار دیا گیا ہے تو اس کا برعکس کیوں نہیں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال ہی غلط ہے اس لئے کہ اگر علم کو سبب بنا لیتے تو اس کے لئے معرفہ کی شرط لگانے کا کیا فائدہ، کیونکہ وہ تو پہلے سے معرفہ ہے بلکہ اُعرف ہے۔

اور اگر اس سوال کو صحیح بھی کہا جائے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ غیر منصرف کے سارے اسباب فروعات کے قبیل سے ہیں جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، تو معرفہ کو سبب بنا کر اس کو نکرہ کا فرع کہنا زیادہ ظاہر اور مناسب ہے۔ بجائے اس کے کہ علم کو سبب بنا کر اس کو نکرہ کا فرع کہہ دیا جاتا۔

فائدہ: معرفہ تمام اسباب کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے بجز وصف کے؛ اس لئے کہ وصف ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور معرفہ ذات معین پر۔

درس (۲۲)

غیر منصرف کے پانچویں سبب: عجمہ کا بیان

العجمة شرطها أن تكون علميةً في العجمة وتحرُّك الأوسط أو الزّيادة على الثلاثة، فنوحٌ منصرفٌ، وشترُ وإبراهيم ممتنعٌ.

ترجمہ: عجمہ (اس کے غیر منصرف کے لئے سبب بننے) کی شرط یہ ہے کہ یہ

عجمی زبان میں علم ہو، اور متحرک الأوسط یا زائد علی الثلاثۃ ہو، پس اسی وجہ سے (نوح) منصرف ہے اور (شتر اور ابراہیم) غیر منصرف ہیں۔

تشریح: مذکورہ عبارت میں تین باتیں ہیں:

(۱) عجمہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۲) عجمہ کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط۔

(۳) شرائط کی وجہ۔

پہلی بات: عجمہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

عربی لغت میں عجمہ کا معنی ہے (اللُّکنۃ وعدم إفصاح الکلمۃ) یعنی گونگا پن اور بات کو پوری فصاحت کے ساتھ کہنے کی طاقت نہ رکھنا۔

اور اصطلاح نحو میں عجمہ کہتے ہیں (کون اللفظ غیر عربی) یعنی کسی لفظ کا عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان سے ہونا۔

دوسری بات: عجمہ کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط

عجمہ کا غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ لغت عجم میں کسی کا نام ہو چاہے اس کا نام ہونا حقیقی طور پر ہو جیسے ابراہیم اور اسماعیل، یا حکمی طور پر ہو جیسے قالون، یہ لغت عجم یعنی رومی زبان میں کسی کا نام نہیں تھا بلکہ اسم جنس تھا یعنی ہر اچھی چیز کو رومی زبان والے قالون کہتے تھے، پھر عربی زبان میں آکر عرب نے قراء سبعہ میں سے نافع کا اس کی قراءت کی عمدگی کی وجہ سے نام رکھدیا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم زائد علی الثلاثہ ہو جیسے ابراھیم اس میں علیت اور عجمہ مع اپنی شرط کے پائی جاتی ہیں، اور اگر زائد علی الثلاثہ نہ ہو تو بشرطیکہ وہ متحرک الأوسط ہو جیسے شَتَرُ یہ دیار بکر کے ایک قلعہ کا نام ہے اس میں بھی علیت اور عجمہ مع اپنی شرط یعنی متحرک الأوسط ہونے کے ساتھ پائی جاتی ہیں، اور نوحٌ میں چونکہ پہلی

شرط تو ہے لیکن دوسری شرط کے دونوں شقوں میں سے کوئی شق نہیں پائی جاتی اس لئے یہ منصرف ہے۔

تیسری بات: مذکورہ شرطوں کی وجہ

عجمہ میں غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے یہ دو شرطیں اس لئے لگائی کہ عرب لوگ ہر ثقیل کلمہ میں چاہے وہ عربی کلمہ ہو یا عجمی اس کو آسان بنانے کے لئے ضرور تغیر اور تبدل کرتے رہتے ہیں جبکہ عجمہ کا منع صرف کے لئے سبب بننا صرف اپنے ثقیل ہونے کی وجہ سے ہے، لہٰذا اگر اہل عرب کے تغیر اور تبدل کے بعد اس سے ثقل جاتا رہا تو وہ سبب بننے کے لائق نہیں رہے گا؛ کیونکہ علت جاتی رہی گی، لہٰذا ہم نے یہ شرطیں لگائی تا کہ عجمہ اپنی ثقالت پر باقی رہے اور ہر قسم کے تغیر اور تبدل سے محفوظ رہے۔

درس (۲۴)

غیر منصرف کے چھٹے سبب (منتہی الجموع) کا بیان

الجمع شرطه صيغة منتهى الجموع بغير هاء، كمساجد ومصابيح، وأما فرازنةٌ فمنصرفٌ، وحضاجر علماً للضَّبع غير منصرف لأنه منقولٌ عن الجمع، وسراويل إذا لم يُصرف وهو الأكثر فقد قيل أعجميٌّ حمل على موازنه، وقيل عربيٌّ جمع سروالة تقديراً، وإذا صرف فلا إشكال، ونحو جوارٍ رفعاً وجرًّا كقاضٍ.

ترجمہ: جمع (کے غیر منصرف کے لئے سبب بننے) کی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو بغیر ہاء کے جیسے مساجد اور مصابیح، اور رہا (فرازنة) تو وہ منصرف ہے، اور (حضاجر) جو (بجوں) کا نام ہے یہ غیر منصرف ہے اس لئے کہ یہ جمع سے منقول ہو کر آیا ہے، اور (سراویل) جبکہ غیر منصرف پڑھا جائے اور یہ اسی طرح اکثر غیر منصرف ہی

استعمال ہوتا ہے، پس کہا گیا ہے کہ اس کو اپنے ہم وزن کلمات پر محمول کر کے یہ عجمی ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ عربی کلمہ ہے اور (سـرـوالة) کی تقدیری طور پر جمع ہے، اور جب اس کو منصرف پڑھا جائے تو پھر تو کوئی اشکال ہی نہیں، اور (جـوارٍ) کی طرح کوئی اسم ہو تو حالت رفعی اور جری دونوں میں اس کا اعراب (قاض) کی طرح ہوگا۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) جمع کی تعریف اور اس کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط۔

(۲) جمع منتہی الجموع کی تعریف اور اس کی علامت۔

(۳) شرائط لگانے کی وجہ۔ (۴) دو سوالات مقدرہ اور ان کے جوابات۔

(۵) جوارٍ کی تفصیل۔

پہلی بات: جمع کی تعریف اور اس کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کے شرائط

هی الصّیغة التی تدلُّ علی الثلاثة فما فوقها: یعنی جمع وہ اسم ہے جو تین یا تین سے زیادہ پر دلالت کرے جیسے مسلمون مؤمنون وغیرہ۔

جمع غیر منصرف کے لئے مؤثر سبب تب بنے گا جب اس میں دو شرطیں پائی جائیں ایک وجودی اور ایک سلبی۔

وجودی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو، چاہے حقیقتاً ہو یا حکماً، حقیقتاً کا مطلب یہ ہے کہ واقعی طور پر وہ جمع الجمع ہو مثلاً (کلبٌ) کی جمع (اکلبٌ) ہے اور (اکلبٌ) کی جمع (اکـالیب) ہے، اور حکما کا مطلب یہ ہے کہ واقع میں وہ جمع الجمع نہ ہو بلکہ صرف جمع الجمع کے وزن پر آیا ہو جیسے (عصفورٌ) کی جمع (عصافیر اور مصباحٌ کی جمع مصابیح)۔

دوسری بات: جمع منتہی الجموع کی تعریف اور اس کی علامت

هي الصّيغة التى لا تجمع جمع التّكسير مرة أخرى كأنّ جمعيّتها وصلت إلي الانتهاء.

یعنی جمع منتہی الجموع وہ جمع ہے جس کی مزید جمع تکسیر نہ بن سکے گویا کہ اس جمعیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو منتہی الجموع کہا جاتا ہے۔

اور علامت اس کی یہ ہوتی ہے کہ اس کے پہلے والے دونوں حرف مفتوح ہونگے تیسری جگہ الف ہوگا اس کے بعد اگر ایک حرف ہو تو مشدد ہوگا جیسے (دَوَابٌّ صَوَافٌّ)، اگر دو حرف ہوں تو پہلا مکسور اور دوسرا مضموم ہوگا جیسے مَسَاجِدُ مَكَاتِبُ، اور اگر تین حروف ہوں تو درمیان میں یاء ساکنہ ہوگی جیسے (مَصَابِيْحُ، أكَالِيْبُ)۔

اور سلبی شرط یہ ہے کہ اس کے آخر میں ایسی تاء نہ ہو جو وقف کی حالت میں ہاء بن جاتی ہو ورنہ تو ایسا اسم منصرف ہوگا جیسے فَرازِنَةٌ، ہاں جو ہاء غیر مبدل عن التاء ہو تو وہ غیر منصرف ہوگا جیسے فَوَارِهُ۔

تیسری بات: مذکورہ دو شرطوں کی وجہ

جمع کے لئے منتہی الجموع کے وزن کی شرط اس لئے لگائی تا کہ وہ تغیر اور تبدل سے محفوظ رہے اور یہ وزن تغیر اور تبدل سے اس لئے محفوظ رہتا ہے کہ اس سے آگے دوسری جمع بن نہیں سکتی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جمع غیر منصرف کا وہ سبب ہے جو کہ دو کا قائمقام ہے تو اس کے لئے منتہی الجموع کی شرط اس لئے لگائی کہ اس کی بناء بھی دو مرتبہ ہوئی ہے ایک مفرد سے جمع کی طرف اور دوسری جمع سے منتہی الجموع کی طرف۔ (کما مر بیانہ فی الدرس السابع عشر)۔

اور دوسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ ہر وہ اسم جس کے آخر میں گول تاء ہو تو وہ مفرد کی علامت ہوتی ہے، لہٰذا ہر وہ اسم جو جمع اقصیٰ کے وزن پر ہو لیکن اس کے آخر میں یہی تاء ہو تو

لامحالہ وہ یا تو مفرد ہوگا جیسے کَرَاهِيَة یا مفرد کے ساتھ ملتبس ہوگا جیسے فَرَازِنَة۔

چوتھی بات: دوسوالات مقدرہ کے جوابات

سوال ۱: یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماقبل میں مصنف رحمہ اللہ نے جمع کو غیر منصرف کا سبب اور منتہی الجموع کو اس کے لئے شرط قرار دیا ہے جبکہ (خَضَاجِرُ) منتہی الجموع کے وزن پر تو ہے لیکن خود جمع نہیں ہے، تو گویا کہ شرط بغیر مشروط کے پائی گئی اس کے باوجود یہ باتفاق علماء نحو کے کیوں غیر منصرف ہے؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ (خَضَاجِرُ) اصل میں جمع ہے (خِضَجِرٌ) کی اور (خِضَجِرٌ) کا معنی ہے بڑے پیٹ والا انسان، پھر یہ نام پڑ گیا بجوں کا کیونکہ اس کا پیٹ بھی بڑا ہوتا ہے یہاں تک کہ مبالغۃً یہ کہا گیا کہ ایک اکیلا بجو بڑے پیٹ والے انسانوں کی ایک جماعت کے برابر ہوتا ہے حتی کہ مُردوں کو بھی قبروں سے نکال نکال کر کھا جاتا ہے، اس لئے اکیلے ایک بجو کو (خَضَاجِرُ) جمع کا بلکہ جمع الجمع کا نام دیا گیا تو فی الحال اگر چہ یہ مفرد ہے لیکن اپنے اصل کے اعتبار سے یہ جمع ہے، تو اسی اصل کا اعتبار کرتے ہوئے ہم نے کہا کہ یہ غیر منصرف ہے۔

سوال ۲: دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ (سَرَاوِيْلُ) کو غیر منصرف کیوں پڑھا جاتا ہے جبکہ یہ تو نہ فی الحال جمع ہے اور نہ فی الاصل؟

مصنف کافیہ نے اس کے دو جوابات دئے ہیں، ایک بعض علماء نحو کی طرف سے اور دوسرا اکثر علماء نحو کی طرف سے:

جواب ۱: بعض علماء نحو کی طرف سے یہ جواب دیتے ہیں کہ حضرت یہ تو آپ کہتے ہو کہ یہ غیر منصرف ہے جبکہ ہم تو اس کو منصرف سمجھتے ہیں، اس صورت میں گویا کہ کوئی اشکال ہی نہیں رہا۔

جواب ۲: اکثر علماء نحو کی طرف سے یہ ہے کہ یہ غیر منصرف ہے اس پر جب

مذکورہ سوال وارد ہوا تو جواب دینے والوں کے دو گروہ بن گئے، پہلے گروہ والوں نے یعنی امام سیبویہ اور امام ابوعلی رحمہما اللہ اور ان کے متبعین نے یہ جواب دیا کہ یہ عجمی کلمہ ہے اور عربی زبان میں اس کے ہموزن جتنے کلمات ہیں وہ سارے غیر منصرف ہیں، لہٰذا اس کو بھی ہموزن کلمات پر محمول کر کے غیر منصرف پڑھا جائے گا۔

اور دوسرے گروہ والے یعنی امام مبرد اور اس کے متبعین فرماتے ہیں کہ ہے تو یہ عربی کلمہ، اور عرب حضرات اس کو غیر منصرف استعمال کرتے ہیں لیکن ہمیں تلاش بسیار اور فکر طویل کے بعد بھی کوئی سبب غیر منصرف کا اس میں نہیں ملا، تو آخر ہم نے اس کو جمع حقیقی نہیں بلکہ جمع اعتباری مان کر فرض کرلیا کہ یہ (سِــروالۃ) کی جمع ہے اور جمع بھی منتہی الجموع کے وزن پر ہے جو دو سبب کے قائمقام ہے تو اس لئے یہ غیر منصرف پڑھا گیا۔

پانچویں بات: جَوَارٍ کی تفصیل

جَوَارٍ: سے یہاں پر اسم منقوص کا ہر وہ کلمہ مراد ہے جو (فَوَاعِلُ) کے وزن پر ہو چاہے ناقص یائی ہو جیسے (جَوَارِیُ) جو جمع ہے (جَارِیَۃ) کی یا ناقص واوی ہو جیسے (دَوَاعِیُ) جو جمع ہے (دَاعِیَۃٌ) کی۔

یہاں پر اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جمع کے لئے جو ہم نے شروع میں شرط لگائی تھی کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہوگا، لہٰذا یہ شرط جس جمع میں منتفی ہوگی وہ غیر منصرف نہیں ہوگا بلکہ وہ منصرف ہوگا جیسے جوارٍ دَوَاعٍ حالت رفعی اور جری میں منصرف ہوں گے؛ کیونکہ یہ دونوں اگرچہ جمع تو ہیں لیکن منتہی الجموع کے وزن پر نہیں ہیں، البتہ حالت نصبی میں شرط پائی جاتی ہے لہٰذا اس میں یہ دونوں منصرف ہونگے۔

بعض حضرات نے یہاں پر تفصیل بیان فرمائی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صاحب کتاب (ونحو جوارٍ) والے کلمہ سے صرف اس کے طریقہ استعمال کو بتانا چاہتے ہیں اس کے انصراف اور عدم انصراف سے کوئی بحث ہی نہیں کرتے کیونکہ اس کے انصراف اور عدم

انصراف میں اختلاف ہے اور اس اختلاف کا مدار ایک اور اختلاف پر ہے وہ یہ ہے کہ کلمات عرب میں انصراف اور عدم انصراف مقدم ہے یا اعلال؟

تو امام کسائی رحمہ اللہ اور اس کے متبعین فرماتے ہیں کہ اصل انصراف اور عدم انصراف ہے، دلیل یہ ہے کہ اعلال ثقل کو دور کرنے کے لئے ہوتا ہے اور ثقل تلفظ میں ہو تا ہے اور تلفظ سے پہلے یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ یہ منصرف ہے یا غیر منصرف، تو ان کے ہاں (جَوَارِیُ اور دَوَاعِیُ) قبل از اعلال تینوں حالتوں میں غیر منصرف ہیں، اس لئے کہ جمع بھی ہیں اور شرط بھی پائی جاتی ہے، پھر چونکہ حالت رفعی اعلال کا مقتضی ہے تو اعلال کے بعد اگر چہ جمع تو باقی ہے لیکن اس کی شرط نہیں پائی جاتی لہٰذا حالت رفعی میں یہ منصرف ہونگے، رہی حالت نصبی اور جری تو وہ اعلال کے مقتضی نہیں ہیں اس لئے وہ علی حالہما غیر منصرف ہونگے۔

اور بعض کے ہاں اعلال مقدم ہے انصراف اور عدم انصراف پر، دلیل یہ ہے کہ اعلال کا تعلق کلمہ کی ذات سے ہوتا ہے اور انصراف اور عدم انصراف کا تعلق کلمہ کے وصف کے ساتھ ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ ذات مقدم ہوتی ہے وصف پر، تو اعلال مقدم ہوگا انصراف اور عدم انصراف پر، پھر ان کے دو گروہ ہیں۔

(۱) امام زجاج رحمہ اللہ اور ان کے متبعین فرماتے ہیں کہ (جَوَارِیُ اور دَوَاعِیُ) کے انصراف اور عدم انصراف کا تو قبل الاعلال کوئی اعتبار نہیں ہے، البتہ بعد الاعلال یہ منصرف ہونگے اس لئے کہ جمع بدون الشرط ہوگی۔

(۲) امام سیبویہ رحمہ اللہ اور ان کے متبعین بھی فرماتے ہیں کہ ان کا قبل الاعلال تو کوئی اعتبار نہیں لیکن بعد الاعلال یہ غیر منصرف ہونگے اس لئے کہ جو یاء حذف ہوئی ہے وہ ملفوظ کے حکم میں ہے؛ لأنّ المحذوف کالملفوظ، تو گویا کہ جمع اپنی شرط کے ساتھ پائی گئی، رہا اس کے آخر میں تنوین تو وہ تنوین عوض ہے جو غیر منصرف پر آسکتی ہے۔

درس (۲۴)

غیر منصرف کے ساتوے سبب ترکیب کا بیان

لتركيب شرطه العلمية، وأن لا يكون بإضافة ولا إسناد، مثل بَعْلَبَكَّ.

ترجمہ : ترکیب: اس کے غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو اور دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مرکب اضافی اور مرکب اسنادی نہ ہو جیسے بعلبکَّ۔

تشریح: آج کے سبق میں تین باتیں ہیں:

(۱) ترکیب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۲) ترکیب کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط۔

(۳) شرائط کی وجوہات۔

پہلی بات: ترکیب کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

ترکیب کا لغوی معنی ہے جوڑنا اور ملانا، اور علماء نحو کی اصطلاح میں ترکیب کہتے ہیں: (هو جعل الكلمتين كلمةً واحدةً بغير حرفية أحد الجزئين) یعنی وہ اسم جس میں دو کلموں کو ایک بنا دیا گیا ہو بغیر اس کے کہ ان دونوں کلموں میں سے کوئی ایک حرف ہو، لہٰذا (النجم اور بصری اور ضاربة) کو لیکر کوئی اعتراض نہیں کر سکے گا کہ یہ دو دونو کلمے ہو کر بھی مرکب نہیں ہیں؛ اس لئے کہ ان میں ایک ایک جزء یعنی پہلے والے میں الف لام، دوسرے والے میں یاء، اور تیسرے والے میں تاء ہیں جو کہ حروف ہیں۔

دوسری بات: ترکیب کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط

ترکیب غیر منصرف کے لئے سبب مؤثر تب بنے گا جب اس میں تین شرطیں پائی

جائیں، ایک وجودی اور دو سلبی۔

وجودی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، اور سلبی یہ ہیں کہ وہ مرکب اضافی نہ ہو جیسے غلام زید اور کتاب بکر، اور مرکب اسنادی بھی نہ ہو جیسے تأبّطَ شرًّا اور شَابَ قرناها۔

تیسری بات: شرائط مذکورہ کی وجوہات

علمیت کی شرط اس لئے لگائی کہ اصل میں ہر کلمہ کی وضع الگ الگ اور مستقل ہوئی ہے یعنی کوئی کلمہ (اسم اور فعل) کسی دوسرے کلمے کا محتاج نہیں ہوگا، لیکن یہاں جب دونوں کو ایک کر دیا گیا ہے تو لازماً یہ کسی عارض کی وجہ سے ہوا ہوگا اور عارض جب ختم ہو جائے گا تو یہ ترکیب بھی باقی نہیں رہے گی بلکہ زائل ہو جائیگی لہٰذا علمیت کی شرط لگا کر ترکیب کو احتمال زوال سے بچا دیا اس لئے کہ اعلام کلمات کو زوال اور تغیر اور تبدل سے محفوظ رکھتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ علمیت اسباب منع صرف میں قوت پیدا کرتی ہے تو گویا اس کو مزید قوی بنانے کیلئے یہ شرط لگا دی۔

رہی مرکب اضافی کے نہ ہونے کی شرط تو وہ اس لئے لگائی کہ اضافت کی وجہ سے تو غیر منصرف بھی منصرف بن جاتا ہے یا اس کے حکم میں ہو جاتا ہے علی اختلاف الأقوال چہ جائیکہ وہ منصرف کو غیر منصرف بنا دے۔

اور مرکب اسنادی کے نہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ وہ مبنیات کے قبیل سے ہے جبکہ غیر منصرف اسم معرب کے قبیل سے ہے۔

☆☆☆

درس (۲۵)

غیر منصرف کے آٹھویں سبب
(الف نون زائدتان) کا بیان

الألف والنُّون إن كانتا في اسم فشرطه العلمية، كعمرانَ أو صفة فانتفاء فعلانة، وقيل وجود فَعْلى، ومن ثَمَّ اُختلفَ في رحمنَ دون سكرانَ وندمانَ.

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) الف نون زائدتان کا وجہ تسمیہ اور اس کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی وجہ۔

(۲) اس کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط۔

(۳) شرطیں لگانے کی وجہ۔

(۴) تفریعات۔

پہلی بات: الف نون زائدتان کا وجہ تسمیہ اور غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی وجہ

غیر منصرف کا آٹھواں سبب الف اور نون زائدتان ہے علماءِ نحو کے ہاں اس کے دو نام ہیں ایک الف نون زائدتان دوسرا الف نون مضارعتان:

زائدتان اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جس کلمہ میں بھی ہو یہ اس کے حروف اصلیہ کے مقابلے میں نہیں ہوتے بلکہ زائد ہوتے ہیں جیسے عمران اور سکران بروزن **فَعْلاَن** اور **فِعْلاَن**۔

اور مضارعتان اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ مضارعت کا معنی ہے مشابہت، اور

یہ بھی مشابہت رکھتے ہیں الف ممدوذہ اور الف مقصورہ کے ساتھ امتناع دخول تاء تانیث میں، یعنی جس طرح ان دونوں کے آخر میں تاء تانیث نہیں آسکتی اس طرح اس کے آخر میں بھی نہیں آسکتی۔

غیر منصرف کے لئے اس کو سبب بنانے کی وجہ کوفیین کے ہاں یہ ہے کہ جس طرح اسباب منع صرف سارے کے سارے فروعات کے قبیل سے ہیں اسی طرح یہ دونوں بھی فرع ہیں اس اسم اور صفت کی جس پر یہ داخل ہوں، مثلاً عمران میں پہلے تین حروف بطور اصل کے ہیں اور یہ دونوں ان کے فرع ہیں، اور بصریین کے ہاں ان کا اصل الف ممدودہ اور الف مقصورہ ہیں امتناع دخول تاء تانیث میں، اور یہ دونوں ان کے فرع ہیں۔

دوسری بات: اس کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط

الف نون زائدتان یا تو اسم جامد میں ہوں گے یا صفت میں، اگر اسم جامد میں ہوں تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کسی کا علم ہو، اور اگر صفت میں ہوں تو اکثر علماء نحو کے ہاں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس صفت کی مؤنث فعلانۃٌ کے وزن پر نہ ہو جیسے خصمانٌ کی مونث خصمانۃٌ آتی ہے، اور بعض علماء نحو کے ہاں اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس صفت کی مؤنث (فَعْلی) کے وزن پر ہو، تو گویا کہ بعض کے ہاں صرف (انتفاء فعلانۃ) اور بعض کے ہاں اس کے ساتھ ساتھ (وجود فَعْلی) بھی ضروری ہے۔

لیکن صاحب کتاب نے اس دوسرے قول کو لفظ (قیلَ) کے ساتھ ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ (غضبانٌ) کی مونث (غضبی) آتی ہے اس کے باوجود یہ منصرف ہے۔

تیسری بات: مذکورہ شرائط کی وجہ

الف نون کو اگر مزید تین کہا جائے جیسا کہ کوفیین کا قول ہے تو اس کے لئے علمیت کی

شرط اس لئے لگائی کہ ہر زائد چیز محل زوال میں ہوتی ہے اور یہ بھی زائد ہیں لہٰذا زوال سے بچانے کے لئے ہم نے علمیت کی شرط لگائی، کیونکہ علمیت حروف کی حفاظت کا ایک محفوظ قلعہ ہے۔

اور اگر اس کو مضارعتین کہا جائے جیسا کہ بصریین کا قول ہے تو علمیت کی شرط اس لئے لگائی تا کہ اس کے حروف محفوظ رہیں اور الف ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ اس کی مشابہت ضعیف نہ پڑ جائے، اور اگر یہ صفت میں ہو تو اس کے لئے (انتفاء فعلانة یا وجود فَعلی علی اختلاف الأقوال) کی شرط بھی اس لئے لگائی تا کہ الف ممدودہ اور مقصورہ کے ساتھ اس کی مشابہت ضعیف نہ ہو بلکہ وہ برقرار رہے۔

چوتھی بات: وَمِنْ ثَمَّ اُخْتُلِفَ سے تفریعات

چونکہ الف نون زائدتان جب اسم صفت میں ہو تو اس کی شرط تاثیر میں اختلاف جیسے گذر گیا کہ بعض کے ہاں (انتفاء فعلانة) اور بعض کے ہاں (وجودْ فعلی) شرط ہے اس لئے بعض کلمات کے انصراف اور عدم انصراف میں بھی اختلاف ہو گیا اور بعض میں اتفاق، مثلاً لفظ (رَحمنٌ) صفت جلالہ قائلین (انتفاء فعلانة) والوں کے ہاں غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کی مونث ہی نہیں چہ جائیکہ وہ فعلانة کے وزن پر ہو، اور قائلین (وجود فَعلی) کے ہاں یہ منصرف ہے اس لئے کہ اس کی مونث ہی نہیں چہ جائیکہ وہ (فَعلی) کے وزن پر آ جائے۔

دوسری مثال (سکرانُ) ہے یہ بالاتفاق غیر منصرف ہے اس لئے کہ اس کی مونث (سکری) بروزن (فعلی) آتی ہے، تو دونوں شرطیں پائی گئی (انتفاء فعلانة) بھی اور (وجود فعلی) بھی۔

تیسری مثال (ندمان) ہے اس میں کچھ تفصیل ہے وہ یہ کہ یہ دو معنوں میں مستعمل ہے ایک بمعنی (نادمٌ) اسم فاعل کے دوسرا بمعنی (ندیمٌ) صفت مشبہ کے، اگر بمعنی (نادمٌ) ہو تو اس کی مونث ندمانة آتی ہے تو اس صورت میں بالاتفاق یہ منصرف ہوگا اس

لئے کہ دونوں شرطوں میں سے کوئی شرط بھی نہیں پائی گئی، اور اگر بمعنی (نــدیــمٌ) ہو جس کی مونث (ندمی) ہے تو بالاتفاق غیر منصرف ہوگا اس لئے کہ دونوں شرطیں پائی گئیں۔

درس (۲۶)

غیر منصرف کے نوے اور آخری سبب. وزن فعل کا بیان

وزن الـفـعـل شرطه أن يختص به كشمّر وضُربَ، أو يكون في أوله زيادةٌ كزيادته غير قابل للتاء، ومن ثمّ امتنع أحمرُ وانصرف يعملٌ.

ترجمہ: وزن فعل: اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ ایسے وزن پر ہو جو فعل کے ساتھ مخصوص ہو جیسے شمّر اور ضُربَ، یا یہ کہ اس کے شروع میں وہ زائد حروف ہوں جو فعل کے شروع میں زائد ہو کر آتے ہیں درانحالیکہ وہ تاء کو قبول نہ کر سکے۔

تشریح: آج کے سبق میں تین باتیں ہیں:

(۱) وزن فعل کی تعریف اور اس کے مشہور اوزان۔

(۲) وزن فعل کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کے شرائط۔ (۳) ان شرائط کی وجہ۔

پہلی بات: وزن فعل کی تعریف اور اس کے مشہور اوزان

وزن فعل کی تعریف یہ ہے کہ (كون الاسم علـى وزن يُعدُّ من اوزان الـفعل) یعنی اسم کا ایسے وزن پر آنا جس کا شمار فعل کے اوزان میں سے ہوتا ہو، اور فعل کے مشہور اوزان یہ ہیں (شَمَّرَ، ضُربَ، احمدُ، يزيدُ، يشكُرُ، تغلبُ، اور تدمُرَ)۔

دوسری بات: وزن فعل کا غیر منصرف کے لئے سبب بننے کی شرائط

وزن فعل غیر منصرف کے لئے سبب مؤثر تب بنے گا جب اس میں دو شرطوں میں سے کوئی ایک پائی جائے:

پہلی شرط یہ ہے کہ اس اسم کا ایسے وزن پر آنا جو کہ اصل وضع کے اعتبار سے فعل کے ساتھ خاص ہو پھر اس سے منقول ہو کر اسم میں آیا ہو، مثلاً شَمَّرَ یہ باب تفعیل سے ماضی معلوم کا پہلا صیغہ ہے جس کا مصدری معنی ہے دامن اٹھانا پھر بعد میں اس سے منقول ہو کر حجاج بن یوسف کے ایک تیز رفتار گھوڑے کا جو دوڑتے وقت دم اٹھا کر بھاگتا تھا اس کا نام پڑ گیا تو اب یہ بوجہ علمیت اور وزن فعل کے غیر منصرف بن گیا۔

اسی طرح ضُرِبَ ماضی مجہول کا صیغہ ہے لیکن اگر یہ کسی کا نام پڑ جائے تو یہ بھی بوجہ علمیت اور وزن فعل کے غیر منصرف ہو جائے گا۔

یہاں پر یہ بات ذھن نشین رہے کہ صاحب کتاب نے ماضی مجہول کی مثال دی ہے نہ کہ معلوم کی، وجہ اس کی یہ ہے کہ ماضی معلوم کا وزن مثلاً فَعَلَ صرف فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ وزن اسم میں بھی پایا جاتا ہے مثلاً شَجَرٌ قَلَمٌ وغیرہ، رہی اس کے آخر میں تنوین تو وہ محل وقف میں ہے لہٰذا وزن میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر اسم ایسے وزن پر ہو جو فعل کے ساتھ خاص نہ ہو تو اس کے شروع میں حروف اتین میں سے کسی ایک حرف کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ فعل مضارع کے شروع میں ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ آخر میں تاء تانیث کو قبول نہ کرتا ہو جیسے (احمر) یہ اگرچہ فعل کے ساتھ خاص نہیں ہے لیکن پھر بھی غیر منصرف ہے کیونکہ اس میں مذکورہ شرط کی دونوں شقیں پائی جاتی ہیں یعنی شروع میں حروف اتین میں سے ہمزہ ہے اور آخر میں تاء مدورہ کو بھی قبول نہیں کرتا، اس لئے یہ بوجہ وصف اور وزن فعل کے غیر منصرف ہے، اور (یعملٌ) کے شروع میں اگرچہ یاء ہے لیکن اس کے آخر میں تاء مدورہ آسکتی ہے جیسے کہا جاتا ہے (ناقةٌ یعملةٌ) اس لئے یہ منصرف ہے۔

تیسری بات: مذکورہ شرائط لگانے کی وجہ

وزن فعل کا غیر منصرف کے سبب بننے کے لئے (ان یختصّ به) کی شرط اس لئے

لگائی تا کہ اس میں کچھ ثقل پیدا ہو جائے اس لئے کہ جو وزن فعل کے ساتھ خاص ہو تو ہونا تو یہ چاہئے کہ وہ صرف فعل ہی میں استعمال ہو لیکن اس کے باوجود جب اس سے منتقل کر کے اسم میں استعمال کیا جائے تو وہ ضرور ثقیل ہوگا، تو جتنا ثقیل ہوگا اتنی ہی تاثیر میں زیادتی ہوگی۔

رہی دوسری شرط کی شق اول یعنی شروع میں حروف اتین میں سے کسی ایک کا ہونا، تو یہ شرط اس لئے لگائی کہ یہ وزن صرف فعل کے ساتھ خاص تو نہیں لیکن اس شرط کی وجہ سے کم از کم فعل کے ساتھ اس کی مشابہت پیدا ہو جائے گی۔

اور اس کی دوسری شق یعنی اس کے آخر میں تاء مدورہ کا نہ آنا، یہ شرط اس لئے لگائی کہ تاء مدورہ کلمہ کو اسم کے ساتھ خاص کر دیتی ہے، لہٰذا اگر یہ شرط نہ لگاتے تو فعل کے ساتھ اس کی مشابہت ختم ہو جاتی۔

درس (۲۷)

غیر منصرف سے متعلق چند اہم مسائل

وما فيه علميةٌ مؤثرةٌ إذا نُكِّر صُرِفَ لما تبينَ من أنّها لا تُجامع مؤثّرةً إلّا ما هي شرط فيه إلّا العدل ووزن الفعل، وهما متضادان، فلا يكون معها إلّا أحدهما، فإذا نُكِّرَ بقي بلا سببٍ أو على سبب واحدٍ.

ترجمہ: اور وہ اسماء جن میں علم ہونا اثر انداز ہوتا ہے (یہ کہہ کر جمع منتہی الجموع سے احتراز کر لیا) جب ان کو نکرہ بنا دیا جائے تو وہ منصرف ہو جائیں گے، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ علمیت جمع نہیں ہوتی درانحالیکہ یہ اثر کرنے والا ہو مگر ان اسباب کے ساتھ جن میں یہ شرط ہے البتہ عدل اور وزن فعل میں شرط کے بغیر اثر انداز ہوتی ہے، اور یہ دونوں (عدل اور وزن فعل) ایک دوسرے کے ضد ہیں، لہٰذا علمیت کے ساتھ ان دونوں میں سے ایک ہی پایا جائے گا، پس (وہ اسم جس میں علمیت موثر ہو) جب وہ نکرہ بن جائے تو وہ یا تو بغیر سبب کے رہ جائے گا (اگر علم اس کے لئے شرط ہو) یا اس میں صرف ایک سبب باقی

رہے گا (اگر علم اس کے لئے سبب محض ہو)۔

تشریح: آج کے اس سبق میں چار باتیں ہیں:

(۱) غیر منصرف کو منصرف بنانے کا قاعدہ۔ (۲) علم کو نکرہ بنانے کا طریقہ۔

(۳) وہ اسباب جن میں علمیت شرط ہے۔ (۴) ایک اشکال کا جواب۔

پہلی بات: غیر منصرف کو منصرف بنانے کا قاعدہ

وما فيه علميةٌ مؤثرةٌ إذا نُكِّر صُرِف: اس عبارت میں یہ قاعدہ بیان فرما رہے ہیں کہ ہر وہ اسم جس میں علم ہونا غیر منصرف بننے کے لئے موثر ہو چاہے بطور شرط کے ہو یا بطور سبب محض کے، جب اس کو نکرہ بنا دیا جائے تو وہ منصرف بن جائے گا۔

صاحب کتابؒ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ اسباب جن میں علمیت کا ہونا شرط ہے جب ان سے علمیت ختم کر کے نکرہ بنا دیا جائے تو وہ اسم بغیر کسی سبب کے رہ جائے گا، مثلاً زینب اور کلثومُ یہ دونوں غیر منصرف ہیں تانیث اور علمیت کی وجہ سے، لیکن جب اس سے علمیت ختم کی گئی تو صرف تانیث رہ گئی اور وہ بھی بغیر شرط کے، تو گویا کہ کوئی سبب ہی باقی نہیں رہا تو لازماً زینبُ اور کلثومُ منصرف بن جائیں گے۔

اور وہ اسباب جن میں علمیت شرط تو نہیں بلکہ عام اسباب کی طرح یہ بھی بطور سبب محض کے اس کے ساتھ جمع ہو جاتا ہو جب ان سے علمیت ختم کی جائے تو وہ اسم سبب واحد کے ساتھ رہ جائے گا، مثلاً عمرُ عدل اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے، جب علمیت اس سے ختم ہو جائے تو اس میں صرف عدل باقی رہ جائے گا، لہٰذا یہ بھی منصرف بن جائے گا۔

دوسری بات: علم کو نکرہ بنانے کے دو طریقے

صاحب کافیہ نے یہ تو بتا دیا کہ (وما فيه علمية مؤثرة إذا نكر صرف) لیکن یہ جاننا چاہئے کہ علمیت کو نکرہ بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ تو یاد رہے کہ اسم علم کو نکرہ بنانے کے دو طریقے ہیں:

پہلا طریقہ یہ ہے کہ علم بول کر اس سے صاحب علَم کا وصف مشہور مراد لیا جائے جیسے کہا جاتا ہے (لکلّ فرعونٍ موسی، ای: لکلّ مبطل محقّ) اس میں دیکھئے لفظ فرعون اگرچہ اصل میں غیر منصرف تھا لیکن یہاں اس سے وہ خاص فرعون مراد نہیں ہے بلکہ ہر اہل باطل جس میں فرعون کا وصف مشہور یعنی طغیانی اور سرکشی ہو وہ مراد ہے، اس لئے اس کو منصرف بنا کر فرعونٍ پڑھا گیا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ مثلاً ایک پوری جماعت کے افراد کا نام عثمان ہو، تو علم (عثمان) بول کر بغیر کسی تعیین کے کسی ایک فرد کو مراد لیا جائے جیسے (التقیتُ عثمانَ وعثماناً آخرَ)، اس میں پہلا عثمان معرفہ ہے لیکن دوسرا نکرہ ہونے کی وجہ سے منصرف ہو گیا۔

تیسری بات: وہ اسباب جن میں علمیت شرط ہے

اسباب منع صرف میں سے پانچ (یعنی تانیث بالتاء، معرفہ، عجمہ، ترکیب، اور الف نون زائدتان جب اسم میں ہو تو ان) میں علمیت شرط ہے. اور عدل اور وزن فعل کے ساتھ صرف سبب محض کے طور پر جمع ہو سکتا ہے، اور منتہی الجموع اور تانیث بالألف میں جمع تو ہو سکتا ہے لیکن ان میں موثر نہیں بن سکتا، رہا وصف اور الف نون زائدتان جب وصف میں ہو تو ان دونوں کے ساتھ سرے سے جمع ہی نہیں ہو سکتا اس لئے کہ وصف عموم پر دلالت کرتا ہے اور علمیت خصوص پر، خلاصہ یہ کہ ایسے کل پانچ اسباب ہیں جن میں علمیت شرط ہے اور دو ایسے ہیں جن کے ساتھ علمیت سبب محض کے طور پر جمع ہو سکتا ہے۔

چوتھی بات: وھما متضادان سے ایک اشکال کا جواب

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ اگر کسی اسم میں تین سبب جمع ہو جائیں یعنی علمیت ،عدل، اور وزن فعل، تو جب اس سے علمیت ختم کر کے نکرہ بنا دیا جائے تو پھر بھی وہ کلمہ غیر منصرف ہی رہے گا کیونکہ تا حال اس میں دو سبب عدل اور وزن فعل باقی ہونگے؟

تو صاحب کتابؒ نے (وھما متضادان) کہہ کر اس اشکال کا جواب دیا کہ عدل

اور وزن فعل کا ایک اسم میں جمع ہونا ممکن ہی نہیں ہے اس لئے کہ عدل کے کل چھ وزن ہیں یعنی فَعْلِ أمسِ، فَعَلُ سحَرُ، فُعَالُ ثُلٰثُ، فُعَلُ عُمَرُ، مَفْعَلَ مَثْلَث، فَعَالِ نَزَالِ، اور یہ تمام اوزان سماعی ہیں اور عدل کے ساتھ ہی خاص ہیں، اس کے مقابلے میں فعل کے جتنے اوزان ہیں وہ سارے قیاسی ہیں تو گویا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کہ ضد ہو گئے والضّدان لا یجتمعان۔

سوال یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ عدل اور وزن فعل دونوں جمع نہیں ہوسکتے حالانکہ اِصْمِتْ جو ایک جنگل اور بیابان کا نام ہے اس میں وزن فعل بھی ہے اور عدل بھی، کیونکہ یہ نصر ینصر کے باب سے ہے قاعدہ کے موافق (اُصْمُتْ) ہونا چاہئے تھا لیکن خلاف قاعدہ وخلاف قانون (اِصمِتْ) ہے تو معلوم ہوا کہ اس میں عدل ہے اور ورن فعل تو ظاہر ہے؟

اسی طرح (اخرُ) میں بھی وزن فعل اور عدل تحقیقی ہیں، تو یہاں تو دونوں جمع ہو گئے حالانکہ آپ فرمارہے ہو کہ الضدان لا یجتمعان؟۔

جواب: جواب اس کا یہ ہے کہ ہم نے اس کے موثر ہو کر جمع ہونے کی نفی کی ہے، جبکہ یہاں دونوں مثالوں میں اگرچہ جمع تو ہیں لیکن موثر نہیں ہیں اس لئے کہ ان دونوں میں عدل ماننے سے پہلے دو دو سبب پائے جاتے ہیں جن کی وجہ سے یہ پہلے سے غیر منصرف ہیں، مثلاً اصمت علیت اور تانیث کی وجہ سے اور آخرُ وصف اور وزن فعل کی وجہ سے غیر منصرف ہیں۔

☆☆☆

درس (۲۸)

امام سیبویہ اور امام اخفش کا اختلاف

وخالف سیبویه الأخفشَ فی مثل أحمرَ علماً إذا نُكّر اعتباراً للصّفة الأصلية بعد التنكير، ولا يلزمه بابُ حاتمٍ لما يلزمُ من اعتبار المتضادَّين فی حكمٍ واحدٍ، وجميع الباب باللام أو بالإضافة ينجرُّ بالكسر.

ترجمہ: اور اختلاف کیا ہیں امام سیبویہ نے امام اخفش کے ساتھ (أحمر جیسے اسماء میں جب وہ بحالت علم ہوں پھر نکرہ بنایا جائے، تو نکرہ بنانے کے بعد بھی صفت اصلی کا اعتبار کرتے ہوئے (غیر منصرف رہے گا)، اور امام سیبویہ صاحب کے لئے کوئی لازم نہیں ہے کہ (حاتمؔ) جیسے اسماء میں وصف اصلی کا اعتبار کرلیں، اس لئے کہ اس صورت میں دو متضاد چیزوں (وصفیت اور علمیت) کا ایک ہی اسم میں جمع ہونا لازم آئے گا، اور غیر منصرف کے پورے باب پر جب الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت ہو جائے تو اس کا جر کسرے کے ساتھ ہوگا۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں محتاج تفصیل ہیں:

(۱) امام اخفشؒ کا مصداق۔ (۲) مثل احمرُ کی اور اس میں اختلاف کی وضاحت۔

(۳) ولا یلزمه باب حاتمٍ سے دفع اعتراض۔

(۴) غیر منصرف کو منصرف بنانے کا ایک اور طریقہ۔

پہلی بات: امام اخفشؒ کا مصداق

عام طور پر کتب نحو میں اخفشؒ کے نام سے تین حضرات مشہور ہیں:

(۱) اخفش کبیرؒ جو امام سیبویہؒ کے استاذ تھے جن کا نام ابوالخطاب اور نام عبدالحمید بن عبدالمجید ہے۔

(۲) اخفش صغیرؒ جو امام سیبویہؒ کے شاگرد تھے جن کا نام ابوالحسن سعید بن سعدہ ہے۔

(۳) اخفش اوسطؒ جو امام سیبویہؒ کے ہم عصر اور امام مبرد کے شاگرد تھے اور نام اُس کا ابوالحسن علی بن سلیمانؒ ہے، کذا صرّح المصنفؒ فی شرح المفصّل۔

لٰہذا جب بھی علم نحو میں امام اُخفشؒ کا نام آجائے تو ضرور ان تینوں میں سے کوئی ایک مراد ہوگا، رہا یہاں پر، تو یہاں اس سے مراد امام سیبویہؒ کے شاگرد ابوالحسن سعید بن سعدہؒ ہے۔

دوسری بات: مثل أحمرُ کی اور اس میں اختلاف کی وضاحت

ماقبل میں جو قاعدہ بیان ہوا تھا کہ (وما فیه علمیةٌ مؤثرةٌ إذا نكر صُرف) یہ قاعدہ جمہور نحاۃ کے ہاں متفق علیہا ہے البتہ یہاں پر علامہ ابن حاجبؒ نے (وخالف سیبویه) والی عبارت لاکر اس طرف اشارہ فرمایا کہ مذکورہ ایک صورت میں امام سیبویہؒ نے جمہورؒ کے ساتھ مخالفت کی ہے، ایک طرف امام سیبویہؒ ہے اور دوسری طرف امام اخفشؒ نے جمہورؒ کی ترجمانی کی ہے۔

امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ اسم جو صفت کے لئے وضع ہوا ہو اور بعد میں علم بن جائے تو اگر اس سے علمیت ختم کر کے نکرہ بنایا جائے تو بھی وصف معدوم یعنی محذوف شدہ وصف کا اعتبار کیا جائے گا؛ کیونکہ (المعدوم لایزول) اور وہ بدستور اسم غیر منصرف ہی رہے گا، کیونکہ وصفیت کا جو مانع تھا یعنی علمیت وہ اب نہیں رہا لٰہذا وصفیت لوٹ کر واپس آجائیگی جیسے احمر کو علم بنایا جائے تو وصفیت ختم ہوجائیگی، پھر جب اس کو نکرہ بنایا جائے تو امام سیبویہؒ کے ہاں اس میں وصفیت عائدہ اور وزن فعل کا اعتبار کر کے بدستور اس کو غیر منصرف ہی پڑھا جائے گا۔

امام اخفش جمہور کا ترجمان بن کر ارشاد فرماتے ہیں کہ نہیں جی! اب یہ منصرف ہو گیا کیونکہ علمیت کے جانے کے بعد اس میں صرف وزن فعل باقی رہے گا، رہا وصف معدوم تو اس کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ (الزائل لا یعود)۔

تیسری بات: ولا یلزمه باب حاتم سے دفع اعتراض

اعتراض یہ ہے کہ امام سیبویہ صاحب! آپ (مثل أحمرُ) میں بعد التنکیر وصف کے زائل ہونے کے بعد بھی وصف اصلی کا اعتبار کرتے ہیں، تو علمیت کے ہوتے ہوئے بھی آپ وصفیت کا اعتبار کر لے جیسے (حاتمٌ) میں ایک علمیت مان لو اور دوسرا وصف؟

ولا یلزمه باب حاتم: (یعنی ہر وہ اسم جس کو واضع نے وصف کے لئے وضع کیا ہو پھر بعد میں علم بن جائے) سے صاحب کتابؒ جواب دے رہے ہیں کہ بالکل ہم یہاں اس کا اعتبار کر لیتے لیکن اس سے دو متضاد چیزوں کا ایک اسم میں جمع ہونا لازم آجائے گا یعنی علمیت اور وصف کا، اور یہ دونوں متضاد اس لئے ہیں کہ علمیت ذات معین پر دلالت کرتی ہے جبکہ وصفیت ذات مبہم پر دلالت کرتی ہے۔

الملاحظہ: بندے کے نزدیک مذکورہ اعتراض گویا کہ امام سیبویہ کو کڑوا گھونٹ پلانے کے مترادف ہے کیونکہ امام سیبویہ وصفیت کے اِعادے کا اعتبار تب کرتے ہیں جب اس کو زائل کرنے والی چیز یعنی علمیت خود زائل ہو جائے، جبکہ یہاں تو وہ تا حال باقی ہے اور ہم کہیں کہ نہیں امام سیبویہ صاحب! آپ اس کے ہوتے ہوئے بھی اس کا اعتبار کرلے۔ (واللہ أعلم بالصواب)۔

چوتھی بات: غیر منصرف کو منصرف بنانے کا طریقہ

وجميع الباب باللام أو بالإضافة ينجرُّ بالكسرة: اس عبارت میں علامہ ابن حاجب فرما رہے ہیں کہ ماقبل میں غیر منصرف جو پوری تفصیل سے گذرا اس پر اگر الف لام داخل ہو جائے یا وہ مضاف ہو کسی اسم کی طرف تو اس کا جر کسرہ لفظی کے ساتھ ہوگا۔

یہاں صاحب کتابؒ نے یہ وضاحت نہیں کی کہ اس طرح کرنے سے وہ اسم منصرف ہو جائے گا یا غیر منصرف ہی رہے گا بلکہ صرف اس صورت کے اعراب پر اکتفاء فرما کر بات ختم کردی؛ اس لئے کہ اس کے انصراف اور عدم انصراف میں علماء نحو کا اختلاف رہا ہے، اور اصل میں اس اختلاف کا مدار غیر منصرف کی تعریف میں اختلاف پر ہے، وہ یہ کہ

بعض علماء نحواس طرح تعریف کرتے ہیں کہ غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں اسباب منع صرف میں سے دو یا ایک ایسا سبب جو دو کے قائمقام ہو پایا جائے، اور بعض یہ تعریف کرتے ہیں کہ غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس پر کسرہ اور تنوین نہ آسکے۔

تو پہلے مذہب والے علماء جن میں امام فراء اور اس کے متبعین شامل ہیں فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں اسم بدستور غیر منصرف رہے گا اس لئے کہ (دخول الف لام اور عند الاضافة) وہ دونوں سبب تا حال باقی رہتے ہیں، لیکن ہاں! جس غیر منصرف میں ایک سبب علمیت ہو چاہے وہ بطور شرط کے ہو یا بطور سبب محض کے، جب اس پر الف لام داخل ہو جائے یا اس کی اضافت ہو جائے تو ان دونوں صورتوں میں علمیت کے ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ اسم ایک سبب کے ساتھ رہ جائے گا چانچہ ایک سبب کے ساتھ رہ جانے کی وجہ سے وہ منصرف بن جائے گا۔

فائدہ: علم پر دخول الف لام کی وجہ سے علمیت اس لئے ختم ہو جاتی ہے کہ علمیت میں اعلیٰ درجہ کی تعریف ہوتی ہے بنسبت معرف باللام ہونے کے، اس کے باوجود جب علم کو معرف باللام بنایا جائے تو گویا کہ (**طلب الأدنى بحصول الأعلى**) کی خرابی لازم آجائے گی اس لئے علمیت ختم ہو جائیگی۔

اور اضافت کے صورت میں اس کی علمیت اس لئے ختم ہو جاتی ہے کہ اس کی اضافت اگر معرفہ کی طرف ہو تو تحصیل حاصل لازم آئے گا، اور اگر نکرہ کی طرف ہو تو وہی (**طلب الأدنى بحصول الأعلى**) کی خرابی لازم آئیگی۔

اور دوسرے مذہب والوں کے ہاں یہ منصرف بن جائے گا اس لئے کہ ایک تو اس صورت پر غیر منصرف کی تعریف صادق نہیں آتی، دوسرا یہ کہ اسم کا غیر منصرف ہونا فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہوتا ہے، لیکن جب اس پر الف لام داخل ہو یا اس کی اضافت ہو جائے تو اس کی فعل کے ساتھ مشابہت کمزور ہو جائیگی، اس لئے کہ یہ دونوں اسم کے خواص میں سے ہیں لہٰذا مشابہت کی کمزوری کی وجہ سے اس کا غیر منصرف ہو جانا بھی ختم ہو جائیگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مرفوعات

درس (۲۹)

مرفوعات کی تعریف

المرفوعات: هو ما اشتمل علی علم الفاعلية.

ترجمه: مرفوع وہ اسم ہے جو مشتمل ہو فاعلیت کی علامت پر۔

تشریح: آج کے سبق میں چار باتیں ہیں:

(۱) مرفوعات کو مقدم کرنے کی وجہ۔ (۲) لفظ مرفوعات کی اعرابی صورتیں۔

(۳) مرفوعات کا مفرد۔ (۴) مرفوعات کی تعریف۔

تو گویا کہ ان میں سے پہلے تین کا تعلق عنوان یعنی المرفوعات سے ہیں اور ایک کا عبارت کے ساتھ۔

پہلی بات: مرفوعات کو مقدم کرنے کی وجہ

صاحب کتاب جب مقدمہ کو تفصیل کے ساتھ بیان فرما چکے تو اب مقاصد ثلاثہ میں سے مقصد اول کو (جو مرفوعات کے بیان میں ہے اس) کو بیان فرما رہے ہیں اور اس کو منصوبات اور مجرورات پر اس لئے مقدم فرمایا کہ ان میں سے اکثر (یعنی فاعل، نائب فاعل، مبتداء، کان کا اسم، اور ما ولا مشبہتان بلیس کا اسم) مسند الیہ واقع ہوتے ہیں، اور مسند الیہ کلام میں عمدہ ہوتا ہے، اس کے مقابلے میں منصوبات اور مجرورات فضلہ یعنی زائد ہوتے ہیں، اور عمدہ چیز چونکہ زائد چیز پر مقدم ہوا کرتی ہے اس لئے یہاں بھی عمدہ کو فضلہ پر مقدم فرمایا۔

دوسری بات: لفظ مرفوعات کی اعرابی صورتیں

مرفوعاتٌ کو مرفوع منصوب مجرور تینوں طریقوں سے پڑھنا جائز ہے، مرفوع پڑھنے کی صورت میں یا تو یہ خبر ہوگی مبتداء محذوف کے لئے تو عبارت یوں ہوگی (هــذه

المرفوعات) یا یہ خود مبتداء ہوگا خبر محذوف کے لئے پھر عبارت یوں ہوگی (المرفوعات هذه) یا خبر مذکور کے لئے مبتدا بنے گا، یعنی (المرفوعات) مبتداء بنے گا اور آنی والی پوری عبارت جملہ اسمیہ بن کر اس کے لئے خبر بنے گی۔

اور منصوب پڑھنے کی صورت میں یہ مفعول بہ بنے گا فعل محذوف کے لئے تو عبارت یوں ہوگی (اقرؤوا المرفوعات، یااشرعوا المرفوعات)۔

اور مجرور پڑھنے کی صورت میں یا تو یہ مجرور بحرف الجر ہوگا مثلاً محذوف عبارت یہ نکالی جائی گی: (هذا الباب في المرفوعات)، یا یہ مجرور بالمضاف ہوگا مثلاً (هذا بحث المرفوعات)۔

تیسری بات: مرفوعات کا مفرد

مرفوعات: جمع کا صیغہ ہے اس کا مفرد (مرفوعٌ) ہے، اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ (مرفوعٌ) تو مفرد مذکر کا صیغہ ہے اس کی جمع تو (مرفوعونَ) جمع مذکر سالم کی صورت میں آنی چاہئے تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ (مرفوعٌ) کی جمع بجائے جمع مذکر سالم کے جمع مونث سالم کی شکل میں اس لئے لائے کہ علماء نحو کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ لا یعقل کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے لہٰذا یہ بھی الف اور تاء کے ساتھ آگئی جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے ﴿في الأيام الخاليات﴾۔

رہا اس کو (مرفوعةٌ) کی جمع کہنا تو وہ اس لئے صحیح نہیں ہے کہ (مرفوعات) اسم کی صفت ہے اور اسم کا مذکر ہونا ظاہر ہے، اس صورت میں اس کا مفرد اگر (مرفوعةٌ) مان لیا جائے تو موصوف اور صفت میں مطابقت نہیں رہے گی، تو معلوم ہوا کہ یہ (مرفوعةٌ) کی جمع نہیں بلکہ (مرفوعٌ) کی جمع ہے۔

چوتھی بات: مرفوعات کی تعریف

ھو ما اشتمل علی علم الفاعلیة: یعنی مرفوع وہ اسم ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو، اس عبارت میں (ھو) ضمیر کا مرجع (مرفوعات) تو نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ (ھو) ضمیر مفرد مذکر کی ہے اور مرفوعات جمع مونث کا صیغہ ہے، لہٰذا اسی مرفوعات کے اندر سے (مرفوعٌ) مفرد مذکر کا صیغہ نکال کر (ھو) ضمیر کا مرجع بنایا جائے گا۔

اور (علم الفاعلیة) سے اعراب بالحرکت میں مراد ضمہ ہے جیسے (جاء نی زیدٌ)، اور اعراب بالحروف میں اس سے مراد الف اور واؤ ہیں، الف تثنیہ میں ہوتا ہے جیسے (جاء نی زیدان)، اور واؤ اسماء ستہ مکبرہ اور جمع مذکر سالم میں جیسے (جاء نی أخوکَ، اور جاء نی مسلمونَ)۔

درس (۳۰)

مرفوعات کی پہلی قسم فاعل کا بیان

فمنه الفاعل، وھو ما أسندَ إلیه الفعل أو شبهه، وقُدِّمَ علیه علی جهة قیامه به، مثل: قامَ زیدٌ وزیدٌ قائمٌ أبوه، والأصل أن یلی الفعل، فلذلک جازَ ضربَ غلامَه زیدٌ، وامتنعَ ضرب غلامُه زیداً.

ترجمہ: پس ان مرفوعات میں سے ایک فاعل ہے اور وہ ایسا اسم مرفوع ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو درانحالیکہ وہ اس اسم پر مقدم کیا گیا ہو اس طرح کہ فعل یا شبہ فعل اس کے ساتھ قائم ہو جیسے (قام زیدٌ اور زیدٌ قائمٌ أبوه)، اور فاعل کا اصل اور مقتضائے قلبی یہ ہے کہ وہ فعل کے ساتھ بلا فصل مذکور ہو، اس لئے (ضرب غلامَه زیدٌ) کی ترکیب جائز ہے، اور (ضرب غلامُه زیداً) کی ترکیب ناجائز ہے۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) مرفوعات میں سے فاعل کو مقدم کرنے کی وجہ۔

(۲) فاعل کی تعریف۔ (۳) تعریف کے اندر فوائد وقیود۔

(۴) احکام فاعل میں سے پہلا حکم یعنی اس کا محل وقوع۔

تمھید: مرفوعات کل آٹھ ہیں جن کو ہمارے پشتو کے ایک شاعر اور مشہور بزرگ سنڈا کئی بابا علیہ الرحمۃ نے اپنے دو شعروں میں جمع فرمایا ہیں جن کو کچھ ترمیم کے بعد یہاں پیش کرنا مناسب ہوگا:

اته دی مرفوعات واوره بیان که لرے حرص
خبر او مبتدا، خبر دَ لائے نفی جنس
فاعل دیے او نائب دَدَه خبر شه دَدِ فَنْ
اسمین دَ لیسَ کانَ، ما ولاَ خبر دَ إنَّ

پہلی بات: مرفوعات میں سے فاعل کو مقدم کرنے کی وجہ

فاعل کو دیگر مرفوعات کے مقابلے میں اس لئے مقدم فرمایا کہ جمہور علماء نحو کے ہاں یہ عمدہ ہوتا ہے اس لئے کہ یہ جملہ فعلیہ کا جزء ہوتا ہے، اور جملہ کا مقصد چونکہ مخاطب کو فائدہ پہنچانا ہوتا ہے اور یہ خاصیت جملہ فعلیہ میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے، اس لئے کہ اس میں جملہ اسمیہ کے بنسبت کچھ زیادتی یعنی نسبت إلی الزمان پائی جاتی ہے، اس لئے اس کو مقدم فرمایا۔

دوسری بات: فاعل کی تعریف

الفاعل: هو ما أسند إليه الفعل أو شبهه، وقدم عليه على جهة قيامه به: اس عبارت میں صاحب کافیہ نے فاعل کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ فاعل ہر وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی نسبت کی گئی ہو اس طریقہ پر کہ یہ دونوں یعنی فعل اور

شبہ فعل اس اسم سے صادر ہو چکے ہو (نہ یہ کہ اس پر واقع ہو چکے ہو) اور وہ دونوں اس سے مقدم بھی ہو، جیسے قامَ زیدٌ اور زیدٌ قائمٌ أبوہ۔

تیسری بات: تعریف کے اندر فوائد وقیود

کسی بھی چیز کی تعریف بیان کرنی ہو تو اس کو جامع مانع بنانے کے لئے ایک جنس اور اس کے بعد کچھ فصلیں قائم کی جاتی ہیں، یہاں فاعل کی تعریف کرتے ہوئے بھی علامہ ابن حاجبؒ نے ایک جنس اور تین فصلیں قائم کی ہیں، چنانچہ (الفاعل: هو ما أسند إليه الفعل أو شبهه، وقدم عليه على جهة قيامه به) میں (هو) کا مرجع یعنی (الفاعل) معرف ہے اور (ما اشتمل سے لیکر على جهة قيامه به) تک اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں (مــــا) کلمہ جنس ہے اس میں ہر قسم کے اسماء داخل ہو گئے، اس کے بعد (أسندَ إليه الفعل أو شبهه) فصل اول ہے اس سے وہ اسماء خارج ہو گئے جن کی طرف فعل کے بجائے اسماء کی نسبت ہو گئی ہو جیسے (زیدٌ أبوکَ) وغیرہ۔

(وقُدِّمَ عليه) فصل ثانی ہے اس سے ہر وہ اسم خارج ہو گیا جس کی طرف اگر چہ فعل کی نسبت ہو گئی ہو لیکن وہ اس سے مؤخر ہو جیسے زیدٌ ضربَ وعمروٌ قرأَ۔

على جهة قيامه به: فصل ثالث ہے اس سے فعل مجہول نکل گیا کیونکہ اس میں اگر چہ اسم کی طرف فعل کی نسبت ہوتی ہے اور اس سے مقدم بھی ہوتا ہے لیکن وہ فعل اس سے صادر نہیں ہوتا بلکہ اس پر واقع ہوتا ہے جیسے ضُربَ زیدٌ۔

چوتھی بات: احکام فاعل میں سے پہلا حکم یعنی اس کا محل وقوع

والأصل أن يلي الفعل: سے صاحب کتابؒ فاعل کا پہلا حکم بیان فرما رہے ہیں کہ اصل میں فاعل اپنے فعل کے ساتھ متصل ہو گا جیسے قامَ زیدٌ اور ضربَ غلامَہ زیدٌ۔

یہاں دوسری مثال پر اشکال ہو سکتا ہے کہ اس میں فاعل اپنے فعل کیساتھ متصل نہیں ہے؟ دوسرا یہ کہ اس میں اضمار قبل الذکر بھی لازم آ رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نہ تو اس میں فاعل اپنے فعل سے جدا ہے اور نہ اضمار قبل الذکر لازم آرہا ہے؛ اس لئے کہ (زیدٌ) جو (ضربَ) کا فاعل ہے اس کا مرتبہ مفعول سے مقدم ہے تو گویا کہ اصل میں عبارت یوں ہوگی ضربَ زیدٌ غلامَہ، تو فعل کیساتھ متصل بھی ہوگیا اور اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آیا؛ کیونکہ اضمار قبل الذکر وہ ممنوع ہے جو لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح لازم آرہا ہو لیکن یہاں اگرچہ لفظاً تو ہے لیکن رتبۃً نہیں ہے۔

وامتنع ضربَ غلامُه زیداً: فرمارہے ہیں کہ یہاں اگرچہ فعل اپنے فاعل کے ساتھ متصل ہے لیکن اس میں اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً دونوں طرح لازم آرہا ہے جو کہ جمہور علماء نحوؒ کے ہاں ممنوع ہے، لیکن امام اخفشؒ اور امام ابن جنیؒ جو الخصائص کے مصنف ہے ان کے ہاں یہ جائز ہے؛ کیونکہ ان دونوں حضرات کے نزدیک اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً دونوں جائز ہے، دلیل ان کی ایک شعر ہے:

جزی ربُّه عنّی عَدِیَّ بنَ حاتمٍ

جزاء الکلاب العادیات وقد فعلْ

ملاحظہ کیجئے یہاں کلمہ (ربُّــه) میں ضمیر کا مرجع عدی بن حاتم ہے جو کہ لفظاً ورتبۃً دونوں اعتبار سے مؤخر ہے۔

جمہورؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں ضرورت شعری کی وجہ سے اضمار قبل الذکر کو جائز قرار دیا گیا ورنہ عدم جواز کا قاعدہ اپنی جگہ برقرار ہے۔

درس (۳۱)

فاعل کے حکم ثانی اور ثالث کا بیان

وإذا انتفی الإعراب فیهما لفظاً والقرینة، أو کان مضمراً متصلاً، أو وقع مفعوله بعد إلاّ، أو معناها، وجب تقدیمه، وإذا اتصلَ

به ضمير مفعولٍ، أو وقعَ بعد إلاَّ، أو معناها، أو اتصل به مفعوله وهو غير متصل، وجبَ تأخيره.

ترجمہ: اور جب (فاعل اور مفعول) دونوں میں اعراب بھی منتفی ہو اور قرینہ بھی نہ ہو یا (فاعل) ضمیر مرفوع متصل (کی صورت میں) ہو یا اس کا مفعول إلا یا اس کے ہم معنی لفظ کے بعد واقع ہو تو اس (فاعل) کا مقدم کرنا واجب ہوگا، اور جب (فعل) کے ساتھ مفعول کی ضمیر متصل ہو یا مفعول إلا یا اس کے ہم معنی لفظ کے بعد واقع ہو تو اس (فاعل) کا مؤخر کرنا واجب ہوگا۔

تشریح: مذکورہ عبارت میں علامہ ابن حاجبؒ نے دو باتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) فاعل کا حکم ثانی یعنی وہ چار مواقع جہاں فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے۔

(۲) فاعل کا حکم ثالث یعنی وہ چار مواقع جہاں فاعل کو مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہے۔

پہلی بات: فاعل کا حکم ثانی

صاحب کتابؒ فرمار ہے ہیں کہ چار موقعوں پر فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے:

(۱) **وإذا انتفى الإعراب فيهما لفظاً والقرينة**: یعنی فاعل اور مفعول دونوں ایسے اسم ہوں جن پر اعراب لفظی بھی نہ ہو اور وہاں فاعل اور مفعول کو پہچاننے کے لئے کوئی قرینہ بھی نہ ہو تو ایسی جگہ فاعل کو مفعول پر مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ تو دونوں کے درمیان تمیز اور جدائی مشکل ہو جائے گی، یا ترجیح بلا مرجح لازم آئے گا، جیسے (ضـــــربَ موسى عيسى اور أعطى هؤلاء هؤلاء)۔

جہاں کوئی قرینہ موجود ہو اس کی مثال، مثلاً (ضربت موسی حبلی اور أکل موسی الکمثری)، پہلی مثال میں (حبلی) کی فاعلیت پر (ضربت) صیغہ واحدہ مؤنثہ غائبہ دلالت کررہا ہے؛ کیونکہ اگر (موسی) فاعل ہوتا تو فعل (ضربَ) ہوتا، تو گویا کہ یہ لفظی دلالت ہوگئی، اور دوسری مثال میں عقلی دلالت اور قرینہ یہ ہے کہ وہاں (موسی) کا فاعل بننا ہی متعین ہے؛ کیونکہ (الکمثری) میں فاعلیت کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔

(۲) أو کان مضمراً متصلاً: یعنی جب فعل کا فاعل ضمیر مرفوع متصل کی صورت میں ہو تو بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے، ورنہ تو ضمیر متصل کا منفصل بننا لازم آئے گا، جیسے ضربتُ زیداً۔

(۳) أو وقعَ مفعوله بعدَ إلا: جب مفعول إلاَّ کے بعد واقع ہو تو بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے (ماضربَ زیدٌ إلاَّ عمرواً)؛ کیونکہ ضابطہ ہے کہ (إلاَّ) اور اس کے ہم معنی حرف کا مابعد منحصر فیہ ہوتا ہے یعنی متکلم کا مقصد ایسی جگہ یہ ہوتا ہے کہ فاعل کی فاعلیت منحصر ہے اس مفعول میں اور مفعولیت کا حصر اس فاعل میں منحصر نہیں ہوا کرتا، اس کے بجائے فاعل کو اگر مؤخر کیا جائے تو اس کا برعکس لازم آجائے گا جو متکلم کے مقصد کے خلاف ہوگا۔

(۴) أو معناها: جب مفعول (إلاَّ) کے ہم معنی حرف کے بعد واقع ہو تو بھی فاعل کو مقدم کرنا واجب ہے جیسے (إنّما ضربَ زیدٌ عمرواً)، یعنی سوائے اس کے اور کوئی بات نہیں کہ زید نے صرف عمرو کو مارا ہے، یہاں اگر فاعل کے مقدم کرنے کو واجب نہ قرار دیا جائے تو ماقبل والی خرابی لازم آجائیگی۔

دوسری بات: فاعل کا حکم ثالث

صاحب کتاب نے فاعل کا تیسرا حکم یہ بیان فرمایا کہ چار موقعوں پر فاعل کا مؤخر کرنا واجب ہے:

(۱) **وإذا اتصل به ضمير مفعول:** یعنی جب فاعل کے ساتھ مفعول کی طرف راجع ہونے والی ضمیر متصل ہو تو فاعل کو مفعول سے مؤخر لانا واجب ہے جیسے (ضربَ زیداً غلامُه)، یہاں اگر فاعل کو مؤخر نہ کیا جائے تو اضمار قبل الذکر لفظاً ورتبۃً دونوں طرح کی خرابیاں لازم آجائیگی، جس کو صاحب کتابؒ نے (وامتنع ضربَ غلامُه زیداً) کہہ کر منع فرمایا ہے۔

(۲۔۳) **او وقع بعد إلّا او معناها:** دوسری اور تیسری جگہ جہاں فاعل کو مؤخر کرنا واجب ہے یہ ہے کہ فاعل (إلّا) یا اس کے ہم معنی لفظ کے بعد واقع ہو جیسے (ماضربَ زیداً إلّا عمروٌ اور إنما ضرب زیداً عمروٌ) یہاں پر فاعل کا مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ (إلّا) کے بعد فاعل ذکر کر کے متکلم کا مقصد مفعولیت کا حصر بتانا ہوتا ہے، ورنہ تو حصر مطلوبِ کا انقلاب یعنی مفعولیت کے بجائے فاعلیت کا حصر لازم آجائے گا۔

(۴) **او اتصل به مفعوله وهو غير متصل:** یا یہ کہ فعل کے ساتھ مفعول کی ضمیر لگی ہوئی ہو بشرطیکہ خود فاعل کی ضمیر اس کے ساتھ متصل نہ ہو جیسے (ضربکَ زیدٌ)، یہاں پر فاعل کا مؤخر کرنا اس لئے واجب ہے کہ اس صورت میں فاعل کا مقدم لانا ممکن ہی نہیں ہے، لیکن پھر بھی اگر مقدم لایا جائے تو ضمیر منصوب متصل کا منفصل بننا لازم آجائیگا۔

درس (۳۲)

فاعل کا حکم رابع یعنی اس کے فعل کو حذف کرنا

وقد يُحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً في مثل: زيدٌ لمَن قالَ: من قام؟

ولِيُبكَ يزيدُ ضارعٌ لخصومة ومختبطٌ مما تطيح الطّوائح

ووجوباً فی مثل: ﴿وإن أحدٌ من المشرکین استجارک﴾، وقد یُحذفان معاً فی مثل: نعم!، لمن قال: أقامَ زیدٌ؟.

ترجمہ: اور کبھی کبھار فعل کو حذف کردیا جاتا ہے بوجہ پائے جانے کسی قرینے کے جوازی طور پر، (زیدٌ) جیسی مثالوں میں، اس شخص کے جواب میں جو پوچھے کہ (من قام؟) اور (لیبک یزید ضارعٌ لخصومة) جیسی ترکیب میں، اور وجوباً حذف کیا جاتا ہے ﴿وإن أحدٌ من المشرکین استجارک﴾ جیسی ترکیب میں، اور کبھی کبھار فعل اور فاعل دونوں ایک ساتھ حذف کردئے جاتے ہیں (نعم!) جیسی مثالوں میں، اس شخص کے جواب میں جو پوچھے کہ (أقام زیدٌ؟)۔

تشریح: عبارت مذکورہ میں علامہ ابن حاجبؒ نے فاعل کا حکم رابع یعنی فاعل کے فعل کو حذف کرنا بیان فرمایا ہیں، چنانچہ ایسے کل تین موقعے ہیں جہاں فاعل کے فعل کو حذف کیا جاتا ہے، ان میں سے دو موقعوں پر اس کا حذف جائز اور ایک موقع پر واجب ہے۔

اس کی تفصیل سے قبل بطور تمہید کے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ قرینے کا معنی ہے (الأمر الدال علی تعیین الشیء) یعنی کسی چیز کی تعیین پر دلالت کرنے والی کسی چیز کا موجود ہونا، پھر اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **قرینہ مقالیہ:** یعنی محذوف کے حذف ہونے پر دلالت کرنے والی چیز کا تعلق قول سے ہو جو کہ سائل کا سوال بھی ہوسکتا ہے۔

(۲) **قرینہ حالیہ:** یعنی محذوف کے حذف ہونے پر متکلم یا مخاطب کی حالت دلالت کررہی ہو، اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) **وقد یُحذف الفعل لقیام قرینة:** یعنی جہاں فعل کی موجودگی پر کوئی قرینہ اور دلیل موجود ہو تو وہاں فعل کا حذف کرنا جائز ہے، اور وہ قرینہ اور دلیل یا تو سوال محقق ہوگا یا سوال مقدر، سوال محقق کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی کہے (من قامَ؟) تو جواب میں

صرف (زیدٌ) کہا جاتا ہے، اور فعل کے حذف کرنے پر قرینہ سائل کا سوال ہوتا ہے، کیونکہ سوال پورا جملہ ہے تو جوابیہ کلام بھی پورا جملہ ہونا چاہئے حالانکہ یہاں جواب مفرد کی شکل میں ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہاں کچھ نہ کچھ ضرور حذف ہوا ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے **المذکور فی السؤال کالموعود فی الجواب۔**

اور جہاں قرینہ سوال مقدر ہو اس کی مثال ایک شعر ہے جو کہ ضرار بن نہشل نے اپنے بھائی یزید بن نہشل کے مرثیہ میں پڑھا تھا:

لِیُبکَ یزیدُ ضارعٌ لخصومة ومختبطٌ مما تُطیح الطُّوائح

ترجمہ: چاہئے کہ رویا جائے یزید پر، وہ آدمی جو لڑائی سے عاجز آنے والا ہو، اور وہ آدمی جو بے وسیلہ سوال کرنے والا ہو، بوجہ حوادثات زمانہ کے ہلاک کرنے کے۔

محل استشهاد: محل استشہاد یہاں پر (ضارعٌ) ہے جو (یبکی) فعل کے لئے فاعل بن رہا ہے، اور (یبکی) فعل کے حذف ہونے کا قرینہ سوال مقدر ہے، وہ اس طرح کہ جب شاعر نے کہا کہ لِیبکَ یزیدٌ یعنی چاہئے کہ رویا جائے یزید پر، تو سوال پیدا ہوا کہ (من یبکی علیہ؟) یعنی کون اس پر روئے؟ تو شاعر نے جواب دیا کہ (ضارعٌ لخصومةٍ، ای: یُبکی علیه ضارعٌ لخصومة) تو گویا کہ یہاں پر حذف فعل کے لئے قرینہ سوال مقدر ہے۔

ترکیب: (لیبکَ) فعل امر غائب مجہول، (یزید) نائب فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا، (ضارعٌ) صیغہ اسم فاعل، (لخصومة) جار مجرور مل کر متعلق ہو جائینگے (ضارعٌ) صیغہ اسم فاعل کے ساتھ، (واؤ) حرف عطف، (مختبطٌ) صیغہ صفت، (مما) اس میں (من) حرف جار برائے تعلیل (ما) مصدریہ، (تطیح) فعل مضارع (الطوائح) اس کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر (ما) موصول کے لئے صلہ، موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا (مختبط) صیغہ اسم فاعل کے ساتھ، (مختبط) صیغہ اسم فاعل اپنے متعلق سے مل کر معطوف، (ضارعٌ)

معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر فعل مقدر (یبکی) کے لئے فاعل، فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ بنا۔

(۲) ووجوباً فی مثل: ﴿وإن أحدٌ من المشركين استجارك﴾:
فرمار ہے ہیں کہ ہر وہ مقام جہاں کوئی فعل جوازی طور پر حذف کیا جائے پھر اس کے حذف کرنے سے کلام میں ابہام پیدا ہو جائے، پھر اس ابہام کو دور کرنے کے لئے کوئی فعل بطور تفسیر کے لایا جائے، تو اب اس فعل مفسَّر لانے کی وجہ سے پہلے والے جوازی حذف شدہ فعل کا حذف ہونا وجوبی ہو جائے گا جیسے ﴿وإن أحدٌ من المشركين استجارك﴾ یہ اصل میں ﴿وإن استجارك أحد من المشركين فاجره﴾ تھا، یہاں فعل محذوف ماننے پر دو چیزیں دلالت کر رہی ہیں، ایک لفظی اور دوسری معنوی۔

معنوی یہ ہے کہ اگر ہم یہاں فعل محذوف نہ مانیں تو اس کا ترجمہ ہی غلط ہو جائے گا وہ اس طرح کہ (اگر مشرکین میں سے کوئی ایک، تو آپ اس کو امن دیدو)۔

اور لفظی یہ کہ یہاں (إن) حرف شرط اسم پر داخل ہو گیا ہے جبکہ یہ فعل کا خاصہ ہے، تو لازماً ہمیں ماننا پڑا کہ یہ اصل میں ﴿وإن استجارك أحد من المشركين فاجره﴾ تھا، لہٰذا اولاً اس سے ﴿استجارکَ﴾ فعل جوازاً حذف کر دیا گیا، تو کلام میں ابہام پیدا ہوا، اس ابہام کو دور کرنے کے لئے بعد میں ﴿استجارك﴾ فعل بطور تفسیر کے لایا گیا، تو اس کی وجہ سے پہلے والے فعل کا حذف وجوبی ہو گیا، ورنہ تو مفسّر اور مفسَّر کا اجتماع لازم آ جاتا جس کی عبارت یہ ہوتی (وإن استجارك أحدٌ من المشركين استجارك فاجره) اور اسی طرح دونوں کا جمع ہونا ناجائز ہے۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ مفسّر اور مفسَّر کا اجتماع ناجائز ہے حالانکہ (رأيتُ طالباً أي: أخوك)، اس میں تو دونوں جمع ہو گئے ہیں؟

جواب: ان دونوں کا جمع ہونا مطلقاً منع نہیں ہے بلکہ وہاں منع ہے جہاں پر ابہام حذف فعل کی وجہ سے پیدا ہوا ہو، اور آپ کے پیش کردہ مثال میں اگرچہ ابہام ضرور

ہے لیکن یہ نکرہ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ حذف فعل کی وجہ سے۔

عبارت میں (جوازاً، اور وجوباً) دونوں منصوب ہیں؛ اس لئے کہ صفت بن رہے ہیں مفعول مطلق محذوف کے لئے، مثلاً عبارت یہ بنے گی (وقد یحذف الفعل لقیام قرینة حذفاً جوازاً) اور (وقد یحذف الفعل لقیام قرینة حذفا وجوباً)۔

(۳) وقد یُحذفان معاً: یعنی ہر وہ سوال جس کا جواب ایجاب یا نفی کی صورت میں آرہا ہو تو جواب میں فعل اور فاعل دونوں کو ایک ساتھ حذف کرنا جائز ہے، جیسے کوئی سوال کرے (أقامَ زیدٌ؟) تو جواب میں یا تو صرف (نعم) کہا جائے یا صرف (لا)، اور چونکہ جوازی ہے اس لئے (نعم قام زیدٌ) کہنا بھی جائز ہے۔

درس (۳۳)

تنازع فعلان کا بیان

وإذا تنازع الفعلان ظاهراً بعد هما، فقد یکونُ فی الفاعلیة، مثل: ضربنی وأکرمنی زیدٌ، وفی المفعولیة، مثل: ضربتُ وأکرمتُ زیداً، أو فی الفاعلیة والمفعولیة مختلفین، فیختار البصریون إعمال الثانی والکوفیونَ الأول.

ترجمہ: اور جب تنازع کریں دو فعل اپنے بعد واقع ہونے والے اسم ظاہر میں، چنانچہ کبھی تو یہ تنازع اپنے لئے فاعل بنانے میں ہوگا جیسے (ضربنی وأکرمنی زیدٌ) اور کبھی اپنے لئے مفعول بنانے میں ہوگا جیسے (ضربتُ وأکرمتُ زیداً) اور کبھی فاعل اور مفعول بنانے میں ہوگا اس حال میں کہ دونوں فعل اقتضاء میں مختلف ہوں، پس بہتر سمجھتے ہیں بصریین دوسرے فعل کو عمل دینا اور کوفیین پہلے فعل کو عمل دینا۔

تشریح: آج کے درس میں علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ نحو کا مشہور باب تنازع

فعلین بیان فرما رہے ہیں، لہذا اس کے ضمن میں ہم چار باتیں عرض کریں گے:

(۱) تنازع فعلین کی تعریف۔

(۲) مصنفؒ کی مذکورہ عبارت کی توضیح اور فوائد وقیود۔

(۳) تنازع فعلین کی صورتیں۔ (۴) بصریین اور کوفیین کا اختلاف۔

پہلی بات: تنازع فعلان کی تعریف

تنازع فعلین اس کو کہتے ہیں کہ کلام میں دو یا دو سے زیادہ فعل ہوں اور ان کے بعد آخر میں ایک اسم ظاہر، اس اسم ظاہر میں بھی ماقبل والے افعال کے لئے علی سبیل البدلیت معمول بننے کی صلاحیت ہو اور ان افعال میں سے بھی ہر ایک یہ تقاضا کر رہا ہو کہ یہ میرا معمول بن جائے، تو اس طرح (ہر فعل کا اس اسم کے بارے میں تقاضا کرنا) اس کو اصطلاح نحو میں تنازع فعلین کہتے ہیں۔

دوسری بات: عبارت کی توضیح اور اس کے فوائد وقیود

وإذا تنازع الفعلان ظاهراً بعد هما:

(۱) مصنفؒ نے یہاں پر (وإذا تنازعَ) فرمایا یہاں اس کا اصطلاحی معنی مراد ہے (یعنی بعد میں آنے والے اسم کے بارے میں ہر فعل کا اپنے لئے معمول بننے کا تقاضا کرنا) ورنہ اس کا اگر لغوی معنی (باہم جھگڑا کرنا) مراد لیا جائے تو وہ اس لئے غلط ہے کہ وہ خاص ہے ذی روح اشیاء کے ساتھ۔

(۲) الفعلان: فعلان کہہ کر اس میں صرف افعال کے تنازع کا ذکر کیا؛ کیونکہ عوامل میں سب سے قوی تر عامل فعل ہوا کرتا ہے، لہذا اقوی کے ذکر کرنے سے باقی یعنی شبہ فعل کا ذکر تبعاً آجائے گا؛ اس لئے کہ اس میں بھی تنازع ہوسکتا ہے مثلاً (زیدٌ ضاربٌ ومكرمٌ بكراً، وبكرٌ شريف و كريمٌ أبوه)۔

اسی طرح (الفعلان) میں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ مصنفؒ نے (فعلان) کہہ کر

اقل درجہ کی طرف اشارہ فرمایا ہیں ورنہ دو سے زیادہ افعال میں بھی تنازع ہوتا ہے جیسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ میں ہے (تُسبّحون وتُحمّدون وتُكبّرون دُبُرَ كلِّ صلاةٍ ثلاثا وثلاثين)، ان میں سے ہر فعل (دُبُرَ) کو اپنے لئے مفعول بنانے کا تقاضا کررہا ہے، اوراسی طرح (كما صليت وسلّمت وباركت ورحِمتَ وترحّمتَ على إبراهيم)، ان پانچ افعال میں سے بھی ہرایک (على إبراهيمَ) کو اپنے لئے مفعول بہ بنانے کا تقاضا کررہا ہے، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ تنازع صرف دوفعلوں کا نہیں بلکہ زیادہ کا بھی ہوسکتا ہے۔

(۳) ظاهراً: یہ کہہ کراس طرف اشارہ فرمایا کہ تنازع فعلین اسم ظاہر ہی میں ہوگا اسم ضمیر میں نہیں ہوگا، اس لئے کہ وہ جس فعل کے ساتھ متصل ہوگا بالاتفاق اسی کا معمول بنے گا۔

(۴) بعدهما: کہہ کراشارہ کیا کہ اسم ظاہر اگرافعال کے شروع میں ہو یا درمیان میں ہوتو وہاں بھی تنازع نہیں ہوگا کیونکہ شروع میں ہوتو اس کا مبتداء ہونا ظاہر ہے اور درمیان میں ہوتو بالاتفاق ماقبل والے فعل کے لئے یا تو فاعل بنے گا یا مفعول۔

تیسری بات: تنازع فعلین کی صورتیں

(فقد يكون في الفاعلية) سے لے کر (أو في الفاعلية والمفعولية مختلفين) تک پوری عبارت میں مصنف علامؒ نے تنازع کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) دونوں فعل مابعد والے اسم کے بارے میں اپنے لئے فاعلیت کا تقاضا کر رہے ہوں جیسے (ضربني وأكرمني زيدٌ)۔

(۲) دونوں فعل مابعد والے اسم کے بارے میں اپنے لئے مفعولیت کا تقاضا کر رہے ہوں جیسے (ضربتُ وأكرمتُ زيداً)۔

(۳) پہلا فعل فاعلیت کا تقاضا کررہا ہو اور دوسرا مفعولیت کا جیسے (ضربني

واکرمتُ زیداً)۔

(۴) اس کا برعکس یعنی پہلا فعل مفعولیت کا تقاضا کر رہا ہو اور دوسرا فاعلیت کا جیسے (ضربتُ واکرمنی زیدٌ)۔

چوتھی بات: بصریین اور کوفیین کا اختلاف

ایسے تو کوفیین اور بصریین دونوں حضرات کا اس پر اتفاق ہے کہ دونوں فعلوں میں سے کسی بھی فعل کو عمل دینا جائز ہے، البتہ اختلاف صرف افضل اور غیر افضل میں ہے، چنانچہ کوفیین حضرات کے ہاں فعل اول کو اور بصریین حضرات کے ہاں فعل ثانی کو عمل دینا افضل ہے۔

نکتہ: بعض طلبہ کو اشتباہ پڑ جاتا ہے کہ بصریین کونسے فعل کو عمل دیتے ہیں اور کوفیین کونسے کو تو اس کے لئے آسان سی نشانی ذہن میں بٹھالیں کہ لفظ کوفیین میں فاء آرہی ہے اور لفظ (پہلے) میں پاء آرہی ہے تو فاء کی مناسبت پاء کے ساتھ لگاؤ اور کہو کہ کوفیین کے پہلے فعل کو عمل دینا مختار اور پسندیدہ ہے، اور بصریین میں (صاد) آرہا ہے اور لفظ (دوسرے) میں سین آرہا ہے تو صاد کی مناسبت سین کے ساتھ لگاؤ اور کہو کہ بصریین کے ہاں دوسرے فعل کو عمل دینا مختار اور پسندیدہ ہے۔

کوفیین کے دلائل یہ ہیں: (الأول فالأول، اور الفضل للمتقدّم، اور الأول أسبق الطالبين فهو أولى بإعطاء المطلوب)۔

ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ اگر فعل ثانی کو عمل دینگے اور اول میں ضمیر کو فاعل بنائیں گے تو اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے، اس کے علاوہ امرأ القیس کے شعر کو بھی بطور استدلال کے یہ لوگ پیش کر رہے ہیں، جو آگے آرہا ہے۔

اور بصریین کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اگر فعل اول کو عمل دینگے تو عامل اور معمول کے درمیان اجنبی کا فاصلہ لازم آئے گا جو کہ ناپسندیدہ ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فعل اول پر قبل تمامہ بالفاعل یعنی اپنے فاعل کے ساتھ تمام ہونے سے پہلے پہلے دوسرے جملے کا عطف لازم آئے گا، جبکہ یہ فصحاء کے ہاں ناپسندیدہ ہے جیسے ضربنی واکرمنی زیدٌ۔

تیسری یہ کہ قرآن کریم اور کتب عربیہ کے رسم الخط سے بھی فعل ثانی کو عمل دینا معلوم ہوتا ہے، جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿هَاؤُمُ اقْرَأُوْا كِتَابِيَهْ﴾، یہاں اگر فعل اول کو عمل دیتے تو ﴿اقراوہ﴾ ہوتا؛ کیونکہ ﴿کتابیہ﴾ تو پہلے فعل کے لئے مفعول بہ بن جاتا۔

دوسری جگہ بھی ارشاد باری عزاسمہ ہے: ﴿آتُوْنِيْ أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْراً﴾، یہاں بھی فعل ثانی کو عمل دیا گیا ہے، کیونکہ اگر پہلے والے فعل کو عمل دینگے تو معنی ہی غلط ہو جائیگا۔

چوتھی یہ کہ فصحاء اہل عرب کے ہاں بھی فعل ثانی کو عمل دینا مروّج ہے، اور صاحب کافیہؒ کے طرز سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے؛ کیونکہ اگر آپ غور سے دیکھیں گے تو ساری مثالوں میں انہوں نے بھی فعل ثانی کے اقتضاء کے موافق اسم ظاہر پر اعراب لگایا ہے۔

درس (۳۴)

فعل ثانی کو عمل دینے کی صورت میں قطع تنازع

فإن أعملت الثاني أضمرت الفاعل في الأول على وفق الظاهر دون الحذف، خلافاً للكسائي، وجاز خلافاً للفراء، وحذفت المفعول إن استغني عنه، وإلاّ أظهرت.

ترجمہ: پس اگر آپ نے دوسرے فعل کو (اسم ظاہر میں) عمل کا موقع دیدیا تو پہلے فعل میں اسم ظاہر کے موافق فاعل کی ضمیر مانوگے، نہ یہ کہ آپ اسے حذف کردے، برخلاف امام کسائی رحمہ اللہ کے، اور جائز ہے فعل ثانی کو عمل دینا برخلاف امام فراء رحمہ اللہ کے، اور حذف کروگے مفعول کو اگر اس کا ذکر ضروری نہ ہو ورنہ ذکر کر کے اس کو ظاہر

کروگے۔

تشریح: عبارت مذکورہ میں تین باتیں ہیں:

(۱) بصریین کے نزدیک فعل اول کا فاعل کے تقاضا کرتے وقت قطع تنازع۔

(۲) امام کسائی اور امام فراء کا جمہور سے اختلاف۔

(۳) فعل اول کا مفعول کے تقاضا کرتے وقت قطع تنازع۔

پہلی بات: بصریین کے نزدیک فعل اول کا فاعل کے تقاضا کرتے وقت قطع تنازع

صاحب کتابؒ جب کوفیین اور بصریین کے اختلاف کو بیان کر چکے، تو یہاں سے قطع تنازع کی تفصیل اور اس کے ضمن میں امام کسائی اور امام فراء کا جمہور سے اختلاف بیان فرمارہے ہیں، چونکہ علامہ ابن حاجبؒ کے ہاں بصریین کا قول راجح ہے اس لئے اختلاف بیان کرتے ہوئے بھی اس کو مقدم فرمایا تھا اور اب قطع تنازع کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بھی اسی کو مقدم فرمایا۔

فإن أعملت الثاني: فرمایا کہ بصریین کے مذہب کے مطابق اگر فعل ثانی کو عمل دیا جائے تو اس کو تو معمول مل گیا لیکن مسئلہ پہلے والے فعل کا ہے، اس کو دیکھیں گے کہ وہ فاعل کا تقاضا کر رہا ہے یا مفعول کا، اگر فاعل کا تقاضا کر رہا ہو تو ہمارے پاس مسئلے کے حل کے لئے تین طریقے ہیں:

(۱) فاعل کو سرے سے حذف کرنا۔ (۲) اس کو ذکر کرنا۔

(۳) اس کی ضمیر لے کر آنا۔

حذف تو کر نہیں سکتے؛ اس لئے کہ فاعل عمدہ ہوتا ہے اور عمدہ کا حذف بغیر اس کے قائمقام کے ناجائز ہے، اسی کو صاحب کتابؒ نے (دون الحذف) سے تعبیر فرمایا ہیں یعنی حذف تو نہیں کر سکتے۔

اور اس کو ذکر بھی نہیں کر سکتے اس لئے کہ ذکر کرنے میں تکرار لازم آئے گا جیسے (ضربنی زیدٌ واکرمنی زیدٌ)، جو فصحاء کے ہاں ایک قبیح عمل ہے، اس لئے کہ اس میں سامع کو شبہ ہوگا کہ (ضربنی) کا فاعل کوئی اور زید ہے اور (اکرمنی) کا کوئی اور، حالانکہ یہ واقع کے خلاف ہے؛ اس لئے کہ اسم ظاہر تو ایک ہی تھا ورنہ تو تنازع ہی نہ ہوتا۔

لہذا جب حذف اور ذکر دونوں نامناسب ہیں تو اضمار ہی متعین ہوگیا، اسی کو صاحب کتابؒ نے کہا ہے کہ (أضمرتَ الفاعل فی الأول) یعنی پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر مان لیں گے۔

(علی وفق الظاهر): فرمایا کہ وہ ضمیر بھی بعد میں آنے والے اسم ظاہر کے موافق ہو، کیونکہ اس کا مرجع وہی اسم ظاہر ہوگا اور راجع اور مرجع میں مطابقت ضروری ہے، اس لئے اس کو اس کے مطابق لایا جائے گا جیسے (ضربنی واکرمنی زیدٌ) اس میں (زیدٌ، اکرمنی) کا فاعل ہوگا اور (ضربنی) میں (هو) ضمیر نکال کر فاعل بنائینگے جس کی تفسیر (زیدٌ) کے ذریعے ہورہی ہے، رہا اضمار قبل الذکر کا مسئلہ، تو وہ بے شک ناجائز ہے لیکن عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے جیسا کہ ﴿قل هو الله أحد﴾ میں ہے۔

دوسری بات: امام کسائی اور امام فراء کا جمہور سے اختلاف

خلافاً للکسائی: بصریین حضرات نے بڑی محنت کے ساتھ دونوں فعلوں کے تنازع کو ختم کر کے فعل ثانی کو عمل اور فعل اول کو ضمیر دے کر راضی کرلیا تھا لیکن امام کسائیؒ نے آکر فعل اول کو ضمیر دینا باطل قرار دیدیا، اور کہا کہ اس سے اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو امام کسائیؒ کے ہاں ہر صورت میں ناجائز ہے، اور ذکر سے تکرار لازم آئے گا، لہذا ایک ہی صورت رہ گئی یعنی اس کو حذف کرنا، لہذا امام کسائیؒ نے اس کو حذف کیا؛ اس لئے کہ وہ عمدہ ہوتا ہے اور عمدہ کا محذوف ہونا بھی گویا کہ مذکور اور ملفوظ کے حکم میں ہوتا ہے۔

امام کسائیؒ اور بصریینؒ کے ہاں ثمرہ اختلاف اس صورت میں ظاہر ہوگا جب بعد

والا اسم ظاہر تثنیہ یا جمع کا صیغہ ہو، مثلاً تثنیہ کی صورت میں بصریین کہتے ہیں (ضربانی واکرمت الزیدَین)، اور امام کسائیؒ کہیں گے (ضربنی واکرمت الزیدَین)، اسی طرح جمع میں بصریین کہتے ہیں (ضربونی واکرمت الزیدِینَ)، اور امام کسائیؒ کہیں گے (ضربنی واکرمت الزیدِینَ) یعنی فعل اول کے فاعل کو حذف کرتے ہیں۔

وجاز: یہ بطور جملہ معترضہ یا بطور تمہید کے کہدیا اس لئے کہ آگے امام فراءؒ کا قول اس کے مخالف آرہا ہے، تو (جاز) میں فرمایا کہ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ اگرچہ فعل اول فاعل کا تقاضا کر رہا ہو پھر بھی فعل ثانی کو عمل دینا جائز ہے۔

خلافاً للفراء: لیکن امام فراءؒ فرماتے ہیں کہ جناب! آپ حضرات کا اس صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا سرے سے باطل ہے؛ کیونکہ اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ جب فعل اول ایک عمدہ چیز (یعنی فاعل) کا تقاضا کر رہا ہو تو ایسی صورت میں فعل ثانی کو عمل نہیں دیا جاسکتا؛ اس لئے کہ فعل ثانی کو عمل دینے اور فعل اول میں ضمیر ماننے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، اور حذف کی صورت میں عمدہ کا حذف لازم آئے گا؛ اور اظہار میں تکرار لازم آئے گا، لہذا جب تینوں ناجائز ہوگئے تو نتیجہ یہ نکل آیا کہ ایسی صورت میں فعل ثانی کو عمل دینا ہی ناجائز ہے۔

تیسری بات: فعل اول کا مفعول کے تقاضا کرتے وقت قطع تنازع

وحذفت المفعول إن استغنی عنه: فرمارہے ہیں کہ اگر فعل اول اسم ظاہر کو مفعول بنانے کا متقاضی ہو تو دیکھیں گے فعل اول افعال قلوب میں سے ہے یا نہیں، اگر افعال قلوب میں سے نہ ہو تو گویا کہ وہ مفعول سے مستغنی ہوگا، اسی کو صاحب کتابؒ نے (إن استغنی عنه) سے تعبیر فرمایا ہیں، لہذا اس کے مفعول کو حذف کرلیں گے؛ اس لئے کہ ضمیر لانے کی صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئے گا، اور اظہار کی صورت میں تکرار کی قباحت لازم آئیگی، رہا اس کو حذف کرنا تو وہ جائز ہے اس لئے کہ فضلہ ہے (والفضلة لا بأس

بحذفها) جیسے (ضربتُ وأکرمتُ زیداً)۔

وإلاَّ أظهرت: یعنی اگر فعل اول جو مفعول کا متقاضی ہے وہ مفعول سے مستغنی نہ ہو یعنی افعال قلوب میں سے ہو جیسے (حسبني وحسبتُ زیداً منطلقاً) تو یہاں بھی عقلی طور پر تین صورتیں ہیں: اضمار اظہار اور حذف، اضمار کی صورت میں فضلہ کا اضمار قبل الذکر لازم آئے گا جو کہ نا جائز ہے، اور حذف بھی صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ افعال قلوب کا کوئی مفعول حذف نہیں کیا جا سکتا، لہذا اس کا ظاہر کرنا ہی متعین ہو گیا، اسی کو صاحب کتابؒ نے (وإلاَّ أظهرتَ) سے تعبیر فرمایا ہیں جیسے مذکورہ مثال کو اس طرح پڑھا جائے گا (حسبني منطلقاً وحسبتُ زیداً منطلقاً)۔

ملاحظہ کیجئے یہاں (حسبني) کو فاعل اور ایک مفعول کی ضرورت تھی جس کے لئے وہ (زیدٌ) کو اپنے لئے فاعل اور (منطلقاً) کو مفعول بنانے کا تقاضا کر رہا تھا، اور (حسبتُ) کو دو مفعولوں کی ضرورت تھی جس کے لئے وہ (زیدٌ) اور (منطلقاً) دونوں کو اپنے لئے مفعول بنانے کا تقاضا کر رہا تھا، لہذا عمل فعل ثانی کو دیکر اول میں فاعل کی ضمیر مان لی، جس کی تفصیل گذر گئی ہے، اس کے بعد دوسرے مفعول کے لئے بعد والے اسم ظاہر یعنی (منطلقاً) کی طرح دوسرا (منطلقاً) ظاہر کر کے اس کے لئے مفعول بنا دیا، تو (حسبني منطلقاً وجسبتُ زیداً منطلقاً) بن گیا۔

درس (۳۵)

فعل اول کو عمل دینے کی صورت میں قطع تنازع

وإن أعملت الأول أضمرتَ الفاعل في الثاني، والمفعول على المختار إلاَّ أن يمنعَ مانعٌ فتظهر، وقول امرئ القيس: (كفاني ولم أطلب قليلٌ من المال)، ليس منه؛ لفساد المعنى.

ترجمہ: اور اگر آپ نے پہلے فعل کو عمل دیا تو فعل ثانی میں فاعل کی ضمیر مانو گے اور مفعول کی بھی مختار قول میں، مگر یہ کہ کوئی مانع ہو ضمیر ماننے سے، تو ظاہر کرو گے، اور امرئ القیس کا قول (کفانی ولم أطلب قلیلٌ من المال) تنازع فعلان کے بحث سے نہیں ہے، بوجہ معنی کے خرابی کے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) کوفیین کے ہاں فعل اول کا فاعل کے تقاضا کرتے وقت قطع تنازع۔

(۲) فعل ثانی کا مفعول کے چاہتے وقت قطع تنازع۔

(۳) شعر کی تشریح اور اس میں عدم تنازع۔

پہلی بات: کوفیین کے ہاں فعل اول کا فاعل کے تقاضا کرتے وقت قطع تنازع

بصریین کے ہاں فعل ثانی کو عمل دے کر قطع تنازع اور اس کے ضمن میں امام کسائی اور امام فراء کا جمہور سے اختلاف کو مصنفؒ نے جامع اور مانع انداز میں دریا بکوزے کے مانند ماقبل کے چند کلمات میں بیان فرمایا، اب یہاں سے کوفیین کے ہاں رفع تنازع کی تفصیل بیان فرما رہے ہیں، تو فرمایا کہ:

وإن أعملت الأول: اگر آپ نے کوفیین کے مذہب کے موافق فعل اول کو عمل دیدیا تو پھر ہم فعل ثانی کو دیکھیں گے کہ وہ فاعل کا متقاضی ہے یا مفعول کا، اگر وہ فاعل کا متقاضی ہو یعنی بعد والے اسم ظاہر کو اپنے لئے فاعل بنانا چاہتا ہو تو قطع تنازع کی صورت یہ ہوگی کہ فعل ثانی کے فاعل کو یا تو حذف کرنا پڑے گا جو کہ قبیح ہے؛ کیونکہ اس میں عمدہ کا حذف لازم آئے گا، یا اس کو ذکر کرنا پڑے گا جس سے تکرار لازم آئے گا، لہذا اضمار ہی متعین ہو گیا جس کو مصنفؒ نے (وأضمرت الفاعل فی الثانی) سے تعبیر فرمایا ہیں، جیسے (ضربنی وأکرمنی زیدٌ، وضربنی وأکرمانی الزیدان، وضربت

واکرمنی زیداً، وضربتُ واکرمانی الزیدَین)۔

رہا اضمار قبل الذکر کا اشکال؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اضمار قبل الذکر جب لفظاً اور رتبۃً دونوں اعتبار سے لازم آرہا ہو تب وہ ناجائز ہوتا ہے، یہاں اگرچہ لفظاً تو ہے لیکن رتبۃً نہیں ہے؛ کیونکہ وہ فاعل کی ضمیر ہے اور فاعل کا رتبہ مفعول سے مقدم ہوتا ہے۔

دوسری بات: فعل ثانی کا مفعول چاہتے وقت قطع تنازع

والمفعول علی المختار: صاحب کتاب فرمار ہے ہیں کہ کوفیین کے مذہب کے مطابق اگر آپ نے فعل اول کو عمل دیدیا، اور فعل ثانی مفعول کا تقاضا کررہا ہو تو دیکھیں گے کہ آیا وہ افعال قلوب میں سے ہے یا عام افعال میں سے، اگر تو عام افعال میں سے ہو تو ہمارے پاس قطع تنازع کی دو صورتیں ہیں: اضمار اور حذف، اور وہ دونوں جائز ہیں، حذف کرنا اس لئے جائز ہے کہ فضلہ کا حذف کرنا جائز ہے جیسے (ضربنی واکرمتُ زیدٌ).

اور اضمار بھی جائز بلکہ بہتر اور اولی ہے، اس لئے کہ ضمیر لانے کی صورت میں مخاطب پر متکلم کی مراد ظاہر ہو جائے گی جیسے (ضربتُ واکرمته زیداً)، اس سے مخاطب کو یہ معلوم ہوگا کہ مارا بھی زید کو گیا ہے اور اکرام بھی زید کا ہوا ہے، لیکن اگر ہم اس کو حذف کردے جیسے (ضربتُ واکرمتُ زیداً وضربنی واکرمتُ زیدٌ)، تو اس سے مخاطب کو مذکورہ فائدہ حاصل نہیں ہوگا، لہذا اس سے معلوم ہوا کہ حذف کے بجائے اس کی ضمیر لانا علماءِ نحو کے ہاں اولی اور بہتر ہے، جیسے (ضربتُ واکرمته زیداً وضربنی واکرمته زیدٌ)۔

إلاأن یمنع مانعٌ: فرماتے ہیں کہ اگر اس مفعول کو حذف کرنے سے کوئی مانع موجود ہو یعنی فعل ثانی افعال قلوب میں سے ہو تو وہاں حذف کرنا تو جائز نہیں اس لئے کہ افعال قلوب دو مفعولوں کو چاہتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی حذف نہیں کیا جاسکتا۔

اور ضمیر لانا بھی صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو مفرد کی ضمیر لائیں گے یا تثنیہ کی، مفرد کی ضمیر لانے کی صورت میں راجع اور مرجع (یعنی إیاہ اور منطلقاً) کے درمیان مطابقت تو ہوگی لیکن دوسرے فعل کے دونوں مفعولوں (یعنی حسبتھما کے ھما اور إیاہ) میں مطابقت نہیں رہے گی جیسے (حسبني و حسبتھما اياہ الزيدان منطلقاً)، اور اگر تثنیہ کی ضمیر لے کر آئینگے تو فعل ثانی کے دونوں مفعولوں میں اگرچہ مطابقت تو آجائیگی لیکن راجع اور مرجع (إیاھما اور منطلقاً) میں مطابقت نہیں رہے گی جیسے (حسبني وحسبتھما إیاھما الزیدان منطلقاً)۔

لہذا جب فعل ثانی کے دوسرے مفعول کا حذف بھی جائز نہیں اور اس کی ضمیر بھی جائز نہیں تو سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں رہا کہ اس کو ذکر کیا جائے گا، اسی کو مصنفؒ نے (إلاّ أن يمنع مانعٌ فتظھر) سے تعبیر فرمایا ہیں، لہذا اب اس کی عبارت یوں بن جائیگی (حسبني وحسبتھما منطلقين الزيدان منطلقاً)۔

تیسری بات: شعر کی تشریح اور اس میں عدم تنازع

یہ امرؤ القیس کا شعر ہے جس کی پوری عبارت یہ ہے:

ولو أنما أسعى لأدنى معيشة كفاني ولم أطلب قليلٌ من المال

اس شعر کو کوفیین حضرات اپنے مدعی کے لئے بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں کہ یہاں اسم ظاہر (قليلٌ) میں (کفاني اور لم أطلب) کا تنازع ہے اور عمل فعل اول یعنی (کفاني) کو دیا گیا ہے؛ کیونکہ (قليلٌ) مرفوع ہے۔

لیکن صاحب کتابؒ نے بصریین حضرات کا ترجمان بن کے (ليس منه لفساد المعنى) کہہ کر کوفیین کو جواب دیا کہ مذکورہ شعر کا تعلق باب تنازع سے سرے سے نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس کو اگر ہم باب تنازع سے مان لیں تو اس کا معنی غلط ہو جائے گا، وہ اس طرح کہ (لَوْ) کے بارے میں یہ اصول اور قاعدہ ہے کہ یہ جملہ مثبتہ (چاہے وہ شرط ہو یا

جزاء) کومنفیہ اور جملہ منفیہ کومثبتہ بنادیتا ہے، لہذا اس نے (إنما أسعى) جملہ مثبتہ کو جملہ منفیہ بنالیا ہے، اور (لم أطلب) جملہ منفیہ کو مثبتہ بنالیا؛ کیونکہ اس کا عطف (إنما أسعى) کے اوپر ہے، لہذا اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا:

اگر میں کوشش کرتا ادنی معیشت کے لئے تو میرے لئے تھوڑا سا مال کافی ہوجاتا لیکن میں طلب کرتا ہوں تھوڑا سا مال۔

لہذا صاحب کتاب فرمارہے ہیں کہ یہ باب تنازع سے نہیں ہے بلکہ (قلیلٌ) متعینہ طور پر (کفانی) کا فاعل ہے اور (لم أطلب) کا مفعول محذوف ہے اور وہ ہے (المجد المؤثل) جس پر اگلا شعر دلالت کررہا ہے:

ولكنما أسعى لمجد مؤثل

وقد يدرك المجد المؤثل أمثالي

لہذا اس صورت میں صحیح ترجمہ یہ بنے گا: میں ادنی معیشت کے لئے کوشش نہیں کرتا؛ کیونکہ کم مال میرے لئے کافی نہیں، لیکن میں کوشش کرتا ہوں دائمی بزرگی کی، اور یقینی بات ہے کہ کبھی میرے جیسے لوگ بھی دائمی بزرگی پالیتے ہیں۔ والله أعلم وعلمه أتم وأكمل.

درس (۳۶)

مفعول مالم یسم فاعلہ کا بیان

مفعول ما لم يسم فاعله: كل مفعولٍ حُذف فاعله وأقيم هو مقامه، وشرطه: أن تغيّر صيغة الفعل إلى فُعِلَ أو يُفْعَلُ، ولا يقع المفعول الثاني من باب علمتُ، والثالث من باب أعلمت، والمفعول له، والمفعول معه كذلك.

ترجمہ: مرفوعات میں سے دوسرا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے (اور) وہ ہر وہ مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کردیا گیا ہو اور اسی کو اس کا قائمقام بنایا گیا ہو، اور اس کے قائمقام بننے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کا وزن (فُعِلَ یا یُفْعَلُ) کی طرف منتقل ہو جائے، اور باب (علمت) کا دوسرا مفعول اور باب (أعلمت) کا تیسرا مفعول، اور مفعول لہ، اور اسی طرح مفعول معہ نائب فاعل نہیں بن سکتے۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف۔

(۲) (ھو) ضمیر پر اعتراض اور اس کا جواب۔

(۳) مفعول کا نائب فاعل بننے کے لئے شرط۔

(۴) وہ اسماء جو نائب فاعل نہیں بن سکتے۔

پہلی بات: مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف

مفعول مالم یسم فاعلہ کا لغوی معنی اس کے نام سے ہی ظاہر ہے، یعنی ایسے فعل کا مفعول جس کے فاعل کا نام نہ لیا گیا ہو۔

اصطلاحی معنی خود صاحب کتاب بیان فرمارہے ہیں (**مفعول ما لم یسم فاعله: کل مفعولٍ حُذفَ فاعله وأقیم ھو مقامه**) کہ مفعول مالم یسم فاعلہ ہر وہ مفعول ہے جس کے فاعل کو حذف کردیا گیا ہو اور خود اِس کو اُس کا قائمقام بنادیا گیا ہو جیسے (کَتَبَ خالدٌ الدرسَ) اس کے فاعل (سعیدٌ) کو جب حذف کردیا گیا تو (الدرس) کو اس کا قائمقام بنا کر اصل کا اعراب اس کو دیا گیا، اور ماقبل والے فعل کا فاعل اب معلوم نہیں رہا اس لئے اس کو مجہول (کُتِبَ) بنایا گیا تو عبارت یہ بن گئی: (کُتِبَ الدرسُ) اب دیکھئے (الدرسُ) ایسا مفعول ہے جس کا فاعل مذکور نہیں ہے اس لئے ہم نے اس کا نام رکھا (**مفعول ما لم یسم فاعله**) یعنی وہ مفعول جس کے فاعل کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

لیکن پھر ہم نے سوچا کہ پوری دنیا میں ایسا کوئی فعل اور مفعول تو ہے نہیں جس کا فاعل نہ ہو ورنہ یہ تو (دہریوں) کا عقیدہ ہو جائے گا، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آسمان اور زمین اور ساری چیزیں خود بخود بنیں ہوئیں ہیں اور کائنات کا یہ پورا نظام خود بخود چل رہا ہے، میں کہتا ہوں کہ میرے عزیز طلبہ! آپ کو اگر کسی ایسے آدمی سے واسطہ پڑ جائے اور وہ آپ کے سامنے یہی دعوی کرے تو آپ فوراً ایک زوردار قسم کے طمانچے کا تحفہ اس کے منحوس چہرے پر لگائیں، وہ حیران ہو کر آپ سے پوچھے گا کہ یہ کیوں؟ تو آپ کہہ دو جناب! یہ بھی تو خود بخود لگ گیا، اگر وہ کہے کہ طمانچہ خود تو نہیں لگ سکتا، تو آپ جواب دو کہ جب ایک طمانچہ خود بخود نہیں لگ سکتا تو اتنی بڑی کائنات خود بخود کیسی بنی ہے اور خود کیسی چل رہی ہے؟۔

تو (کُتِبَ اور الدرسَ) کو دہریوں کے عقیدے سے بچانے کے لئے ہم نے (الدَّرسَ) کو اس کے فاعل کی جگہ لا کر اس کا قائمقام اور نائب بنایا؛ اسی لئے اس کو نائب فاعل کہتے ہیں، اور جو حکم اصل کا ہوتا ہے وہی اس کے نائب کا بھی ہوتا ہے تو فاعل کا حکم یہ ہے کہ وہ مرفوع ہو گا لہذا یہ بھی مرفوع ہو گا اور یوں پڑھا جائے گا: (کُتِبَ الدَّرسُ)۔

دوسری بات: (ھو) ضمیر پر اعتراض اور اس کا جواب

فاضل مصنفؒ نے مفعول مالم یسم فاعلہ کی تعریف بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ (واقیم ھو مقامہ) اس پر اشکال یہ ہے کہ جناب! (اُقِیمَ) فعل مجہول میں (ھو) ضمیر مرفوع متصل ہے اور ضمیر متصل کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ تب لائی جاتی ہے جب اس پر کسی اور چیز کا عطف ڈالنا مقصود ہو جیسا کہ قرآن مجید میں ہے ﴿اسکن أنتَ وزوجک الجنةَ﴾، لیکن یہاں باوجود اس کے کہ (اُقیمَ) کی ضمیر مستتر پر کوئی عطف نہیں پڑ رہی اور پھر بھی اس کی تاکید ضمیر منفصل کی شکل میں لائی گئی ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ضمیر کے ساتھ اس طرح تاکید ہم نہ لاتے تو شبہ ہو سکتا تھا کہ (اُقیمَ) فعل مجہول کا نائب فاعل (مقامہ) ہے؛ کیونکہ یہ قریب ہے اور قاعدہ ہے کہ

قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف ضمیر نہیں لوٹ سکتی، لیکن اس کے باوجود یہاں قریب کو چھوڑ کر بعید کی طرف ضمیر لوٹائی گئی ہے اس لئے (ھو) ضمیر لا کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ جس طرح یہاں پر (ھو) خلاف القیاس لایا گیا ہے اسی طرح (أقیمَ) کا نائب فاعل بھی خلاف القیاس (مفعول) ہے باوجود اس کے کہ وہ بعید بھی ہے۔

تیسری بات: مفعول کا نائب فاعل بننے کے لئے شرط

وشرطه أن تغير صيغة الفعل إلى فُعِلَ او يُفْعَلُ: صاحب کتابؒ نے بطور نمونہ کے ثلاثی مجرد کے ابواب کے افعال کے لئے ماضی مجہول اور مضارع مجہول کے اوزان بتادئے کہ مثلاً آپ نے کسی بھی اسم کو نائب فاعل بنانا ہو تو اس کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے والا فعل اگر ماضی ہو تو اس کا (فُعِلَ) کے وزن پر ہونا اور مضارع ہو تو اس کا (يُفْعَلُ) کے وزن پر ہونا ضروری ہے، گویا کہ صاحب کتابؒ نے صرف (فُعِلَ اور يُفْعَلُ) ذکر کر کے ان کے وصف عام یعنی (فُعِلَ) سے ہر باب کی ماضی مجہول اور (يُفْعَلُ) سے ہر باب کی مضارع مجہول مراد لی ہیں، جیسا کہ ہم نے پیچھے (لکل فرعون موسی) میں پڑھا ہیں کہ فرعون سے ہر سرکش اور موسی سے ہر حق کی آواز کو بلند کرنے والا مراد ہے۔

چوتھی بات: وہ اسماء جو نائب فاعل نہیں بن سکتے

(ولا يقع المفعول الثاني إلخ) سے فرما رہے ہیں کہ چار قسم کے مفعول ایسے ہیں کہ اسے نائب فاعل نہیں بنایا جاسکتا جن کا ذکر (نحو میر) میں فعل متعدی کے فصل میں ہم نے پڑھا ہیں۔

(۱) باب علمتُ یعنی (علمتُ، ظننتُ، حسبتُ، زعمتُ، خِلتُ، زعمتُ، رأيتُ، وجدتُّ) کا دوسرا مفعول نائب فاعل نہیں بن سکتا مثلاً (علمتُ زيداً فاضلاً) میں (عُلِمَ فاضلٌ زيداً) نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ (زيدٌ فاضلٌ) (علمت) کے داخل ہونے سے پہلے آپس میں مبتدا خبر تھے، اس صورت میں (زيدٌ) مسند الیہ اور

(فاضلٌ) مسند تھا لیکن (فاضلٌ) کو اگر نائب فاعل بنایا جائے تو یہ مسند الیہ بن جائے گا، تو ایک ہی اسم کا مسند اور مسند الیہ بننا لازم آ جائے گا جو کہ درست نہیں ہے۔

(۲) (والثالث من باب أعلمت) فرمارہے ہیں کہ باب أعلمتُ یعنی (أعلم، أری، أنبأ، أخبر، خبّر، نبّأ، حدّث) کا مفعول ثالث بھی نائب فاعل نہیں بن سکتا، وجہ وہی ہے جو باب علمتُ میں گذر گئی، لہذا (أعلم الله زیداً عمرواً فاضلاً) میں (أُعلمَ فاضلٌ زیداً عمرواً) نہیں کہا جاسکتا۔

(۳) (والمفعول له) مفعول لہ کے استعمال کی دو صورتیں ہیں: (۱) لام کے ساتھ۔ (۲) بغیر لام کے۔

لام کے ساتھ ہو تو وہ فعل مجہول بن سکتا ہے جیسے (ضُرِبَ للتأدیبِ)، لیکن اگر بغیر لام کے ہو تو اس کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ وہ نائب فاعل نہیں بن سکتا؛ اس لئے کہ یہ ماقبل والے فعل کے لئے علت بنتی ہے اور اس کی علت بننے پر اس کا منصوب ہونا دلالت کررہا ہوتا ہے، لیکن نائب فاعل بنانے کی صورت میں یہ مرفوع ہوگا اور مرفوع ہونے کی صورت میں اس کے مفعول لہ ہونے پر کوئی دلالت نہیں رہے گی، اور جب دلالت نہیں رہی تو گویا کہ وہ مفعول لہ ہی نہیں رہا، لہذا (زیدٌ ضُرِبَ تادیباً) سے (زیدٌ ضُرِبَ تادیبٌ) نہیں کہا جاسکتا، خلاصہ یہ کہ مفعول لہ اس لئے نائب فاعل نہیں بنایا جاسکتا کہ پھر وہ مفعول لہ نہیں رہے گا۔

(۴) (مفعول معه) مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتا؛ اس لئے کہ نائب فاعل بناتے وقت یا تو ہم واؤ کو ذکر کریں گے یا نہیں، اگر کریں گے تو نائب فاعل اپنے فعل کے ساتھ اتصال چاہتا ہے اور اس صورت میں اتصال رہے گا نہیں، اور اگر ذکر نہیں کرتے تو وہ مفعول معہ نہیں رہے گا، لہذا اس خرابی سے بچنے کے لئے یہ قاعدہ بتادیا کہ مفعول معہ سرے سے نائب فاعل بن ہی نہیں سکتا۔

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ صاحب کتابؒ نے (کـــذلک) کہہ کر کیوں اپنی عبارت لمبی کردی حالانکہ دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ صاحب کافیہؒ اختصار کے درپے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ایسا نہ کرتے تو شبہ ہوسکتا تھا کہ ان چاروں کے نائب فاعل نہ بننے کی علت ایک ہی ہوگی، لیکن (کذلک) لاکر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ پہلے دو یعنی باب علمت کے مفعول ثانی اور باب أعلمتُ کے مفعول ثالث کا نائب فاعل نہ بننا قوی بھی ہے اور ان کی علت بھی مشترک ہے (کما ذکرناہ)، اور اخیرین یعنی مفعول لہ اور معہ کا نہ بننا اولین کی بنسبت کچھ کمزور بھی ہے اور نہ بننے کی علتیں بھی کچھ اور ہیں۔

درس (۴۷)

نائب فاعل کی تعیین کا بیان

وإذا وُجد المفعول به تعين له، تقول: ضُربَ زيدٌ يومَ الجمعة أمام الأمير ضرباً شديداً في داره، فتعين زيدٌ، فإن لم يكن فالجميع سواءٌ، والأول من باب أعطيتُ أولى من الثاني.

ترجمہ: اور جب (کسی عبارت میں) مفعول بہ پایا جائے تو نائب فاعل بننے کے لئے وہ خود متعین ہوجائے گا مثلاً (ضُربَ زیدٌ یومَ الجمعة أمام الأمير ضرباً شديداً في داره) اس میں (زید) متعین ہوگیا، اور اگر مفعول بہ عبارت میں نہ ہو تو پھر سارے مفاعیل (نائب فاعل بننے کے لئے) برابر ہیں، لیکن باب أعطیتُ کے پہلے مفعول کو نائب فاعل بنانا زیادہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے دوسرے مفعول کے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) مفاعیل میں سے نائب فاعل بننے کا زیادہ حقدار۔

(۲) وہ صورت جس میں سارے مفاعیل کا نائب فاعل بننا برابر ہو۔

(۴) باب أعطیتُ کے مفعولوں میں سے زیادہ حقدار۔

پہلی بات: مفاعیل میں سے نائب فاعل بننے کا زیادہ حقدار

وإذا وجد المفعول تعین له: فرما رہے ہیں کہ کسی جملے میں اگر مفاعیل خمسہ سارے کہ سارے یا ان میں سے بعض پائیں جائیں اور ان میں سے ایک مفعول بہ بھی ہو تو ایسی صورت میں اگر فعل عامل کسی ایک کو اپنے لئے نائب فاعل بنانے کا تقاضا کرے تو کونسے والے کو بنایا جائے گا؟ تو اس کے لئے فرمایا کہ ایسے موقع پر مفعول بہ کا نائب فاعل بنانا متعینہ طور پر زیادہ لائق اور حقدار ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ فعل عامل کے ساتھ دیگر مفاعیل کی بنسبت مفعول بہ کا تعلق زیادہ ہوتا ہے؛ کیونکہ فعل اپنے وجود میں جس طرح اپنے فاعل کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح اپنے مفعول بہ کا بھی محتاج ہوتا ہے، مثلاً (ضُرِبَ زیدٌ یومَ الجمعة أمام الأمیر ضرباً شدیداً فی داره)، غور فرمائیں یہ اصل میں (ضَرب سعیدٌ زیداً یومَ الجمعة أمام الأمیر ضرباً شدیداً فی داره) تھا، (سعیدٌ) جو فاعل بن رہا تھا اس کو جب حذف کر دیا گیا تو (ضُـــرِبَ) کو نائب فاعل کی ضرورت تھی اور اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہمارے پاس پانچ چیزیں موجود تھیں جن میں سے ایک مفعول بہ بھی تھا، تو اوروں کو اپنی حالت پر چھوڑ کر اسی کو ہم نائب فاعل بنا دیا۔

مذکورہ جملے میں (یوم الجمعة) مضاف مضاف الیہ مل کر ظرف زمان کی مثال ہے، اور (أمام الأمیر) مضاف مضاف الیہ ملکر ظرف مکان کی مثال ہے، اور (ضرباً شدیداً) موصوف صفت ملکر مفعول مطلق کی مثال ہے، اور (فی داره) مفعول بہ ہے حرف جر کے واسطے سے۔

فائدہ (۱): مذکورہ صورت میں بصریین کے ہاں مفعول بہ کو نائب فاعل بنانا واجب ہے اور کوفیین کے ہاں واجب تو نہیں بلکہ صرف اولی اور بہتر ہے۔

فائدہ (۲): (ضرباً) کو (شدیداً) کی صفت کے ساتھ مقید کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مصدر نائب فاعل تب بنے گا جب اس کے ساتھ اس میں خصوصیت پیدا کرنی والی کوئی صفت بھی ہو۔

دوسری بات: وہ صورت جس میں سارے مفاعیل کا نائب فاعل بنانا مساوی ہو

(فإن لم يكن فالجميع سواءٌ) فرمار ہے ہیں کہ اگر کلام میں دیگر مفاعیل تو ہوں لیکن مفعول بہ نہ ہو تو پھر ان میں سے ہر ایک کو نائب فاعل بنانا حقدار ہونے کے اعتبار سے برابر ہوگا جیسے (ذُهِبَ بزيدٍ يوم الجمعة أمام الأمير ذهاباً شديداً في داره) ان میں سے ہر ایک کو نائب فاعل بنایا جاسکتا ہے۔

تیسری بات: باب أعطيتُ کے مفعولوں میں سے زیادہ حقدار

والأول من باب أعطيت أولى من الثاني: فرمار ہے ہیں کہ باب أعطيتُ جو دو مفعولوں کو چاہتا ہے جیسے (أعطيت زيداً درهماً) ان میں سے اختیار ہے جس کو بھی نائب فاعل بنانا چاہو بنا سکتے ہو لیکن پہلے والے کو بنانا بہتر ہے اس لئے کہ اس کے مفعول اول (زیدًا) میں کچھ نہ کچھ فاعلیت کا معنیٰ بھی پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ آپ اس کو درہم دے رہے ہو اور وہ آپ سے لے رہا ہے تو اس لینے میں فاعلیت کا معنیٰ پایا جاتا ہے، اس کے مقابلے میں اس کا مفعول ثانی (درهماً) صرف دیا اور لیا جارہا ہے تو اس میں دونوں طرف سے صرف مفعولیت کا معنیٰ پایا جاتا ہے فاعلیت کا بالکل نہیں پایا جاتا، اس لئے (أُعطيَ زيدٌ درهماً) پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہے اور (أُعطي درهمٌ زيداً) پڑھنا صرف جائز ہے۔

لیکن جہاں التباس لازم آرہا ہو مثلاً دونوں مفعولوں میں فاعلیت کا معنیٰ پایا جاتا

ہوتو وہاں مفعول اول کو نائب فاعل بنانا صرف اولی نہیں بلکہ واجب ہوگا جیسے (أعطی بکرٌ زیداً کتاباً سے أُعطیَ زیدٌ کتاباً)۔

آخر میں ماقبل والے درس کی آخری بات اور اس پورے درس کا خلاصہ یہ سمجھیں کہ متعدی بیک مفعول میں ایک ہی مفعول ہوتا ہے اس لئے اسی کو نائب فاعل بنائینگے اور متعدی بدو مفعول جب باب أعطیتُ میں سے ہو تو دونوں نائب فاعل بن سکتے ہیں لیکن پہلا والا زیادہ اولی ہوگا جیسے (أعطیتُ زیداً درھما سے أعطیَ زیدٌ درھماً اور أعطیَ درھمٌ زیداً) دونوں طرح جائز ہے، اور متعدی بدو مفعول باب علمت میں پہلا مفعول نائب الفاعل بن سکتے ہیں بخلاف دوسرے مفعول کے کہ وہ نائب فاعل نہیں بن سکتا، اسی طرح متعدی بسہ مفعول میں اول دونوں مفعول نائب فاعل بن سکتے ہیں لیکن آخری مفعول نہیں بن سکتا؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ متعدی بدو مفعول باب علمت کے دونوں مفعول آپس میں مبتداء اور خبر ہوتے ہیں اگر ثانی کو نائب فاعل بنائیں گے تو وہ مسند الیہ بن جائے گا جبکہ پہلے یہی اسم خبر ہونے کی وجہ سے مسند تھا، لہذا ایک ہی کلمے کا مسند اور مسند الیہ بننا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے، یہی حال متعدی بسہ مفعول باب أعلمتُ کے آخری دو مفعول کا ہے، اور متعدی بدو مفعول باب علمتُ کی مثال (علمتُ زیداً فاضلاً کو عُلم زیدٌ فاضلاً کہا جاسکتا ہے لیکن (عُلم فاضلٌ زیداً) کہنا درست نہیں ہے، اسی طرح (أعلم الله زیداً عمرواً فاضلاً کو أُعلم زیدٌ عمرواً فاضلاً اور أعلم عمروٌ زیداً فاضلاً کہا جاسکتا ہے لیکن (أعلمَ فاضلٌ زیداً عمرواً) نہیں کہا جاسکتا۔ (خیر النحو ص ۱۴۲)۔

☆☆☆

درس (۳۸)

تیسرے مرفوع یعنی مبتدا کا بیان

ومنها المبتدأ والخبر، فالمبتدأ هو الاسم المجرَّد عن العوامل اللفظية مسنداً إليه، أو الصفة الواقعة بعد حرف النفي أو ألف الاستفهام رافعةً لظاهر، مثل: زيدٌ قائمٌ، وما قائم الزيدان، وأقائم الزيدان، فإن طابقت مفرداً جاز الأمران.

ترجمہ: اور مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر بھی ہیں، پس مبتدا وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے درانحالیکہ وہ مسند الیہ بھی ہو، یا مبتدا وہ صیغہ صفت ہے جو واقع ہو حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد اور رفع دے رہا ہو کسی اسم ظاہر کو، جیسے (زيدٌ قائمٌ، اور ما قائم الزيدان، اور أقائم الزيدان) پھر اگر صیغہ صفت اسم ظاہر کے ساتھ مفرد ہونے میں برابر ہو گیا تو اس میں دونوں طریقے جائز ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) مبتدا اور خبر دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے کی وجہ۔

(۲) مبتدا کی لغوی اور اصطلاحی تعریف اور فوائد و قیود۔

(۳) المجرّد اور العوامل پر اشکال اور اس کا جواب۔

(۴) مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف، فوائد و قیود اور مثالیں۔

(۵) صیغہ صفت کی مختلف صورتیں اور احکام۔

پہلی بات: مبتدا اور خبر دونوں کو ایک ساتھ ذکر کرنے کی وجہ

صاحب کتابؒ جب مرفوعات کی دوسری قسم کی تعریف اور اس سے متعلقہ مسائل

سے فارغ ہوئے تو اب قسم ثالث اور رابع کو بیان کررہے ہیں، چنانچہ فرمایا کہ (ومنها المبتدأ والخبر) یعنی مرفوعات کی تیسری قسم مبتدا اور چوتھی قسم خبر ہے، اگر مرفوعات کے پورے بحث کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ صاحب کافیہؒ نے ہر ایک قسم کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا ہیں لیکن ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا تو ایسا کیوں کیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دو وجہوں سے ایسا کیا، ایک یہ کہ یہ دونوں آپس میں لازم اور ملزوم ہیں یعنی جہاں کہیں مبتدا ہوگا وہاں خبر ضرور ہوگی اور جہاں خبر ہوگی وہاں مبتدا بھی ضرور ہوگا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں عامل معنوی میں شریک ہیں یعنی دونوں کا عامل معنوی ہوتا ہے اس لئے ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر فرمایا۔

دوسری بات: مبتدا کی تعریف

مبتدا ابتدأ یبتدأ ابتداءً باب افتعال سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی شروع کیا ہوا، چونکہ جہاں مبتدا ہوتا ہے تو بات بھی وہی سے شروع ہوتی ہے اس لئے اس کو مبتدا کہتے ہے، اس میں (خصَّم) کا قانون جاری کر کے (مُبَدَّأ) بھی پڑھا جاسکتا ہے۔

اور اصطلاح نحویین میں مبتدا کی جو تعریف ہے وہ صاحب کافیہؒ نے اپنی عبارت میں بیان کی ہیں (فالمبتدأ هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية مسنداً إليه) یعنی مبتدا وہ اسم (حقیقی یا تاویلی) ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور مسند الیہ ہو یعنی خبر کی نسبت اس کی طرف ہو رہی ہو جیسے اسم حقیقی کی مثال (زیدٌ قائمٌ) اور اسم تاویلی کی مثال: ﴿وأن تصدقوا خير لكم إن كنتم تعلمون﴾، یہاں ﴿أن﴾ مصدریہ ﴿تصدقوا﴾ فعل مضارع پر داخل ہوا تو اس کو بتاویل مصدر یعنی (تصدقكم خيرٌ لكم) کے تاویل میں کر کے مبتدا بن رہا ہے۔

فائدہ: مبتدا اور خبر کے عامل میں اختلاف ہے بصریین کا مذہب تو وہی ہے

جو بیان ہوا اور صاحب کتاب کے ہاں بھی یہی پسندیدہ ہے اس لئے اسی کو بیان فرمایا۔

اور بعض نحویوں یعنی علامہ زمخشری اور اس کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ مبتدا کا عامل تو معنوی ہوتا ہے یعنی ابتدا، لیکن خبر کا عامل لفظی ہوا کرتا ہے یعنی مبتدا اس میں عامل ہوتا ہے۔

تیسرا مذہب شیخ رضی اور اس کے متبعین کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مبتدا اور خبر دونوں ایک دوسرے میں عمل کر رہے ہیں تو ان کے ہاں گویا کہ دونوں کے عامل لفظی ہیں۔

مبتدا کی تعریف میں فوائد وقیود

فالمبتدأ هو الاسم المجرّد عن العوامل اللفظية مسنداً إليه: مبتدا کی مذکورہ تعریف میں (فالمبتدأ) معرَّف ہے اور (هو الاسم) سے (مسندٌ إليه) تک یہ پوری عبارت اس کی تعریف ہے، پھر تعریف میں (هو الاسم) جنس کے درجے میں ہے جو ہر قسم کے اسماء کو شامل ہے۔

(المجرد عن العوامل اللفظية) اس کے لئے فصل اول ہے لہذا اس کے ذریعے اس سے وہ اسماء خارج ہو گئے جن میں عوامل لفظیہ عمل کر رہے ہوں، جیسے افعال ناقصہ اور حروف مشبہ بالفعل کے اسم اور خبر، بلکہ یوں کہو کہ مبتدأ اور خبر کے علاوہ سارے اسماء خارج ہو گئے۔

(المسند إليه) فصل ثانی ہے اس کے ذریعے اس سے خبر اور مبتدا کی قسم ثانی خارج ہو گئیں؛ اس لئے کہ وہ مسند ہوتے ہیں نہ کہ مسند إلیہ۔

تیسری بات: المجرّد اور العوامل پر اشکال اور اس کا جواب

صاحب کتابؒ نے مبتدا کی تعریف کرتے ہوئے (هو الاسم المجرّد) فرمایا (المجرد) جرّد يجرّد تجريداً باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے: "نی خالی کیا ہوا، یا خالی کیا گیا، تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مبتدا پر پہلے عوامل لفظیہ داخل تھے بعد میں

اس کوان سے خالی کر دیا گیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں جی! پہلے سے بھی اس پر عوامل لفظیہ داخل نہیں تھے لیکن داخل ہونے کا امکان تھا تو صرف امکان کو وجود کا درجہ دیکر (المجرد) فرمایا جیسے کوئی کنواں کدوارہا ہو اور کام کرنے والوں سے کہے کہ (ضَیِّقوا فَمَ البئر) یار! کنویں کا منہ ذرا تنگ کرلو، حالانکہ ابھی تک کام شروع بھی نہیں ہوا لیکن امکان تھا کہ شروع سے یہ لوگ اس کا منہ بڑا بنادینگے تو اس امکان کو وجود کے درجے میں لیکر پہلے سے احتیاطاً کہدیا کہ (ضیقوا فم البئر)۔

دوسرا اشکال لفظ (العوامل) پر ہے کہ یہ جمع کا صیغہ ہے جس کے تحت کم سے کم تین افراد ضرور ہوا کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوگیا کہ مبتدا کا تین عوامل لفظیہ سے خالی ہونا ضروری ہے ایک یا دو عامل اس سے پہلے اگر ہوں تو خیر؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ (العوامل) واقعی میں جمع کا صیغہ ہے لیکن اس پر (الف لام) جنسی داخل ہیں اور قاعدہ ہے کہ (الف لام) جنسی جمع کی جمعیت کو ختم کر دیتے ہیں، اس لئے (العوامل) اگرچہ لفظی طور پر جمع ہے لیکن حقیقت میں جمع نہیں رہا۔ (کما مرفی بحث الإعراب)۔

چوتھی بات: مبتدا کی قسم ثانی کی تعریف، فوائد و قیود اور مثالیں

الصفة الواقعة بعد حرف النفي أو ألف الاستفهام رافعةً لظاهر: اس عبارت میں صاحب کتابؒ نے مبتدأ کی قسم ثانی کی تعریف بیان فرمائی ہیں، کہ ہر صیغہ صفت (یعنی اسم فاعل اسم مفعول صفت مشبہ وغیرہ) جو حرف نفی کے بعد یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو، درانحالیکہ وہ اس اسم ظاہر (حقیقی ہو یا حکمی) کو رفع بھی دے رہا ہو تو یہ مبتدا کی قسم ثانی بنے گی جیسے (ما قائم الزیدان و أقائم الزیدان)۔

عبارت میں (رافعةً، الواقعة) صیغہ اسم فاعل کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا

ہے اس لئے اس کو منصوب پڑھا جاتا ہے۔

مبتدأ کی قسم ثانی کی تعریف مذکور میں درجہ ذیل باتیں بھی ذہن نشین رہے:

(۱) حرف نفی سے مراد (ما ولا) دونوں ہیں، اور حرف استفہام سے مراد (همزه، هل، ما، اور منْ) ہیں۔

(۲) مبتدأ کی مذکورہ قسم ثانی کے لئے یہ شرط لگانا کہ (صیغہ صفت حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو) یہ شرط صاحب کتابؒ کے ہاں ہے، ورنہ امام سیبویہؒ کے ہاں اس شرط کے بغیر بھی مبتدأ کی قسم ثانی بن سکتی ہے لیکن ایسا کرنا ان کے ہاں قبیح اور نا پسندیدہ ہے، البتہ امام اخفشؒ اور کوفیینؒ کے ہاں ایسا کرنا صرف یہ نہیں کہ جائز ہے بلکہ ایک مستحسن عمل ہے (وتفصيله يأتي في شرح الجامي، السنة القادمة إن شاء الله تعالى)۔

(۳) (رافعةً لاسم ظاهر) اس سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ اسم ظاہر جو صیغہ صفت کے بعد ہو اور یہ اس کو رفع دے رہا ہو وہ چاہے حقیقتاً اسم ظاہر ہو جیسے (ما قائم الزيدان وأقائم الزيدان)، یا حکماً اسم ظاہر ہو یعنی کوئی ضمیر مرفوع منفصل اس کے بعد آ رہا ہو جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿أراغبٌ أنتَ عن آلهتي يا إبراهيم﴾ تو ان دونوں صورتوں میں صیغہ صفت آنے والے اسم کو رفع دے گا جیسا کہ مذکورہ دونوں مثالوں سے واضح ہو رہا ہے۔

(۴) (رافعةً لاسم ظاهر) سے دوسری یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ اس میں (أقائمان الزيدان اور أ قائمون الرجال) وغیرہ داخل نہیں ہیں؛ اس لئے کہ یہ اسم ظاہر کے بجائے ان کے اندر مستتر ضمیر فاعل کو رفع دے رہے ہیں، اگر کوئی شبہ کرے کہ یہاں تو (الزيدان اور الرجال) دونوں مرفوع ہیں اور بظاہر صیغہ صفت کے علاوہ کوئی دوسرا عامل رافع نظر بھی نہیں آ رہا تو یہ دونوں اسی کی وجہ مرفوع ہونگے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کو صیغہ صفت نے رفع نہیں دیا ہے؛ اس لئے کہ اگر وہ اس کو رفع دیتا تو یہ (أقائمان اور أقائمون) تثنیہ اور جمع کے صیغے نہ ہوتے بلکہ مفرد ہوتے؛ کیونکہ ہم نے نحو میر میں ایک قاعدہ پڑھا ہے کہ فعل یا شبہ فعل کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ مفرد کی صورت میں آئے گا، جبکہ یہاں دونوں تثنیہ اور جمع کی صورتوں میں آئے ہوئے ہیں۔

(۵) مبتدأ کی قسم اول اور ثانی میں دو طریقے سے فرق پایا جاتا ہے:

۱...... مبتدأ کی قسم اول خود (عامل معنوی) کا معمول ہوتا ہے جبکہ قسم ثانی خود عامل ہوتا ہے۔

۲...... مبتدأ کی قسم اول مسند الیہ ہوتی ہے جبکہ قسم ثانی مسند ہوتی ہے۔

پانچویں بات: صیغہ صفت کی مختلف صورتیں اور احکام

فإن طابقت مفرداً جاز الأمران: فرمارہے ہیں کہ اگر صیغہ صفت بعد والے اسم ظاہر کے ساتھ مفرد ہونے میں موافق ہو جائے، یعنی صیغہ صفت بھی مفرد ہو اور اسم ظاہر بھی مفرد ہو جیسے (أقائمٌ زیدٌ) تو اس میں دو طریقوں سے ترکیب جائز ہے:

(۱) صیغہ صفت کو مبتدأ کا قسم ثانی بنانا اور اسم ظاہر کو اس کے لئے فاعل بنا کر قائم مقام خبر کے کرنا۔

(۲) صیغہ صفت کو خبر مقدم بنانا اور اسم ظاہر کو مبتدأ مؤخر بنانا۔

اس صورت کے علاوہ دو صورتیں اور بھی بن سکتی ہیں:

(۱) صیغہ صفت مفرد ہو اور اسم ظاہر تثنیہ یا جمع ہو جیسے (أقائم الزیدان اور أقائم الرجال) وغیرہ، تو ایسی صورت میں متعینہ طور پر صیغہ صفت کو مبتدأ کی قسم ثانی بنادیں گے اور اسم ظاہر تثنیہ ہو یا جمع اس کے لئے فاعل ہوگا جو کہ خبر کا قائم مقام بنے گا۔

(۲) صیغہ صفت بھی تثنیہ یا جمع کی صورت میں ہو اور اسم ظاہر بھی تثنیہ یا جمع کی صورت میں ہو جیسے (أقائمان الزیدان اور أقائمون الرجال) تو ایسی صورت میں صیغہ

صفت خبر مقدم ہوگا اور اسم ظاہر مبتدا مؤخر بنے گا۔

درس (۳۹)

چوتھے مرفوع یعنی خبر کا بیان

والخبر هو المجرد المسند به المغاير للصفة المذكورة، وأصل المبتدأ التقديم، ومن ثم جاز (في داره زيدٌ)، وامتنع (صاحبها في الدار)، وقد يكون المبتدأ نكرةً إذا تخصصت بوجهٍ ما، مثل: ﴿ولعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ من مشرك﴾، وأرجلٌ في الدار أم امرأةٌ، وما أحدٌ خيرٌ منك، وشرٌّ أهرَّ ذا نابٍ، وفي الدار رجلٌ، وسلامٌ عليك.

ترجمہ: اور خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو اور ترکیب میں مسند بن رہا ہو اور مبتدأ کی قسم ثانی کا مخالف ہو، اور مبتدا کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہو، یہی وجہ ہے کہ (في داره زيدٌ) کہنا تو جائز ہے لیکن (صاحبها في الدار) کہنا جائز نہیں ہے، اور مبتدا کبھی نکرہ بھی ہوتا ہے بشرطیکہ اس کو کسی طریقے سے خاص کردیا جائے جیسے ﴿ولعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ من مشرك﴾، اور أرجلٌ في الدار أم امرأةٌ، اور ما أحدٌ خيرٌ منك، اور شرٌّ أهرَّ ذا نابٍ، اور في الدار رجلٌ، اور سلامٌ عليك۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) خبر کی تعریف۔ (۲) تعریف میں فوائد و قیود اور مغایرت کی صورتیں۔

(۳) مبتدا کے متعلق چند اہم مسائل۔

پہلی بات: خبر کی تعریف

خبر کی تعریف صاحب کتابؒ نے بڑے مختصر الفاظ میں بیان فرمائی ہیں، جس کے

ساتھ محذوف عبارات بھی نکال کر پوری تعریف یوں بن جائیگی: (الخبر هو الاسم المجرد عن العوامل اللفظية، المسند به، المغاير للصفة المذكورة بعد حرفِ النفي أو أداةِ الاستفهام)، یعنی خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، اور مسند بہ ہو، اور اس صیغہ صفت کا مخالف اور غیر ہو جو حرف نفی یا حرف استفہام کے بعد واقع ہو، جیسے (زیدٌ قائمٌ) میں دیکھئے کہ اس میں (قائمٌ) خبر ہے جو کہ عوامل لفظیہ سے بھی خالی ہے، اور مسند بہ بھی ہے یعنی اس کے ذریعے سے مبتدا پر حکم لگایا جا رہا ہے، اور صیغہ صفت یعنی مبتدا کی قسم ثانی کا مخالف بھی ہے؛ کیونکہ (زیدٌ) صیغہ صفت بھی نہیں اور حرف نفی اور استفہام کے بعد بھی نہیں ہے۔

دوسری بات: فوائد وقیود اور مغایرت کی مختلف صورتیں

الخبر هو المجرد المسند به المغاير للصفة المذكورة: عبارت مذکورہ میں (الخبر) معرَّف ہے اور (هو المجرَّد.... إلخ) اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں (هو) جنس کے درجے میں ہے جو تمام اسماء کو شامل ہے۔

المجرد: یہ فصل اول ہے، اس سے حروف مشبہ بالفعل اور افعال ناقصہ وغیرہ کی خبریں خارج ہوگئیں؛ اس لئے کہ وہ عوامل سے خالی نہیں ہوتیں، بلکہ یہیں حروف مشبہ بالفعل اور افعال ناقصہ ان میں عمل کر رہے ہوتے ہیں۔

المسند به: یہ فصل ثانی ہے اس کے ذریعے مبتدأ خارج ہوگیا؛ کیونکہ وہ مسند الیہ ہوتا ہے۔

المغاير للصفة المذكورة: یہ فصل ثالث ہے اس کے ذریعے مبتدأ کا قسم ثانی خارج ہوگیا۔

صاحب کتابؒ نے جو (المغاير للصفة المذكورة) فرمایا ہے تو یاد رہے کہ مغایرت کی چند صورتیں ہیں:

پہلی یہ کہ اس اعتبار سے اس کا مخالف ہو کہ خبر سرے سے صیغہ صفت ہی نہ ہو جیسے (زیدٌ ضربَ)۔

دوسری یہ کہ صیغہ صفت تو ہو لیکن حرف نفی اور حرف استفہام کے بعد نہ ہو جیسے (زیدٌ قائمٌ)۔

تیسری یہ کہ صیغہ صفت بھی ہو اور حرف استفہام کے بعد بھی ہو لیکن اسم ظاہر کو رفع نہیں دے رہا ہو جیسے (أقائمان الزیدان)، اگر (الزیدان) اسی کی وجہ سے مرفوع ہوتا تو (أقائمان) تثنیہ نہ ہوتا بلکہ مفرد ہوتا (کما مر بیانہ)۔

تیسری بات: مبتدا کے متعلق چند اہم مسائل

مبتدأ اور خبر کی تعریف کے بعد ان دونوں کے متعلق صاحب کتابؒ چند اہم احکامات اور مسائل بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ (واصل المبتدأ التقدیم) سے لے کر اس بحث کے آخر تک یعنی خبر (إنَّ واخواتھا) کے شروع ہونے تک (جو کہ تقریباً پانچ چھ صفحات کی عبارت ہے اس میں) صاحب کتابؒ مبتدا اور خبر میں سے ہر ایک کے متعلق پانچ پانچ اہم مسائل بیان فرمارہے ہیں جن کو ہم عنوانات کے ساتھ نمبروار اور درمیان میں کچھ ضروری باتوں کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ فالیک بھا وعضّ علیھا بالنواجذ

مبتدأ کے متعلق پہلا مسئلہ

واصل المبتدأ التقدیم: پہلا مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ مبتدأ کے لئے اصل صورت یہ ہے کہ وہ خبر سے مقدم ہوگا۔

ایک وجہ اس کی یہ ہے کہ مبتدا (موصوف اور ذات) کے درجہ میں ہوا کرتا ہے اور خبر (صفت اور حال) کے درجہ میں ہوتی ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ ذات مقدم ہوتی ہے صفت اور حال پر، اور موصوف بھی مقدم ہوتا ہے صفت پر، لہذا مبتدأ بھی خبر پر مقدم ہوگا

جیسے (زیدٌ قائمٌ) میں (زیدٌ) مبتداء ہے جو مقدم ہے اور (قائمٌ) خبر ہے جو کہ مؤخر ہے۔

(ومن ثمَّ جاز فی دارہ زیدٌ) اس عبارت میں صاحب کتابؒ ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں، اشکال یہ ہے کہ حضرت! آپ نے تو قاعدہ یہ بیان فرمایا کہ مبتدأ خبر پر مقدم ہوتا ہے، حالانکہ (فی دارہ زیدٌ) میں (زیدٌ) مبتدأ ہے اور مؤخر ہے اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس میں اضمار قبل الذکر بھی لازم آرہا ہے، اور پھر بھی آپ فرمار ہے ہو کہ (ومن ثمَّ جاز فی دارہ زیدٌ) یعنی یہ جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں مبتدا اگرچہ لفظی طور سے مؤخر نظر آرہا ہے لیکن یہ اپنے رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے، لہذا (واصل المبتدأ التقدیم) کی کوئی مخالفت لازم نہیں آئی، اور جب رتبے کے اعتبار سے مقدم ہے تو اضمار قبل الذکر بھی لازم نہیں آیا؛ کیونکہ اضمار قبل الذکر وہاں ناجائز ہوتا ہے جہاں لفظاً اور رتبۃً دونوں طور سے وہ لازم آرہا ہو، جبکہ یہاں صرف لفظاً لازم آرہا ہے اور عمدہ میں یہ جائز ہے اس لئے ہم نے کہا کہ (ومن ثمَّ جاز فی دارہ زیدٌ).

(وامتنع صاحبها فی الدار) سے دوسرے اشکال کا جواب دے رہے ہیں، اشکال یہ ہے کہ آپ نے مبتدأ کی تقدیم کا قاعدہ بیان فرمایا پھر اس کے لئے جو مثال دی تو میں مبتدأ مؤخر تھا لیکن پھر بھی آپ نے (ومن ثم جاز...) کہہ کر اس پر جواز کا حکم لگایا، اور یہاں جب ہم نے ایسی مثال پیش کی جس میں مبتدأ مقدم اور خبر مؤخر ہے تو اس کے متعلق آپ نے بغیر کسی رعایت کے (وامتنع صاحبها فی الدار) کہہ کر اس کو ناجائز قرار دیدیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی! آپ نے بالکل صحیح بات فرمائی لیکن آپ کچھ غور کر کے دیکھ لے تو معلوم ہو جائے گا کہ (صاحبها) مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدأ بن رہا ہے لیکن اس میں جو (ها) ضمیر ہے وہ (الدار) کی طرف لوٹ رہی ہے جو کہ خبر ہے اور خبر کا درجہ بعد میں ہوتا ہے، تو اس میں اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح لازم آرہا ہے جو کہ

ناجائز ہے، اس لئے ہم نے کہا کہ (وامتنع صاحبها فی الدار)، لیکن خبر کی ضمیر کے بجائے آپ کوئی اور ضمیر لگائے تو وہ بالکل جائز ہوگا جیسے (صاحبک فی الدار)۔

مبتدأ کے لئے دوسرا مسئلہ

(وقد یکون المبتدأ نکرۃً) مبتدأ کے لئے دوسرا مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ مبتدأ میں اصل تو یہ ہے کہ وہ معرفہ ہوگا لیکن کبھی کبھار اصل کو چھوڑ کر اس کو نکرہ کی صورت میں لانا بھی جائز ہے، اس کے لئے مصنفؒ نے (إذا تخصّصتْ بوجه ما) کے تحت چھ قسم کی مثالیں پیش فرمائی ہیں جو کہ اصل میں چھ مثالیں نہیں بلکہ چھ قسم کے مقامات ہیں جن میں مبتدأ کو نکرہ لایا جاسکتا ہے:

(۱) التخصيص بالصفة:

پہلا مقام تخصیص بالصفت کا ہے یعنی کسی اسم نکرہ میں اس کی صفت کے ذریعے کچھ تخصیص پیدا ہوگئی ہو، تو اس نکرہ کو مبتدأ بنانا جائز ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿ولعبدٌ مؤمنٌ خيرٌ من مشركٍ﴾ دیکھئے اس میں (عبدٌ) اگر چہ نکرہ ہے لیکن (مؤمنٌ) کے ذریعے اس کی صفت بیان کر کے اس میں ایک گونہ تخصیص پیدا ہوگئی اور معرفہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ مشابہت پیدا ہوگئی، اس لئے اس کو مبتدأ لایا گیا ہے جو کہ جائز ہے۔

(۲) التخصيص بأحد الجنسين

دوسرا مقام نکرہ کو خاص کرنے کا تخصیص باحد الجنسین کا ہے مثال کے طور پر آپ کو یہ تو معلوم ہو کہ اس گھر میں ضرور کوئی نہ کوئی تو ہے لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ وہ مرد ہے یا عورت، اس لئے آپ نے پوچھا کہ (ارجلٌ فی الدار ام امرأۃٌ؟) لهذا یہاں (رجلٌ) اور (امرأۃٌ) نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا بن سکتے ہیں؛ اس لئے کہ ان کے ذریعے ایک جنس کی تخصیص ہوئی ہے۔

(۳) التخصیص بسبب الوقوع فی حیز النفی

(وما أحدٌ خیرٌ منک) یہاں (أحدٌ) اسم نکرہ ہے اور اس کے باوجود اس کا مبتدا واقع ہونا صحیح قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ اس میں بھی ایک گونہ خصوصیت پیدا ہوگئی ہے، وہ اس طرح کہ (أحدٌ) اسم نکرہ ہے اور تحت النفی واقع ہے اور قاعدہ ہے کہ نکرہ تحت النفی عموم کا فائدہ دیتا ہے، لہٰذا مذکورہ مثال میں تمام افراد سے خیریت کی نفی ہوگی کہ اے مخاطب آپ سے بہتر کوئی بھی نہیں ہے، تو بہتر ہونا فرد واحد کے لئے ثابت ہوگیا اس طرح اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہے۔

ترکیب: (ما) حرف نفی (أحدٌ) مبتدا، (خیرٌ) صیغہ اسم تفضیل، اس میں (ھو) ضمیر مرفوع متصل اس کا فاعل (من) حرف جار (ک) ضمیر مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا (خیرٌ) صیغہ اسم تفضیل کے ساتھ، (خیرٌ) اسم تفضیل اپنے متعلق اور ضمیر فاعل سے مل کر مبتدا کے لئے خبر، مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا۔

یہاں اشکال واقع ہوسکتا ہے کہ یہ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں ہے؛ کیونکہ بات ہورہی ہے مبتدا کی اور مثال آپ نے دی ہیں ما مشابہ بلیس کے اسم کی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مثال بنو تمیم کے مسلک کے مطابق دی گئی ہے، جو (ما) کو عامل نہیں مانتے اس لئے (أحدٌ) یہاں پر مبتدا ہوگا نہ کہ ما مشابہ بلیس کا اسم۔

(۴) التخصیص بصفة محذوفة یا التخصیص بتقدیم ما حقه التاخیر

(وشرٌ أھرَّ ذا نابٍ) اس مثال میں (شرٌ) نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا واقع ہوا ہے؛ اس لئے کہ اس میں تخصیص کی گئی ہے، اور اس کے دو طریقے ہوسکتے ہیں:

(۱) پہلا طریقہ یہ ہے کہ اس میں صفت محذوفہ مان کر یوں پڑھا جائے (شرٌ عظیمٌ أھرَّ ذا نابٍ) تو جس طریقے سے صفت مذکورہ سے تخصیص کے معنی پیدا ہوسکتے ہیں جیسے ﴿ولعبدٌ مؤمنٌ خیر من مشرک﴾ میں گذر گیا، اسی طرح صفت محذوفہ کی وجہ سے بھی تخصیص کے معنی پیدا ہوسکتے ہیں۔

(۴) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ (شرٌّ) (أھرَّ) کے ضمیر فاعل سے بدل واقع ہو رہا ہے اور بدل فاعل کے حکم ہوتا ہے، اور قاعدہ ہے کہ فاعل فعل کے بعد ہی ہوتا ہے لہذا فاعل حکمی بھی جو کہ بدل ہے اپنے مبدل منہ کے بعد ہی ہوگا، لیکن یہاں ہم نے دیکھا تو فاعل حکمی یعنی (شرٌّ) کو (اھر) کی ضمیر فاعل پر مقدم کیا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ (التقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر والاختصاص) لہذا جب اس کی وجہ سے (شرٌّ) میں تخصیص آگئی تو نکرہ ہونے کے باوجود اس کو مبتدا بنانا جائز ہے۔

(۵) التخصیص بتقدیم الخبر

(وفی الدار رجلٌ) سے بھی (التقدیم ما حقہ التاخیر یفید الحصر والاختصاص) کے اصول والی صورت بیان فرما رہے ہیں بس اس میں اور ماقبل والی صورت میں صرف یہ فرق ہے کہ ماقبل میں فاعل حکمی کو مقدم کر کے تخصیص پیدا کی گئی تھی اور یہاں خبر کو مقدم کر کے تخصیص پیدا کی گئی ہے لہذا جب اس میں تخصیص آگئی تو (رجلٌ) نکرہ ہونے کے باوجود مبتدا بن سکتا ہے۔

(٦) التخصیص بالنسبة إلی المتکلم

(وسلامٌ علیکَ) یعنی جہاں کہیں اسم نکرہ ہو لیکن متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہوگئی ہو تو اس کا بھی مبتدا بنانا جائز ہے جیسے (سلامٌ علیکَ) میں ہے۔

(سلامٌ علیکَ) اصل میں (سلّمتُ سلاماً علیک) تھا، (سلاماً) مفعول مطلق کے فعل (سلمتُ) کو حذف کیا گیا؛ کیونکہ اس پر (سلاماً) مفعول مطلق کا منصوب ہونا دلالت کر رہا تھا، تو (سلاماً علیک) ہوگیا، پھر چونکہ یہ جملہ فعلیہ تھا جو کہ تجدد اور حدوث پر دلالت کر رہا تھا لیکن کسی کو سلام کرنے سے سلام کرنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مخاطب کو میری طرف سے دوام اور استمرار یعنی ہمیشہ کے لئے سلامتی مل جائے، اور یہ مقصد جملہ اسمیہ سے ہی حاصل ہو سکتا تھا، لہذا (سلاماً) کے نصب کو رفع سے تبدیل کر کے

جملہ اسمیہ یعنی (سلامٌ علیک) بنایا گیا۔ واللّٰہ أعلم بالصواب

درس (۴۰)

خبر اور متعلق ظرف کا بیان

والخبر قد یکون جملةً، مثل: زیدٌ أبوه قائمٌ، وزیدٌ قامَ أبوه، فلا بُدَّ من عائدٍ، وقد یُحذف، وما وقعَ ظرفاً فالأکثر علی أنه مقدَّرٌ بجملةٍ.

ترجمہ: اور خبر کبھی کبھار (اپنے اصل کو چھوڑ کر) جملے کی صورت میں بھی آتا ہے جیسے (زیدٌ أبوه قائمٌ) اور (زیدٌ قامَ أبوه) تو ایسی صورت میں خبر کے اندر مبتدا کی طرف لوٹنے والا کسی عائد کا ہونا ضروری ہے، اور کبھی کبھار اس عائد کو (کسی قرینہ کی وجہ سے) حذف بھی کیا جاتا ہے، اور وہ خبر جو ظرف کی حالت میں واقع ہو تو اکثر علماء نحو کے ہاں اس کے لئے متعلق جملہ (فعلیہ) نکالا جائے گا۔

تشریح: آج کے درس میں خبر کے متعلق ایک مسئلہ اور اس کے ضمن میں تین باتیں ہوں گی:

(۱) خبر کے متعلق پہلا مسئلہ۔ (۲) فلابدَّ من عائد کی وضاحت۔
(۳) وقد یُحذف کی وضاحت۔ (۴) جار مجرور کے متعلق میں اختلاف۔

پہلی بات: خبر کے متعلق پہلا مسئلہ

والخبر قد یکون جملةً: اس عبارت میں صاحب کتاب خبر کے متعلق پہلا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں، لیکن اس سے پہلے ایک ضابطہ اگر ذہن نشین کر لیں تو شاید کہ زیادہ مفید ہوگا، وہ یہ کہ (قد) جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو وہاں دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے:

(۱) ایک یہ کہ جو مسئلہ اور حکم اس لفظ (قد) کے بعد بیان ہو رہا ہے یہ خلاف الاصل اور فرع ہے جبکہ اصل حکم اور مسئلہ کچھ اور ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ یہ حکم قلیل الاستعمال ہے جبکہ کثیر الاستعمال کوئی اور صورت ہوگی۔

اب مسئلہ کی پوری وضاحت یہ ہے کہ خبر میں اصل تو یہ ہے کہ وہ مفرد کی صورت میں آئے گا لیکن اس میں خلاف الأصل اور قلیل الاستعمال صورت یہ بھی جائز ہے کہ وہ جملہ کی صورت میں آجائے، چاہے جملہ اسمیہ کی صورت میں ہو جیسے (زیدٌ أبوہ قائمٌ) اور چاہے جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو جیسے (زیدٌ قامَ أبوہ)، لیکن جملہ انشائیہ کی صورت میں نہیں آسکتا؛ کیونکہ خبر میں اصل اخبار یعنی خبر دینا ہوتا ہے جبکہ جملہ انشائیہ میں اصل انشاء ہوتا ہے، اور انشاء اور خبر میں منافات ہے (فلا یجتمعان أبداً)۔

لطیفہ: صاحب کافیہ کے کمال علم اور کمال شفقت علی الطلبہ کا ایک نمونہ یہاں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ جس عبارت کے ذریعے جو قاعدہ بیان فرمارہے ہیں اسی عبارت میں ذہین طلبہ کے لئے اس قاعدے کی مثال بھی پیش فرمائی یعنی یہی عبارت مثال بھی ہے اور ممثل لہ بھی، دیکھو (الخبر) مبتدا ہے اور (قدیکون جملۃ) پورا جملہ فعلیہ اس کے لئے خبر ہے، اور کمزور قسم کے طلبہ کی توجہ چونکہ اس طرف نہیں جاتی اس لئے ان کے لئے باقاعدہ دو مثالیں پیش فرمائی ہیں (زیدٌ قائمٌ أبوہ اور زیدٌ قامَ أبوہ)۔

دوسری بات: فلابدَّ من عائدٍ کی وضاحت

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ خبر جملہ کی صورت میں آسکتا ہے تو (فلابدَّ من عائدٍ) سے اس کے لئے ایک شرط بیان فرمارہے ہیں کہ ایسی صورت میں اس جملے میں کسی ایسی ضمیر کا ہونا ضروری ہوگا جو مبتدأ کی طرف لوٹ رہی ہو، اور یہ شرط اس لئے لگائی کہ جملہ من حیث الجملہ ایک مستقل کلام ہوتا ہے اس کا اپنے ماقبل اور مابعد کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہیں ہوتا، لیکن یہاں چونکہ پورا جملہ خبر بن رہا تھا، اور مبتدأ اور خبر کے درمیان ربط اور تعلق

ایک لازمی چیز ہے تو اس لئے اس تعلق کو برقرار رکھنے کے لئے ہم نے یہ شرط لگائی کہ اس میں کوئی ایسی عائد ہو جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہو جیسے (زیدٌ أبوہ قائمٌ) میں (أبوہ) کی ضمیر (زیدٌ) مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہے، (وھکذا فی زیدٌ قامَ أبوہ)۔

پھر اس عائد کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) یا تو یہ عائد ضمیر کی شکل میں ہوگا جیسے اوپر والی دونوں مثالوں میں آپ نے ملاحظہ فرمالیا۔

(۲) یا (الف لام) کی شکل میں ہوگا جیسے (نعم الرَّجل زیدٌ) اس میں (نعم الرجل) پورا جملہ فعلیہ خبر مقدم ہے اور (زیدٌ) مبتدا مؤخر ہے، یہاں (الرجل) میں جو (الف لام) ہیں یہی عائد ہے (زیدٌ) کی طرف۔

(۳) کبھی اسم ظاہر کو ضمیر کی جگہ رکھ کر مبتدا کے ساتھ اسے ربط دیا جاتا ہے، جیسے ﴿الحاقة ما الحاقة﴾ میں ﴿الحاقة﴾ مبتدا ہے اور ﴿ما لحاقة﴾ اصل میں (الحاقة ماھی) تھا یہ پورا جملہ اس کے لئے خبر ہے جس کی جگہ ﴿الحاقة﴾ اسم ظاہر رکھ کر مبتدا کی طرف لوٹنے والا عائد قرار دیا گیا ہے۔

(۴) کبھی یہ عائد مبتدا کی تفسیر کی شکل میں ہوتا ہے جیسے ﴿قل ھو اللہ أحد﴾ میں (ھو) مبتدا مفسَّر ہے، اور ﴿اللہ أحد﴾ پورا جملہ خبر بن کر ماقبل کے لئے تفسیر ہے، تو گویا کہ یہ پورا جملہ تفسیر یہ عائد ہے جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ مفسر اور تفسیر لازم وملزوم ہیں (فوُجد الربط والعلاقة بینھما)۔

تیسری بات: وقد یحذف کی وضاحت

(وقد یُحذف) سے صاحب کتاب بتا رہے ہیں کہ خبر جب جملہ ہو تو اصل تو یہ ہے کہ اس میں کوئی عائد ہو جو مبتدا کی طرف لوٹ رہی ہو، لیکن جہاں کوئی قرینہ موجود ہو تو اس عائد کو حذف کرنا بھی جائز ہے جیسے (السمن منوان بدرھم) اصل میں (السمن

منوان منه بدرهم) تھا،اور (البُرُّ الكرُّ بستين درهماً) اصل میں (البُرُّ الكرُّ منه بستين درهماً) تھا، یہاں دونوں جگہ (منه) عائد کو اس لئے حذف کیا گیا ہے کہ بیچنے والا جب گھی اور گندم کے بیچنے کی آواز لگا رہا ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ قیمت کی بھی آواز لگا رہا ہوتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ قیمت اسی گندم اور گھی کی ہی بتا رہا ہوگا، تو یہ جو قرینہ حالیہ اور مقالیہ اس پر دلالت کر رہا ہے اسی کی وجہ سے (منه) ضمیر عائد کو حذف کر دیا گیا ہے۔

چوتھی بات: جار مجرور کا متعلَّق اور اس میں اختلاف

(وما وقعَ ظرفاً فالأكثر على أنه مقدّر بجملة) اس عبارت میں یہ مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر خبر جار مجرور کی شکل میں ہو یا جملہ ظرفیہ کی شکل میں ہو (پھر چاہے وہ ظرف مکان کی صورت میں ہو یا ظرف زمان کی صورت میں ہو) ان تینوں صورتوں میں اس کے متعلَّق کا ہونا ضروری ہے، اور وہ متعلَّق یا تو جملہ (فعلیہ) کی صورت میں نکالا جائے گا یا مفرد (یعنی اسم مشتق) کی صورت میں۔

بصریین کا مذہب

بصریین اور اکثر علماء نحو کا مذہب یہ ہے کہ فعل ہی کو محذوف نکالا جائے گا، پھر وہ فعل اپنے فاعل سے مل کر پورا جملہ بنے گا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کا جو متعلَّق ہوتا ہے حقیقت میں وہی اسی جار مجرور اور ظرف میں عامل ہوتا ہے، اور عوامل میں فعل ایک قوی قسم کا عامل ہے تو اس لئے فعل ہی کو نکالا جائے گا، جیسے (زیدٌ خلفکَ) میں (زیدٌ) مبتدا ہے اور (خلفکَ) ظرف مکان متعلَّق ہوگا (استقرَّ یا ثبتَ) فعل کے ساتھ (استقرَّ یا ثبتَ) فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر یہ خبر بنے گی، (زیدٌ) مبتدا کے لئے، (زیدٌ) مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ بن جائے گا (وهكذا زيدٌ في الدّار)۔

اب ان دونوں کے لئے تقدیری عبارت نکال کر پوری عبارت یوں بن جائی

گی (زیدٌ استقرَّ خلفکَ وزیدٌ استقرَّ فی الدار)۔

کوفیین کا مذہب

کوفیین اور دیگر بعض نحویوں کا مذہب یہ ہے کہ اس کے لئے متعلَّق مفرد یعنی اسماء مشتقہ میں سے کوئی ایک نکالا جائے گا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف اور جار مجرور جو متعلَّق بن رہے ہیں یہ اصل میں خبر کی جگہ واقع ہو چکے ہیں اور خبر کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ مفرد ہو، اور مفرد اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اس کے لئے متعلَّق شبہ فعل یعنی اسماء مشتقہ میں سے کسی ایک کو نکالا جائے جیسے ماقبل والی دونوں مثالوں کی تقدیری عبارت یوں بنادی جائے: (زیدٌ مستقِرٌّ خلفکَ وزیدٌ مستقِرٌّ فی الدار)۔

ظرف لغو اور ظرف مستقر

ظرف کا متعلَّق چاہے فعل ہو یا اسم (علی اختلاف القولین) اگر مذکور ہو تو اس کو ظرف لغو کہتے ہیں، اس لئے کہ جب ظرف کا تعلق پیچھے عامل مذکور سے ہو تو اب عمل وہی عامل مذکور ہی کرے گا اور ظرف عمل کرنے سے لغو اور بے کار ثابت ہوگا۔

اور اگر مذکور نہ ہو تو اسے ظرف مستقر کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس کا متعلق چاہے اسم ہو یا فعل وہ جب حذف ہو جاتا ہے تو عامل کی ضمیر ظرف کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور اس میں استقرار پکڑتی ہے تو اس استقرار پکڑنے کی وجہ سے اس کو ظرف مستقر کہا جاتا ہے۔

☆☆☆

درس (۴۱)

تقدیم مبتداء کا بیان

وإذا كان المبتدأ مشتملاً على ما له صدر الكلام، مثل: من ابوك؟ أو كانا معرفتين، أو متساويين، نحو: أفضل منك أفضل مني، أو كان الخبر فعلاً له، مثل: زيدٌ قامَ، وجبَ تقديمه.

ترجمہ: اور جب مبتداء مشتمل ہوایسے معنی پر جس کے لئے صدارت کلام واجب ہو جیسے (من ابوک) یا مبتداء اور خبر دونوں معرفہ ہوں، یا دونوں تخصیص میں برابر ہوں جیسے (أفضل منک أفضل مني) یا خبر اس (مبتداء) کا فعل ہو جیسے (زیدٌ قامَ) تو واجب ہوگا مقدم کرنا (خبر پر)۔

تشریح: آج کے درس میں مبتدا کے متعلق تیسرا مسئلہ اور اس کی چار مقامات بیان کئے جائیں گے:

مبتدا کے متعلق تیسرا مسئلہ

مبتدا کے متعلق پہلا مسئلہ گذرا تھا کہ (أصل المبتدأ التقديم) تو وہ جوازی مسئلہ تھا یعنی مبتدا کو اپنے اصل پر رکھنا بھی جائز تھا اور اس اصل کو چھوڑ کر خبر کو مقدم کرنا بھی جائز تھا، اب جواز کے بعد یہاں سے ایسے چار اصول اور مقامات بیان فرمارہے ہیں جہاں مبتدا کو مقدم کرنا واجب ہے۔

تقدیم مبتداء کا پہلا مقام

(إذا كان المبتدأ مشتملاً على ماله صدر الكلام) یعنی مبتدا ایسا کلمہ ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہو جیسے (من ابوک) یہاں مبتدا کو مقدم کرنا اس لئے واجب ہے کہ

اگراس کومقدم نہیں کرینگے تو (مَنْ) جوصدارت کلام کو چاہتا ہے وہ صدارت ختم ہوجائیگی۔

یہ امام سیبویہؒ اور اس کے متبعین کا مذہب ہے جبکہ دیگر علماء نحوؒ کے ہاں (مَنْ) استفہامیہ خبر مقدم ہے اور (أبو کَ) مبتدا مؤخر ہے اس لئے کہ (مَنْ) حرف استفہام ہے اوراس کے بارے میں تھوڑا آگے چل کر صاحب کتابؒ فرمائینگے کہ (واذا تضمن الخبر المفرد ما له صدر الکلام) اس کے نیچے ناکت صاحب نے لکھا ہے کہ (کالاستفهام) اور پھر آگے چل کر صاحب کتابؒ فرماتے ہیں (وجب تقدیمه)، لہذا یہاں بھی (منْ) خبر مقدم ہے جو وجوبی طور پر مقدم کیا گیا ہے۔

فائدہ۱: چھ چیزیں ایسی ہیں جو صدارت کلام چاہتی ہیں: شرط، قسم، تعجب، استفہام، نفی، اور لام ابتدائیہ، جن کو ایک شاعر نے اپنے ایک شعر میں جمع کیا ہے:

شش چیز بود مقتضی صدر کلام   در طبع فصیحان شده این نظم تمام
شرط، وقسم، وتعجب، واستفهام   نفی آمد ابتداء گشت تمام

اور بعض حضرات کے ہاں تمنی اور ترجی بھی ان کے ساتھ شامل ہیں، تو ان کے ہاں کل آٹھ چیزیں ہوجائیگی۔

فائدہ۲: استفہام کی مثال تو صاحب کتاب نے لکھی ہے دیگر کی مثالیں بھی اتماماً للفائدہ ملاحظہ ہوں: مثلاً شرط کی مثال (من یکرمنی فانا اکرمه)، قسم کی مثال ﴿لعمرک إنهم لفی سکرتهم یعمهون﴾، تعجب کی مثال (ما أحسن زیداً)، نفی کی مثال (لا زید فی الدار ولا عمروٌ)، اور لام ابتدائیہ بر مبتداء کی مثال (لزیدٌ منطلقٌ)۔

دوسرا مقام

أو کانا معرفتین: دوسرا مقام مبتدا کو خبر پر مقدم کرنے کا یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور دونوں میں سے مبتدا کی تعیین پر کوئی قرینہ بھی موجود نہ ہو جیسے (الله

خالقنا و رازقنا) اور (القرآن کتابنا) وغیرہ۔

ایسے مقام پر مبتدا کو اگر مقدم نہ کیا جائے تو مبتدا اور خبر آپس میں ملتبس ہو جاینگے اور پتہ نہیں چلے گا کہ کونسے اسم کو مبتدا اور کونسے کو خبر بنایا جائے، لہذا یہ اصول بتا دیا کہ ان میں سے جو مقدم ہوگا وہی مبتدا بنے گا۔

البتہ جہاں کوئی قرینہ موجود ہو جیسے کوئی کہے: (ابو یوسف ابو حنیفة) تو ایسے مقام پر خبر کو مقدم کرنا بھی جائز ہے کیونکہ قرینہ موجود ہے کہ یہاں تشبیہ دی گئی ہے اور تشبیہ ہمیشہ ادنی کی اعلی سے دی جاتی ہے نہ کہ اس کے برعکس، تو (ابو یوسف ابو حنیفة) کا معنی یہ ہوگا: کہ امام ابو یوسفؒ علم اور عمل میں امام ابو حنیفہؒ کی طرح ہے، لیکن اس کے برعکس نہیں ہو سکتا۔

تیسرا مقام

او متساویین: تیسری جگہ یہ ہے کہ جہاں مبتدا اور خبر دونوں نکرہ مخصوصہ ہو اور تخصیص کے مقدار میں بھی دونوں بالکل برابر ہوں تو وہاں بھی التباس کے خوف سے بچنے کے لئے پہلے والے کو مبتدا بنایا جائے گا جیسے (افضل منکَ افضل منی) دیکھئے یہاں دونوں جگہ (افضل) صیغہ اسم تفضیل نکرہ ہے اور پھر دونوں کی تخصیص (مِنْ) کے ذریعے ضمائر کی طرف برابر درجے کی گئی ہے، لہذا یہاں بھی پہلے والے کو ہی مبتدا بنایا جائے گا۔

چوتھا مقام

او کان الخبر فعلاً له: چوتھی جگہ یہ ہے کہ خبر جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو جیسے (زیدٌ قامَ) اور (عمروٌ کتبَ)، یہاں اگر مبتدا کو مقدم نہیں کیا گیا تو التباس لازم آئے گا کہ (زیدٌ اور عمروٌ) مبتدا ہیں یا (قامَ اور کتبَ) کے لئے فاعل ہیں۔

درس (۴۲)

تقدیم خبر و تعدد خبر کا بیان

وإذا تضمن الخبر المفرد ما له صدر الكلام، مثل: أين زيدٌ؟ أو كان مصحّحاً له، مثل: في الدار رجلٌ، أو لمتعلّقه ضميرٌ في المبتدأ، مثل: على التمرة مثلها زبداً، أو كان خبراً عن (أنَّ)، مثل: عندي أنَّكَ قائمٌ، وجبَ تقديمه، وقد يتعدَّد الخبر، مثل: زيدٌ عالمٌ عاقلٌ.

ترجمہ: اور جب مفرد خبر ایسے کلمہ کو متضمن ہو جس کو صدارت کلام حاصل ہو جیسے (أين زيدٌ؟) یا وہ خبر کا تصحیح کنندہ ہو جیسے (في الدار رجلٌ) یا اس کے متعلّق کے لئے مبتدا میں کوئی ضمیر پائی جا رہی ہو جیسے (على التمرة مثلها زبداً) یا وہ (أنَّ) کے اسم اور خبر سے بنا ہوا ہو جیسے (عندي أنَّكَ قائمٌ) تو (ان چار مقامات میں) خبر کو مبتدا پر مقدم کرنا واجب ہے، اور کبھی کبھار ایک مبتدا کی کئی خبریں بھی آسکتی ہیں جیسے (زيدٌ عالمٌ عاقلٌ)۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) خبر کے متعلق تیسرا مسئلہ یعنی تقدیم خبر۔

(۲) خبر کے متعلق چوتھا مسئلہ یعنی تعدد خبر۔

پہلی بات: خبر کے متعلق دوسرا مسئلہ: تقدیم خبر

خبر کے متعلق اصل بات تو یہ ہے کہ وہ مبتدا کے بعد ہو لیکن کبھی کبھار کوئی عارض پیش آجاتا ہے جس کی وجہ سے خبر کو مقدم لایا جاتا ہے، ایسے کل چار مقامات ہیں:

تقدیم خبر کا پہلا مقام

وإذا تضمن الخبر المفرد ما له صدر الكلام: یعنی خبر ایسے مفرد کی

صورت میں ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہو جیسے کہ حروف استفہام ہوتے ہیں مثلاً (أیــــن زیــدٌ؟) تو ایسی حالت میں خبر کو مقدم کرنا واجب ہے، اگر نہیں کرینگے تو حروف استفہام جو صدارت کلام کو چاہتے ہیں ان کی صدارت فوت ہو جائے گی۔

یہاں پر صاحب کتابؒ نے (الخبر) کو (المفرد) کے ساتھ مقید فرمایا ہے؛ اس لئے کہ اگر خبر جملہ استفہامیہ کی صورت میں ہو تو وہاں خبر کو مقدم نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف حرف استفہام کو اپنے مدخول پر مقدم کر لیا جائے گا جیسے (زیدٌ منْ أبوہ؟)۔

دوسرا مقام

أو کــان مــصـحّحاً له: تقدیم خبر کا دوسرا موقع یہ ہے کہ جہاں پر خبر کا مقدم کرنا خود مبتدا کے لئے تصحیح کنندہ ہو، اور اس سے مبتدا کا صحیح ہونا معلوم ہو رہا ہو، مطلب یہ کہ کسی جگہ پر (تقدیم ماحقہ التاخیر) کی وجہ سے نکرہ کو مبتدا بنایا گیا ہو وہاں اگر خبر کو مقدم نہ کیا جائے تو (تقدیم ماحقہ التاخیر) ختم ہو جائیگی اور اس کے ختم ہونے کی وجہ سے نکرہ کے اندر سے پیدا شدہ تخصیص ختم ہو جائیگی اور اس کی وجہ سے اس کا مبتدا ہونا بھی ختم ہو جائے گا، لہذا یہ بات لازمی قرار دی گئی ہے کہ ایسے موقع پر خبر کو مقدم کرنا واجب ہوگا جیسے (فی الدار رجلٌ)۔

خلاصہ یہ کہ جہاں (تقدیم ماحقہ التاخیر) کی وجہ سے خبر کو مقدم کیا گیا ہو اس کو اپنی حالت پر رکھنا واجب ہے، ورنہ مذکورہ خرابی لازم آئی گی۔

تیسرا مقام

أو لمتعلقه ضمیرٌ فی المبتدأ: تیسرا مقام جہاں خبر کا مقدم کرنا واجب ہے وہ یہ ہے کہ مبتداء میں خبر کے متعلق کے لئے کوئی ضمیر ہو جیسے (علــی التمرۃ مثلہــا زبدًا)، پہلے اس کی ترکیب سمجھ لیں:

(علی التمرۃ مثلہا زبدًا) میں (علی التمرۃ) جار مجرور مل کر متعلق ہوا

(کائنٌ یاحاصلٌ) کے ساتھ (حاصلٌ) صیغہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم بن جائے گا، (مثلُ) مضاف (ھا) ضمیر جو کہ راجع ہے (التمرۃ) کی طرف یہ مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ مل کر ممیّز (زبداً) تمیز، ممیّز تمیز مل کر مبتدا مؤخر، خبر مقدم مبتدا مؤخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

دیکھئے (مثلھا زبداً) یہاں مبتدا مؤخر بن رہا ہے اس میں (ھا) ضمیر کا مرجع (تمرۃٌ) ہے جو (علی) حرف جر کے ساتھ مل کر (حاصلٌ) کے ساتھ متعلق ہو کر خبر بن رہا ہے۔

یہاں اگر خبر کو مقدم نہ رکھا جائے اور یوں پڑھا جائے (مثلھا زبداً علی التمرۃ) تو (مثلھا) میں اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبۃً دونوں طرح لازم آئے گا جو کہ نا جائز ہے، اس لئے یہاں بھی لازمی قرار دیا کہ خبر کا مقدم کرنا واجب ہے۔

چوتھا مقام

او کان خبراً عن انَّ: چوتھی جگہ یہ ہے کہ وہ خبر ایسے مبتدا کا ہو جو (انَّ) کے اسم اور خبر سے مل کر بنی ہو جیسے (عندی أنک قائمٌ) اس میں (عندی) مضاف مضاف الیہ مل کر خبر مقدم ہے (أنَّ) حرف از حروف مشبہ بالفعل، (ک) ضمیر اس کا اسم اور (قائمٌ) اس کی خبر، (أنَّ) حرف از حروف مشبہ بالفعل اپنے اسم اور خبر سے مل کر بتاویل مفرد کے ہو کر مبتدا مؤخر، خبر مقدم مبتدا مؤخر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ بنے گا۔

دیکھئے یہاں (عندی) ایسے مبتدا کا خبر ہے جو (انَّ) کے اسم اور خبر سے مل کر بن رہی ہے، ایسے مقام پر خبر کو مقدم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ مقدم نہ کرنے کی صورت میں عبارت یوں بنے گی (أنک قائمٌ عندی)، اس میں ایک خرابی تو یہ لازم آئیگی کہ (انَّ) کا (إنَّ) سے انقلاب لازم آئے گا کیونکہ ابتداء کلام میں (إنَّ) آتا ہے نہ کہ (أنَّ)۔

دوسری خرابی یہ لازم آئیگی کہ کلامِ خفیف کا ثقیل بننا لازم آئے گا کیونکہ (انَّ) کے

مقابلے میں (إنَّ) ثقیل ہوا کرتا ہے۔

تیسری معنوی خرابی یہ لازم آئیگی کہ (أنَّ) کی صورت میں اس کے معنی میں تعمیم ہوگا اس لئے کہ (عندی أنک قائمٌ) کا معنی بنتا ہے (مجھے معلوم ہے آپ کا کھڑا ہونا (وہ کھڑا ہونا جہاں بھی ہو)) اور (إنّک قائمٌ عندی) کا معنی بنے گا (یقیناً تو کھڑا ہونے والا ہے میرے پاس) دیکھئے عمومیت والا معنی ختم ہو کے خصوصیت کا معنی پیدا ہوگیا۔

دوسری بات: خبر کے متعلق تیسرا مسئلہ (تعدد خبر)

(وقد یتعدّد الخبر) اس عبارت میں مبتدا اور خبر دونوں کے متعلق ایک مشترک مسئلہ بیان فرمارہے ہیں، کہ ایک مبتدا کے لئے کئی خبریں لائی جاسکتی ہیں، جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿الرحمن، علم القرآن، خلق الإنسان، علمه البیان﴾ دیکھئے یہاں مبتدا ایک ہے اور خبریں تین لائی گئیں ہیں، اور صاحب کتاب نے اس کے لئے مثال بیان فرمائی ہیں (زیدٌ عالمٌ عاقلٌ)۔

ایک مبتدا کے لئے کئی خبروں کی جائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مبتدا ذات کے درجے میں ہوتا ہے اور خبر صفت کے درجے میں، اور یہ بات واضح ہے کہ ایک ذات کی کئی صفات ہوسکتی ہیں۔

درس (۴۳)

خبر پر دخول فاء کا جواز اور عدم جواز

وقد یتضمن المبتدأ معنی الشّرط فیصح دخول الفاء فی الخبر، وذلک الاسم الموصول بفعلٍ أو ظرفٍ، أو النکرة الموصوفة بهما، مثل الذی یأتینی أو فی الدار فله درهمٌ، وکل رجل یأتینی أو فی الدار فله درهمٌ، و(لیت ولعلّ) مانعان بالاتفاق، وألحق بعضهم (إنَّ) بهما.

ترجمہ: اور بسا اوقات مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہوتا ہے تو جائز ہوگا اس کی خبر پر (فاء) کا داخل کرنا، اور وہ یہ کہ مبتدا ایسا اسم موصول ہو جس کے صلہ میں کوئی فعل ہو یا اسم ظرف ہو، یا وہ مبتدا ایسا اسم نکرہ ہو جو ان دونوں (فعل اور ظرف) کے ساتھ موصوف ہو جیسے (الذی یأتینی أو فی الدار فله درهمٌ، وکل رجل یأتینی أو فی الدار فله درهمٌ) اور خبر پر (فاء) کو داخل کرنے سے منع کرنے والے ہیں (لیت اور لعلَّ) باتفاق علماء نحو، اور بعض علماء نحو (امام سیبویہؒ) نے ان دونوں کے ساتھ (إنَّ) کو بھی ملایا ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں بھی صرف دو باتیں ہیں:

(۱) خبر پر دخول فاء کے چار مواقع۔

(۲) خبر پر دخول فاء کے عدم جواز کے دو موقعے، ان دونوں باتوں کو خبر کے متعلق پانچویں مسئلے سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

خبر کے متعلق چوتھا مسئلہ

فرماتے ہیں کہ جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو یعنی مبتدا شرط اور سبب کے درجے میں ہو اور خبر جزاء شرط اور مسبب کے درجے میں ہو تو جس طرح جزاء پر (فاء) داخل کی جاتی ہے اسی طرح خبر پر بھی اس کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے (فاء) لانا جائز ہوگا۔

صاحب کتابؒ نے ابتداء اس کے لئے دو صورتیں بنائی ہیں پھر ان میں ہر ایک کے لئے دو دو صورتیں بنائی ہیں تو کل چار صورتیں ہوئیں جہاں خبر پر (فاء) کا لانا جائز ہے۔

ابتداءً دو صورتیں یہ ہیں کہ وہ مبتدا یا تو اسم موصول کی شکل میں ہوگا یا اسم نکرہ موصوفہ کی شکل میں۔

اسم موصول کی شکل میں ہو تو اس کی بھی دو صورتیں بنتی ہیں پہلی صورت یہ ہے کہ (وذلک الاسم الموصول بفعلٍ) یعنی مبتدا اسم موصول ہو اور اس کے بعد صلہ جملہ فعلیہ کی شکل میں ہو جیسے (الذی یأتینی فله درهمٌ)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ مبتدا اسم موصول کی شکل میں ہو اور اس کا صلہ ظرف ہو جیسے (الذی فی الدار فله درهمٌ)۔

اور اسم نکرہ موصوفہ کی شکل میں ہو تو اس کی بھی دو صورتیں بنتی ہیں اس کے لئے مصنفؒ نے اگلی عبارت (أو النکرة الموصوفة بهما) لاکر اشارہ فرمایا ہیں۔

پہلی صورت یہ بن رہی ہے کہ مبتدا اسم نکرہ موصوفہ ہو اور صفت جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو جیسے (کل رجل یأتینی فله درهمٌ)۔

اور دوسری صورت یہ بن رہی ہے کہ مبتدا اسم نکرہ موصوفہ کی شکل میں ہو اور صفت اسم ظرف کی شکل میں ہو جیسے (کل رجل فی الدار فله درهمٌ)۔

تو یہ وہ چار صورتیں ہیں جہاں مبتدا کی خبر پر (فاء) کا لانا جائز ہے۔

دوسری بات موانع دخولِ فاء

(ولیت ولعلَّ مانعان بالاتفاق) صاحب کتابؒ دخول فاء کے موانع بیان فرمارہے ہیں، تو فرمایا کہ ایسا کوئی مبتدا ہو جس کی خبر پر (فاء) آتی ہو جب اس پر (لیت اور لعلَّ) میں سے کوئی ایک داخل ہو جائے تو پھر اس پر (فاء) کا داخل کرنا منع ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ مبتدا اور خبر جملہ خبریہ بنتے ہیں اور شرط اور جزاء بھی جملہ خبریہ بنتے ہیں تو ان دونوں میں یہ مشابہت پائی جاتی ہے، لہذا جب شرط پر (فاء) داخل ہو سکتی ہے تو خبر پر بھی داخل ہوگی لیکن جب اس پر (لیت اور لعلَّ) میں سے کوئی ایک داخل ہو جائے تو یہ جملہ انشائیہ بن جائے گا جس کی شرط کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رہی گی؛ کیونکہ شرط اور جزائے شرط جملہ خبریہ بنتے ہیں اور (لیت ولعل) کا مدخول جملہ انشائیہ ہوتا ہے، لہذا اس پر (فاء) کا داخل کرنا بھی منع ہو جائے گا جیسے (لعلَّ الذی فی الدار له درهمٌ) اور (لیت الذی فی الدار له درهمٌ)۔

فائدہ: افعال ناقصہ اور افعال قلوب بھی دخول (فاء) علی الخبر کے لئے بالاتفاق مانع ہیں لیکن صاحب کتابؒ نے صرف (لیت اور لعلَّ) کو ذکر فرمایا، اس کی وجہ یہ

ہے کہ افعال قلوب اور افعال ناقصہ تو سارے کے سارے بالاتفاق مانع ہیں اور ان کا مانع ہونا مشہور بھی ہے، اور جو چیز مشہور ہوتی ہے اس کے ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی اس لئے یہاں بھی ان کو ذکر نہیں فرمایا۔

رہی بات (لیت اور لعلَّ) کی جو حروف مشبہ بالفعل میں سے ہیں تو حروف مشبہ بالفعل سارے مانع نہیں ہیں بلکہ ان میں سے (لیت اور لعلَّ) میں تو علماء نحو کا اتفاق ہے جس کی طرف صاحب کتابؒ نے (ولیت ولعلَّ) مانعان بالاتفاق) کے ذریعے اشارہ فرمایا ہیں۔

اور (إنَّ) کے متعلق اختلاف ہے بعض کے ہاں یہ بھی (لیت اور لعلَّ) کی طرح مانع ہے، جس کی طرف صاحب کافیہ نے (وألحق بعضهم إنَّ بهما) کے ذریعے اشارہ فرمایا ہے یعنی بعض علماء نحو مثلاً امام سیبویہ اور ان کی متبعین نے (إنَّ) کو بھی (لیت اور لعلَّ) کے ساتھ شامل کر کے مانع بتایا ہیں، لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ مانع نہیں ہے اس لئے کہ قرآن مجید جو افصح الکتب ہے اس میں اس کی خبر پر (فاء) داخل ہوگئی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے ﴿إنَّ الذين فتنوا المؤمنين والمؤمنات ثم لم يتوبوا فلهم عذاب جهنم﴾ میں ﴿فلهم﴾ پر (فاء) داخل ہے، اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے ﴿إن الذين كفروا وماتوا وهم كفار فلن يقبل من أحدهم ملء الأرض ذهباً﴾ میں ﴿فلن يقبل﴾ پر (فاء) داخل ہے۔

اسی طرح (أنَّ اور لکنَّ) کی خبروں پر بھی (فاء) داخل ہوسکتی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه﴾، اور ایک شاعر فرماتے ہیں:

فوالله ما فارقتكم قالياً لكم ولكنَّ ما يُقضى فسوف يكون

اس میں دیکھئے (فسوف يكون) پر (فاء) داخل ہے، لہذا یہ بات متعین ہوگئی کہ دخول فاء علی الخبر کے لئے مانع صرف (لیت اور لعلَّ) ہیں، اس لئے ان کو ذکر فرمایا اور

افعال قلوب اور افعال ناقصہ کو چھوڑ دیا۔

درس (۴۴)

مبتداء اور خبر کے حذف کا بیان

وقد يحذف المبتدأ لقيام قرينة جوازاً، كقول المستهلّ: الهلال والله، والخبر جوازاً، مثل: خرجتُ فإذا السبع، ووجوباً فيما التزم في موضعه غيره، مثل: لو لا زيدٌ لكان كذا، ومثل: ضربي زيداً قائماً، وكل رجلٍ وضيعته، ولعمرك لأفعلنّ كذا.

ترجمہ: اور کبھی کبھار مبتدا کو کسی قرینہ کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے جیسے چاند دیکھنے والے کا کہنا: الهلال والله، اور (اسی طرح) کبھی خبر کو بھی جوازی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے، جیسے (خرجتُ فإذا السبع) اور ایسے مقام پر جہاں اس کی جگہ پر اس کے علاوہ کوئی اور چیز آ گئی ہو تو وہاں خبر کو وجوبی طور پر حذف کیا جائے گا، جیسے (لو لا زيدٌ لكان كذا، ومثل: ضربي زيداً قائماً، وكل رجلٍ وضيعته، ولعمرك لأفعلنّ كذا)۔

تشریح: یہاں تک تو مبتدا اور خبر کے ان احکامات اور مسائل کا ذکر تھا جو ان کے مذکور ہونے کے متعلق تھے اب یہاں سے صاحب کتابؒ ان احکامات اور مسائل کو بیان فرما رہے ہیں جن میں مبتدا اور خبر مذکور نہ ہوں بلکہ محذوف ہوں، لہذا عبارت بالا میں مصنفؒ نے تین مسائل بیان کیے ہیں:

(۱) مبتدا کے متعلق پانچواں مسئلہ: حذف مبتدا جوازاً۔

(۲) خبر کے متعلق چوتھا مسئلہ: حذف خبر جوازاً۔

(۳) خبر کے متعلق پانچواں مسئلہ: حذف خبر وجوباً۔

پہلی بات: مبتدا کے متعلق پانچواں مسئلہ: حذف مبتدا جوازاً

جیسا کہ پہلے بھی یہ بات گذر چکی ہے کہ (قد) جب مضارع پر داخل ہو جائے تو اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اب جو مسئلہ بیان ہو رہا ہے یہ اصل نہیں ہے بلکہ یہ خلاف الاصل ہے، فقط بیان جواز کے لئے اسے ذکر کیا جا رہا ہے۔

لہذا صاحب کتابؒ کی عبارت (وقد يحذف المبتدأ لقيام قرينة جوازاً) کا مطلب بھی یہی ہے کہ کبھی کبھار خلاف الاصل طریقے پر مبتدا کو حذف کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس کے حذف کرنے پر کوئی قرینہ پایا جا رہا ہو مثلاً چاند دیکھنے میں لوگ بڑے انہماک اور جستجو کے ساتھ لگے ہوئے ہو اور اس کو تلاش کر رہے ہو اتنے میں اچانک ایک آدمی کو نظر آ جائے تو ایسے موقع پر وہ بڑے زور اور شور سے صرف یہ کہتا ہے کہ (الهلال والله) یہ اصل میں (هذا الهلال والله) تھا، یعنی دیکھو وہ چاند نظر آ رہا ہے۔

یہاں مبتدا کے حذف ہونے پر قرینہ حالیہ پایا جا رہا ہے اس لئے کہ لوگوں کا چاند کی طرف دیکھنا اور اس کی طرف سروں کا اٹھانا یہ سارے خود چاند کی طرف اشارہ کرنے پر دلالت کر رہے ہیں تو اس لئے اس سے پہلے اسم اشارہ (یعنی مبتدا) کو لفظوں میں ذکر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی؛ کیونکہ اسم اشارہ مخاطب کو مشارٌ الیہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے لایا جاتا ہے اور یہاں لوگ پہلے سے متوجہ ہیں۔

دوسری بات: خبر کے متعلق پانچواں مسئلہ (حذف خبر جوازاً)

والخبر جوازاً: خبر کے متعلق پانچواں مسئلہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ کبھی کبھار خبر کو بھی جوازی طور پر حذف کر دیا جاتا ہے بشرطیکہ خبر کے قائمقام کوئی اور چیز نہ ہو ورنہ تو ایسی صورت میں اس کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے (كما سيأتي قريباً) جیسے (خرجتُ فإذا السبع) یہاں (السبع) مبتدا ہے اور (واقفٌ) اس کی خبر محذوف ہے۔

قرینہ یہاں پر یہ ہے کہ (إذا) مفاجاتیہ پورے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے جبکہ

یہاں جملے پر نہیں بلکہ صرف اسم مفرد پر داخل ہے تو معلوم ہوا کہ یہاں اس کی خبر محذوف ہے، تو گویا کہ قرینہ یہاں پر (إذا) مفاجاتیہ کا قاعدہ ہے۔

تیسری بات: خبر کے متعلق چھٹا مسئلہ (حذف خبر وجوباً)

(ووجوباً فیما التزم فی موضعه غیره) خبر کے متعلق چھٹا مسئلہ بیان کررہے ہیں کہ خبر کو چار موقعوں پر وجوبی طور پر حذف کیا جائے گا۔

حذف خبر وجوبی کا پہلا مقام

لولا زیدٌ لکان کذا: یعنی اس مبتدا کی خبر کو حذف کرنا واجب ہے جو مبتدا (لولا) کے بعد واقع ہو جیسے (لولا زیدٌ لکان کذا) اس میں (موجودٌ) خبر ہے جو کہ حذف کر دیا گیا ہے اور (لکان کذا یا لهلک عمر) یعنی جوابِ (لولا) کو اس کا قائمقام کر دیا گیا ہے۔

قرینہ یہاں پر (لولا) کا قاعدہ ہے یعنی جیسا کہ ہم نے نحو میر میں پڑھا تھا کہ (لولا) انتفاء ثانی کے لئے آتا ہے بوجہ وجود اول کے۔

یہاں دیکھئے! عمر کی ہلاکت منتفی ہے یعنی وہ ہلاک نہیں ہوا زید کے موجود ہونے کی برکت سے، تو گویا کہ (لولا) خود اور عمر کا ہلاک نہ ہونا زید کے موجود ہونے پر دلالت کررہے ہیں، اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ یہاں خبر کا قائمقام یعنی (لولا) کا جواب بھی موجود ہے۔

فائدہ: یہ قاعدہ صرف اس خبر کے لئے ہے جو افعال عامہ (یعنی کون، وجود، ثبوت، حصول، استقرار اور تلبث) میں سے کسی ایک سے بن رہا ہو، ورنہ ان کے علاوہ دیگر افعال سے اگر بن رہا ہو تو اس کو حذف نہیں جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا کہ (لولا قومک حدیثو عهد با لإسلام لأسست الکعبة علی قواعد

إبراهيم عليه الصلاة والسلام)۔

اسی طرح امام شافعیؒ کے اشعار میں بھی ہے:

ولولا خشية الرحمن عندي　　جعلت الناس كلهم عبيد

ولولا الشعر بالعلماء يزري　　لكنت اليوم أشعر من لبيد

دیکھئے حدیث مبارکہ میں (لولا قومک) کے بعد (حدیثو عهد بالإسلام) اور شعر میں (یزری اور بعدی) تینوں جگہ خبر بن رہے ہیں اور تینوں جگہ (لولا) کے جواب میں واقع ہو چکے ہیں لیکن افعال عامہ میں سے نہیں ہیں اس لئے ان پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوگا کہ یہاں کیوں حذف نہیں ہوا۔

حذف خبر وجوبی کا دوسرا مقام

ومثل: ضربي زيداً قائماً: یہاں سے حذف خبر وجوباً کا دوسرا مقام بیان فرمارہے ہیں وہ یہ کہ جہاں کہیں مبتدا مصدر حقیقی یا تاویلی کی صورت میں ہو اور اس مصدر کی اضافت اپنے فاعل یا مفعول میں سے کسی ایک یا دونوں کی طرف ہو رہی ہو اور اس کے بعد فاعل یا مفعول میں سے کسی ایک سے یا دونوں سے حال واقع ہو، یا یہ کہ مبتدا صیغہ اسم تفضیل کی شکل میں ہو اور اس کی اضافت مصدر حقیقی یا تاویلی کی طرف ہو رہی ہو پھر اس مصدر کی اضافت اپنے فاعل یا مفعول میں سے کسی ایک یا دونوں کی طرف ہو رہی ہو (جس کی اس حساب سے اجمالی طور پر (۱۲) اور تفصیلی طور پر (۳۶) صورتیں بنتیں ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے تقریر کافیہ ص ۱۲۷ و ۱۲۸)۔

تو ان ساری صورتوں میں ظرف کو خبر کا قائمقام بنا کر خود خبر کو حذف کرنا واجب ہے، پھر حال کو ظرف کا قائمقام بنا کر خود ظرف کو بھی حذف کرنا واجب ہے جیسے مثال کے طور پر (ضربي زيداً قائماً) یہ اصل میں (ضربي زيداً حاصلٌ إذا كان قائماً) تھا اس کی ترکیب یوں ہوگی:

ترکیب: (ضربی) مصدر مضاف اپنے فاعل کی طرف (ی) ضمیر متکلم مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مبتدا، (زیداً) مفعول بہ، (إذا) ظرفیہ، (کان) فعل تام، اس کے اندر (ھو) ضمیر ذوالحال، (قائماً) صیغہ اسم فاعل، (ھو) ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر شبہ جملہ ہوکر حال، ذوالحال اپنے حال سے ملکر (کان) فعل تام کے لئے فاعل، (کان) فعل اپنے فاعل سے ملکر مظروف، (إذا) ظرفیہ اپنے مظروف سے ملکر متعلق ہوا (حاصلٌ) صیغہ اسم فاعل کے ساتھ، اس کے اندر (ھو) ضمیر اس کا فاعل، اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہوکر خبر ہوا مبتدا کے لئے، مبتدا اپنے خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

غور فرمائیں! یہاں (حاصلٌ) جو خبر ہے اس کو حذف کر کے (إذا کانَ) ظرف کو اس کا قائمقام بنایا تو جملہ اس طرح بنا (ضربی زیداً إذا کانَ قائماً) پھر (إذا کانَ) ظرف کو بھی حذف کر کے حال (قائماً) کو اس کا قائمقام بنایا تو (ضربی زیداً قائماً) بن گیا، لہذا صاحب کتابؒ نے یہی مثال لکھی ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

(إذا کانَ) ظرف کو (حاصلٌ) کا قائمقام کیوں بنایا گیا، ان دونوں کے درمیان کیا مناسبت ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ (إذا کانَ) ظرف ہے اور ظرف اور جار مجرور کے متعلق ہم نے ماقبل میں پڑھا ہے کہ یہ دونوں اپنے لئے متعلق ضرور چاہتے ہیں اور وہ متعلق یا تو فعل ہو گا یا شبہ فعل، تو اس جملے میں بھی (حاصلٌ) شبہ فعل تھا، لہذا ہم نے سوچا کہ ظرف تو اپنے لئے متعلق ضرور چاہتا ہے پھر چاہے وہ لفظوں میں ہو یا نہ ہو یہی ظرف خود بخود اس کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے اور اس کی طرف سے گویا کہ ایک ترجمان کا کام دیتا ہے، تو اس لئے وہی متعلَّق جو خبر بن رہا تھا اس کو حذف کر کے ظرف کو جو اس کا متعلِّق ہے ہم نے اس کا

قائمقام بنایا، پھر اس ظرف کو بھی حذف کر کے حال کو اس کا قائمقام بنایا اس لئے کہ ظرف اور حال کے معنی میں کچھ نہ کچھ اشتراک اور مشابہت ہوا کرتی ہے مثلاً (لقیتُ زیداً راکباً) کا معنی ہم یوں کرتے ہیں (لقیتُ زیداً فی زمان رکوبه)۔

یہ تو مصدر حقیقی کی مثال تھی جس کی اضافت فاعل اور مفعول دونوں کی طرف ہو رہی تھی اور (قائماً) حال تھا مفعول کا، جس کا بیان الحمدللہ پوری تفصیل کے ساتھ ہمارے سامنے آیا۔

اور مصدر حقیقی جو فاعل کی طرف مضاف ہو اور بعد والا حال بھی اسی فاعل سے واقع ہو رہا ہو تو اس کی مثال یوں ہوگی: (ذھابی راجلاً)، اسی طرح مصدر تاویلی کی مثال (أن ذھبتُ راجلاً) یہ مضاف ہے فاعل کی طرف اور حال بھی فاعل سے واقع ہے، اسی طرح اسم تفضیل کی مثال (أکثر شربی السویقَ ملتوتاً) اس میں اسم تفضیل مضاف ہے مصدر حقیقی کی طرف اور وہ مضاف ہے اپنے فاعل کی طرف، اور حال واقع ہو رہا ہے مفعول سے، اور (أکثر أن ذھبتُ راجلاً) میں اسم تفضیل مضاف ہے مصدر تاویلی کی طرف اور وہ مضاف ہے اپنے فاعل کی طرف اور حال واقع ہو رہا ہے فاعل سے، (وقس علیھا الأمثلة الأخری)۔

حذف خبر وجوبی کا تیسرا مقام

وکل رجلٍ وضیعته: اس مثال کے ذریعے خبر کے حذف وجوبی کا تیسرا مقام بیان فرما رہے ہیں، وہ یہ کہ ہر وہ مبتدا جس کی خبر میں مقارنت کا معنی پایا جا رہا ہو اور اس پر ایسے (واؤ) کے ذریعے عطف ڈالا گیا ہو جو (مع) کے معنی میں ہو اور وہ واؤ بمعنی مع اس خبر پر دلالت کر رہی ہو تو ایسی خبر کا حذف کرنا واجب ہے جیسے (کل رجل وضیعته)۔

یہ اصل میں (کل رجل مقرون مع ضیعته) تھا، تو (مقرونٌ) کو جو کہ خبر ہے اس کو حذف کر کے (ضیعته) کو اس کا قائمقام بنایا۔

قرینہ اس کے حذف ہونے پر یہ ہے کہ (وضیعہ) میں (واؤ) بمعنی (مع) کے ہے، تو عبارت یہ بنے گی (مع ضیعتہ) مضاف مضاف الیہ مل کر ظرف بنے گا، اور ظرف اپنے لئے متعلّق چاہتا ہے جبکہ ماقبل میں ایسا کوئی کلمہ نہیں تھا جس کے ساتھ ہم اس کو متعلّق کر لیتے تو لامحالہ (مقرونٌ) یا (مقترِنٌ) کو محذوف نکال کر ظرف کو اس کے ساتھ متعلق کردینگے۔

دوسرا طریقہ یہ بھی ہے کہ محذوف عبارت یوں بنادی جائے (کل رجل وضیعته مقرونان یامقترِنان)، اس صورت میں (کل رجلٍ) مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ بنے گا، اور (واؤ) بمعنی (مع) کے عاطفہ بنے گا، (ضیعته) مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر مبتدا، اور (مقرونان) یا (مقترنان) اس کے لئے خبر بنے گا، اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: ہر آدمی اور اس کا پیشہ آپس میں ملے ہوئے ہوتے ہیں، تو (مقترنان) کو حذف کر کے (وضیعته) کو اس کا قائمقام بنادیا گیا ہے۔

حذف خبر وجوبی کا چوتھا مقام

لعمرک لأفعلنَّ کذا: اس مثال کے ذریعے چوتھا اور آخری وہ مقام بتارہے ہیں جہاں خبر کا حذف کرنا واجب ہے، تو فرمایا کہ ہر وہ مقام جہاں مقسم بہ مبتدا بن رہا ہو تو اس کی خبر کو حذف کر کے جواب قسم کو اس کا قائمقام بنانا واجب ہوگا جیسے (لعمرک لأفعلنَّ کذا) یہ اصل میں (لعمرک قسمی لأفعلنَّ کذا) تھا، (لأفعلنَّ کذا) جواب قسم کو قائمقام بنا کر خود (قسمی) کو حذف کرلیا گیا ہے۔

قرینہ یہاں پر (لعمرک) کا (لام) ہے جو دلالت کررہا ہے قسم پر، خلاصہ یہ کہ خبر محذوف ہونے پر قائمقام اور قرینہ دونوں موجود ہیں، قائمقام جواب قسم ہے اور قرینہ (لعمرک) کا (لام) ہے۔

الحمدللہ درس (۳۹) سے یہاں تک ان پانچ دروس میں مبتداء اور خبر میں سے ہر

ایک کے متعلق پانچ پانچ اہم مسائل کا ذکر ہوا ان کو خوب ذہن نشین کر لیا جائیں۔

درس (۴۵)

خبر إنَّ واُخواتہا کا بیان

خبر إنَّ وأخواتها: هو المسند بعد دخول هذه الحروف، مثل: إنَّ زيداً قائمٌ، وأمره كأمر خبر المبتدأ إلاَّ في تقديمه، إلاَّ إذا كان ظرفاً.

ترجمہ: مرفوعات میں (إنَّ) اور اس کے اخوات کی خبر (بھی) ہے، وہ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے جیسے (إنَّ زيداً قائمٌ) اور اس کا معاملہ اور مسائل مبتدا کی خبر کے مسائل کی طرح ہیں اِلّا یہ کہ اس کو ان کے اسم پر مقدم نہیں کیا جاسکتا، سوائے اس کے کہ وہ خبر ظرف کی صورت میں ہو۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) حروف مشبہ بالفعل کی تعریف۔

(۲) تعریف میں فوائد وقیود۔

(۳) حروف مشبہ بالفعل کی خبر کے متعلق چند اہم مسائل کی طرف اشارہ۔

پہلی بات: حروف مشبہ بالفعل اور اس کی وجہ تسمیہ

(خبر إنَّ وأخواتها) سے مرفوعات کی پانچویں قسم یعنی حروف مشبہ بالفعل کی خبر کو بیان فرما رہے ہیں اور حروف مشبہ بالفعل کل چھ ہیں، جس کو ایک شاعر نے اپنے ایک شعر میں جمع کیا ہے:

إنَّ بـــا أنَّ كـــأنَّ لكنَّ ليت لـــعلَّ

ناصب اسمند ورافع در خبر ضد ماولا

ان حروف کوحروف مشبہ بالفعل اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کوفعل کے ساتھ چند وجوہ مشابہت حاصل ہے: (۱) وضعاً، (۲) وزناً، (۳) معناً، (۴) عملاً۔

وضعاً مشابهت اس طرح ہے کہ جس طرح افعال میں بعض ثلاثی ہیں اور بعض رباعی، اسی طرح ان حروف میں سے بھی بعض ثلاثی اور بعض رباعی ہیں، مثلاً: (إنَّ، أنَّ، ليتَ) ثلاثی ہیں، اور (كأنَّ، لكنَّ، لعلَّ) رباعی ہیں۔

وزناً مشابهت اس طرح ہے کہ ان میں سے ہر ایک حرف با قاعدہ کسی نہ کسی فعل کے وزن پر آتا ہے، جیسے (إنَّ) بروزن (فِـــرَّ)، اور (أنَّ) بروزن (مَـــدَّ)، اور (كأنَّ) بروزن (خرجنَ) اور (لكنَّ) بروزن (ضارِبْنَ)، (لعلَّ) بروزن (دحرجَ) اس لئے کہ یہ اصل میں (لَعَلَلَ) تھا، اور (ليتَ) بروزن (عَلْمَ)، یہ اصل میں (عَلِمَ) تھا (شهد) کے قانون سے (عَلْمَ) بنا۔

اور **معناً مشابهت** یہ ہے کہ (إنَّ اور أنَّ) دونوں (حقّقتُ) کے معنی میں ہے جو کہ فعل ہے، اور (كـــأنَّ) (شبَّهــتُ) کے معنی میں ہے، اور (لــكــنَّ) (استدركتُ) کے معنی میں، اور (ليـــتَ) (تمنَّيــتُ) کے معنی میں، اور (لــعلَّ) (ترجَّيتُ) کے معنی میں آتا ہے، جو کہ سارے افعال ہیں، اور جس طرح ان سارے افعال کا آخر مبنی بر فتح ہے اسی طرح یہ بھی سارے مبنی بر فتح ہیں۔

اور **عملاً مشابهت** یہ ہے کہ جس طرح فعل دو اسموں میں عمل کرتا ہے یعنی فاعل کو رفع اور مفعول کو نصب دیتا ہے اسی طرح یہ حروف بھی دو اسموں یعنی مبتدا اور خبر میں عمل کرتے ہیں مبتدا کو اپنا اسم بنا کر اس کو نصب دیتے ہیں اور خبر کو اپنے لئے خبر بنا کر اسے رفع دیتے ہیں۔

یہ بصریین اور اکثر علماء نحو کا مذہب ہے جبکہ کوفیین فرماتے ہیں کہ حروف مشبہ بالفعل صرف مبتدا میں عمل کرتے ہیں اس لئے کہ خبر تو پہلے سے مرفوع ہوتی ہے وہ اس کے عمل کا محتاج نہیں ہوتا۔

یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ جناب عالی! آپ نے ایک طرف تو ان حروف کو فعل کے مشابہ بنایا اور دوسری طرف اس کا عمل آپ نے فعل کے مقابلے میں بالکل برعکس رکھا ہے اس لئے کہ فعل پہلے اسم کو رفع اور دوسرے کو نصب دیتا ہے اور یہ حروف پہلے والے اسم کو نصب اور دوسرے کو رفع دیتے ہیں تو یہ تو مشابہت نہیں ہوئی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بعینہ اس کو اس جیسے عمل دیدیا جاتا تو پھر تو اصل اور فرع کے درمیان فرق کرنا مشکل ہوتا لہذا ان دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے ہم نے ایسا کیا۔

دوسری بات: حروف مشبہ بالفعل کی تعریف

وهو المسند بعد دخول هذه الحروف: اس عبارت میں مصنفؒ نے حروف مشبہ بالفعل کی خبر کی تعریف بیان فرمائی ہیں کہ (إنَّ) اور اس کے اخوات کی خبر وہ اسم ہے جو ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے (إنَّ زيداً قائمٌ) میں (قائمٌ، إنَّ) کی خبر ہے جو کہ مسند ہے یعنی اس کی اسناد کی گئی ہے (زیدٌ) کی طرف۔

تعریف میں فوائد اور قیود

خبر إن واخواتها: هو المسند بعد دخول هذه الحروف: اس عبارت میں (هو) ضمیر کا مرجع خبر ہے جو معرف ہے، اور (المسند) سے آخر تک اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں (المسند) جنس ہے جو کہ مبتداء کی خبر، حروف مشبہ بالفعل، افعال ناقصہ، لائے نفی جنس وغیرہ کی خبروں کو شامل ہے؛ کیونکہ وہ سب بھی مسند ہوتے ہیں، اور (بعد دخول هذه الحروف) اس کے لئے فصل ہے جس کے ذریعے ما سوائے حروف مشبہ بالفعل کی خبر کے اور ساری خبریں خارج ہوگئیں؛ کیونکہ وہ اگرچہ مسند ہوتیں ہیں لیکن ان حروف کے داخل ہونے کے بعد نہیں بلکہ مبتداء اور افعال ناقصہ اور لائے نفی جنس وغیرہ کے داخل ہونے کے بعد ہوتی ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ حضرت! آپ نے کہا کہ انّ کی خبر ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوگی حالانکہ ہم تو دیکھتے ہیں کہ ان حروف کے داخل ہونے سے پہلے ان کے دونوں معمول آپس میں مبتدا اور خبر تھے تو خبر تو اس وقت بھی مسند تھی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک پہلے بھی مسند تھی لیکن جب اس پر یہ حروف داخل ہوگئے تو گویا کہ وہ ترکیب اب ٹوٹ گئی اور وہ اسناد سرے سے ختم ہوگئی اب نئے سرے سے پھر یہ ایک جملہ بنا جس میں یہ مسند بن رہی ہے۔

تیسری بات: خبر اِنَّ وأخواتہا کی خبر کے متعلق چند اہم مسائل

(وأمره كأمر خبر المبتدأ) فرمارہے ہیں کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر اصل میں مبتدا ہی کی خبر تھی چنانچہ وہاں جو مسائل اور احکامات نحویہ اس سے متعلق تھے (یعنی کہ خبر مفرد اور جملہ، ایک اور متعدد، معرفہ اور نکرہ ہوسکتی ہے، اور جملہ کی صورت میں ہو تو عائد کا ضروری ہونا) یہ سارے مسائل اور احکامات اس کے ساتھ یہاں بھی متعلق ہوں گے سوائے اس کے کہ ماقبل میں خبر کے متعلق ہم نے چار صورتیں پڑھی تھیں جن میں خبر کو مقدم کرنا واجب تھا لیکن یہاں حروف مشبہ بالفعل کی خبر کو ان کے اسم پر وجوبی طور پر مقدم کرنا تو بڑی بات ہے جائز بھی نہیں ہے؛ اس لئے کہ حروف مشبہ بالفعل فعل کی فرع ہیں اور فرع عمل میں ضعیف ہوتا ہے لہذا ان حروف کا اسم اور خبر اگر اپنی ترتیب پر ہوں تب تو یہ عمل کرسکیں گے لیکن اگر غیر مرتب ہوں تو یہ ان میں عمل نہیں کرسکتے۔

یہاں خبر کے متعلق کچھ مسائل کے نمونے ملاحظہ ہوں:

(۱) مثلاً خبر کے متعلق ہم نے پڑھا تھا کہ (والخبر قد يكون جملةً مثل: زيدٌ أبوه قائمٌ وزيدٌ قامَ أبوه) تو یہاں بھی حروف مشبہ بالفعل کی خبر جملے کی صورت میں آسکتی ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے: ﴿إنا أنزلناه في ليلة القدر﴾، یہاں حروف مشبہ

بالفعل کی خبر جملہ فعلیہ کی صورت میں آتی ہے۔

(۲) اسی طرح (وقد یُحذف) میں خبر کے حذف کے بارے میں ہم نے پڑھا تھا تو یہاں بھی ایسا ہوگا جیسے (إن السمن منوان بدرهمٍ، أی: منه بدرهم)۔

(۳) اسی طرح (وماوقع ظرفاً فالأکثر علی أنه مقدَّرٌ بالجملة) یہاں بھی ایسا ہی ہوگا جیسے (إن فی الدار زیدٌ، أی: إنه استقرَّ فی الدار)۔

(۴) وہاں یہ بھی پڑھا تھا کہ (وقد یتعدَّد الخبر) یہاں بھی تعدد خبر جائز ہے جیسے (إنَّ زیداً عاقلٌ صادقٌ عالمٌ)۔

(۵) اسی طرح یہ بھی پڑھا تھا کہ (وقد یتضمن المبتدأ معنی الشرط فیصح دخول الفاء فی الخبر) یہاں بھی (لیت ولعلَّ) کی خبروں کے علاوہ کے لئے یہی حکم ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے: ﴿إن الذین فتنوا المؤمنین والمؤمنات ثم لم یتوبوا فلهم عذاب جهنم﴾۔

(إلَّا إذا کان ظرفاً) یہ استثناء مفرغ ہے اس کلام منفی سے جو ماقبل والے کلام سے سمجھا جارہا تھا جس کی پورے عبارت یہ بنے گی (ولا یتقدم علی اسمه إلا إذا کان ظرفاً) یعنی عام طور پر حروف مشبہ بالفعل کی خبر کو ان کے اسم پر مقدم نہیں کیا جاسکتا لیکن اگر خبر ظرف کی صورت میں ہو اور (إنَّ) کا اسم معرفہ ہو تو ایسے موقع پر اس کو اسم پر مقدم کرنا جائز ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے: ﴿إنَّ إلینا إیابهم﴾ اس کو ﴿إنَّ إیابهم إلینا﴾ پڑھنا بھی جائز ہے لیکن (إنَّ) کا اسم اگر نکرہ ہو تو تقدیم خبر واجب ہوگا جیسے ﴿إنَّ لدینا أنکالاً وجحیماً﴾ اور (إن من الشعر لحکمةً).

ظرف میں تقدیم خبر کے جواز اور وجوب کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ (یتوسع فی الظرف مالا یتوسع فی غیره) یعنی ظرف میں وہ وسعت پائی جاتی ہے جو اس کے غیر میں نہیں پائی جاتی، اس لئے کہ کوئی بھی فعل ایسا نہیں جس کے لئے ظرف واسطہ نہ ہو، مثلاً کوئی

بھی کام جو آپ کررہے ہو تو ضرور وہ کسی زمانے میں ہوگا اور اسی طرح کسی نہ کسی جگہ میں ہوگا، لہذا جب ظرف میں اتنی وسعت پائی جاتی ہے تو اس کی خبر کو مقدم بھی کیا جاسکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ مبتداء کی خبر اور حروف مشبہ بالفعل کی خبر جب ظرف کی صورت میں ہو تو ان دونوں کے احکامات و مسائل بالکل ایک جیسے ہوں گے، لیکن اگر ظرف کی صورت میں نہ ہو تو پھر بھی دونوں کے مسائل ایک جیسے ہوں گے لیکن اس کو اسم پر مقدم نہیں کیا جاسکے گا۔

درس (۴۶)

لائے نفی جنس کی خبر کا بیان

خبر لا التی لنفی الجنس: هو المسند بعد دخولها، مثل: لا غلام رجلٍ ظریفٌ فیها، ویُحذف کثیراً، وبنو تمیم لا یُثبتونه.

ترجمہ: (مرفوعات میں سے) اُس (لا) کی خبر (بھی) ہے جو جنس صفت کی نفی کے لئے آتا ہو، اور وہ اُس (لا) کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتا ہے جیسے (لا غلام رجلٍ ظریفٌ فیها)، اور اکثر طور پر اس کو حذف کیا جاتا ہے، اور بنو تمیم والے تو سرے سے اس کو مانتے ہی نہیں۔

تشریح: آج کے درس میں تمہید کے بعد تین باتیں ہوں گی:

(۱) لائے نفی جنس کی خبر کی تعریف اور فوائد و قیود۔ (۲) لائے نفی جنس کی خبر کا حذف کرنا۔

(۳) اس میں بنو تمیم کا مذہب اور اس کی وضاحت۔

تمہید:

خبر لا التی لنفی الجنس. یہاں سے صاحب کتابؒ چھٹا مرفوع بیان فرمارہے ہیں، مصنفؒ کی عبارت (لا التی لنفی الجنس) حذف المضاف ہے کیونکہ نہ

اصل میں (لا التی لنفی صفة الجنس) تھا، اس لئے کہ (لا رجل قائمٌ) میں جنس رجل کی نفی نہیں ہو رہی بلکہ اس سے صفت قیام کی نفی ہو رہی ہے۔

یہ صاحب جامیؒ کا قول ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ یہ جنس کی نفی کے لئے بھی آتا ہے جیسے (لا رجل فی الدار، أی: لا رجل موجودٌ فی الدار)، اور کبھی جنس کی صفت کی نفی کے لئے آتا ہے جیسے (لا رجل قائمٌ)، لیکن عام طور پر پہلا والا یعنی اس کا نفی جنس کے لئے آنا زیادہ مستعمل ہے بنسبت دوسرے کے۔ (دیکھئے تسہیل شرح الجامی للشیخ محمد انور البدخشانی حفظہ اللہ تعالی)۔

پہلی بات: لائے نفی جنس کی خبر کی تعریف اور فوائد و قیود

(هو المسند بعد دخولها) اس عبارت میں صاحب کتابؒ نے لائے نفی جنس کی خبر کی تعریف بیان فرمائی ہیں، کہ لائے نفی جنس کی خبر وہ اسم ہے جو اس کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے (لا غلام رجلٍ ظریفٌ فیها)، اس میں لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد (ظریفٌ) مسند بن رہا ہے۔

اس مقام پر بھی اشکال وارد ہوگا جو حروف مشبہ بالفعل کی بحث میں گذر گیا اور جواب بھی وہی ہوگا جو وہاں گذر گیا۔

دوسری بات: تعریف میں فوائد و قیود

خبر لا التی لنفی الجنس: هو المسند بعد دخولها: اس میں (هو) ضمیر کا مرجع خبر لا التی لنفی الجنس) ہے جو کہ معرَّف ہے، اور (المسند بعد دخولها) اس کی تعریف ہے، اس میں (المسند) جنس ہے جو کہ ساری خبروں کو شامل تھا، (بعد دخولها) اس کے لئے فصل ہے، اس کے ذریعے وہ سارے مسند خارج ہو گئے جو اگرچہ مسند تو ہیں لیکن لائے نفی جنس کے داخل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ یا تو مبتداء کی وجہ سے مسند ہے یا حروف مشبہ بالفعل کی وجہ سے یا افعال ناقصہ وغیرہ کی وجہ سے۔

ترکیب: لا غلام رجل ظریفٌ فیها: (لا) برائے نفی جنس، اور (غلام رجل) مضاف مضاف الیہ ملکر اس کا اسم، (ظریفٌ) صفت مشبہ، (ھو) ضمیر اس کا فاعل، صفت مشبہ اپنے ضمیر فاعل سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر اول، (فیھا) جار مجرور ملکر متعلق ہو جائینگے (حاصلٌ) صیغہ اسم فاعل کے ساتھ، (حاصلٌ) صیغہ اسم فاعل اپنے ضمیر فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر لائے نفی جنس کے لئے خبر ثانی، لائے نفی جنس اپنے اسم اور دونوں خبروں سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

فائدہ: عام کتابوں میں اس کے لئے (لا رجل فی الدار) والی مثال لکھی ہوئی ہے جس میں بڑی آسانی کیساتھ (رجل) کو (لا) کا اسم اور (فی الدار) کو (لا) کی خبر بنادیا جاتا ہے، لیکن صاحب کتابؒ کی دی ہوئی مثال میں ایک اسم اور دو خبریں بن رہی ہیں، یہ طریقہ صاحب کتابؒ نے اس لئے اختیار فرمایا کہ عام علماء نحاۃؒ نے جو مثال پیش کی ہیں اس میں موصوف صفت کے ساتھ التباس لازم آرہا تھا، یعنی عین ممکن تھا کہ کوئی کہتا کہ (رجلٌ فی الدار) موصوف صفت ہو کر لائے نفی جنس کا اسم ہے اور خبر محذوف ہے، جبکہ صاحب کافیہ والی مثال میں یہ شبہ نہیں ہو سکتا۔

پھر یہ کہ دو خبریں کیوں بیان فرمائی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دو وجہوں سے اس طرح کیا:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر ظرف اور غیر ظرف دونوں صورتوں میں آسکتی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر خبر ثانی یعنی (فیھا) کو نہ لاتے تو معنی خراب ہو جاتا، وہ اس طرح کہ (نہیں ہے کسی بھی آدمی کا کوئی غلام خوش طبع)، ظاہر بات ہے کہ یہ بات نفس الامر اور ظاہر کے خلاف ہے، اور خبر ثانی کے لانے کے بعد معنی یہ بنے گا (نہیں ہے کسی بھی آدمی کا کوئی خوش طبع غلام اس گھر میں)۔

یہاں اشکال ہو سکتا ہے کہ عبارت میں (فیھا) ضمیر کا مرجع تو کوئی نہیں تو یہ کیوں

لائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ اصل میں سائل کے سوال کا جواب ہے، وہ اس طرح کہ سائل نے پوچھا (هل غلام رجل ظريفٌ في الدار؟) تو جواب میں کہا گیا کہ (لا غلام رجل ظريفٌ فيها)، تو سائل کے سوال میں (الدار) کا ذکر تھا وہ اس کے لئے مرجع ہے۔

دوسری بات: لائے نفی جنس کی خبر کا حذف کرنا

ويُحذف كثيراً: لائے نفی جنس کی خبر اکثر طور پر حذف کر دی جاتی ہے اور عام طور پر یہ وہی خبر ہوتی ہے جو افعال عامہ میں سے ہو یعنی (کون، حصول، وجود وغیرہ)، جیسے (لا إله إلا الله) یہ اصل میں (لا إله موجودٌ إلا الله) تھا، اسی طرح (لا سيف إلا ذو الفقار) یہ بھی اصل میں (لا سيف موجودٌ إلا ذو الفقار) تھا۔

تیسری بات: بنو تمیم کا مذہب اور اس کی وضاحت

وبنو تميمٍ لا يُثبتونه: شارحین نے اس کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ بنو تمیم لائے نفی جنس کی خبر کے قائل تو ہیں لیکن اس کو لفظوں میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ان کے ہاں اس کا حذف کرنا واجب ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ بنو تمیم والے سرے سے اس کی خبر کو مانتے ہی نہیں نہ لفظاً اور نہ تقدیراً، لہٰذا ان کے ہاں (لا أهل ولا مالَ) جیسے جملوں کے لئے خبر نکالنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ (انتفى المالُ والأهلُ)۔

اور جن جملوں میں خبر مذکور ہوتی ہے تو یہ لوگ اس کو صفت کے معنی میں لے لیتے ہیں جیسے (لا رجل قائمٌ)، یہاں (قائمٌ) (رجلٌ) کی صفت ہوگی نہ کہ (لا) کے لئے خبر۔

درس (۴۷)

ماولا مشابہ بلیس کے اسم کا بیان

اسم ما ولا المشبهتان بليس: هو المسند إليه بعد دخولهما، مثل: ما زيدٌ قائماً، ولا رجلٌ أفضلَ منكَ، وهو في لا شاذٌّ.

ترجمہ: مرفوعات میں (ماولا) مشابہ بلیس کا اسم بھی ہے، اور وہ ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے، جیسے (مازیدٌ قائماً ولا رجلٌ أفضل منکَ) اور (لیس) کے ساتھ عملی مشابہت میں صرف (لا) شاذ ہے۔

تشریح: مذکورہ عبارت میں ہم تین باتیں ذکر کریں گے:

(۱) ماولا مشابہ بلیس کے اسم کی تعریف اور فوائد وقیود۔

(۲) ماولا مشابہ بلیس کا عمل اوران کی وجہ تسمیہ۔ (۳) ما اور لا میں فرق۔

(۴) (وھو فی لاشاذٌّ) کی وضاحت۔

پہلی بات: ماولا مشابہ بلیس کے اسم کی تعریف

وهو المسند إليه بعد دخولهما: صاحب کتاب اس عبارت میں (ماولا) مشابہ بلیس کے اسم کی تعریف بیان فرمارہے ہیں وہ یہ کہ ما اور لا مشابہ بلیس کا اسم وہ ہے جو ان دونوں میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو جیسے (مازیدٌ قائماً) اس میں (ما) مشابہ بلیس، (زیدٌ) اس کا اسم اور (قائماً) اس کی خبر، (ما) مشابہ بلیس اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ بنے گا۔

اسی طرح (لا رجلٌ أفضل منکَ) میں (لا) مشابہ بلیس، (رجلٌ) اس کا اسم، (أفضلُ) صیغہ اسم تفضیل (ھو) ضمیر اس کا فاعل، (منکَ) جار مجرور متعلق ہو جائینگے (أفضلُ) صیغہ اسم تفضیل کے ساتھ، (أفضلُ) صیغہ اسم تفضیل اپنے ضمیر فاعل اور

متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر (لا) مشابہ بلیس کے لئے خبر، (لا) اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

اس تعریف پر وہی ماقبل والا اشکال ہوگا، پھر جواب بھی اس کا وہی ہوگا کہ پہلے سے اگرچہ یہ مسند الیہ تھا لیکن جب اس پر (ما اور لا) میں سے کوئی ایک داخل ہو گیا تو گویا کہ پہلی والی ترکیب ختم ہو گئی، اب نئے سرے سے یہ ایک نیا جملہ بن گیا تو اب اس نئے جملے میں بھی یہ مسند الیہ بنے گا۔

مذکورہ تعریف میں فوائد اور قیود

اسم ما ولا المشبهتين بليس: هو المسند إليه بعد دخولهما: اس میں (هو) ضمیر جو اسم ما ولا کی طرف راجع ہے یہ معرف ہے، اور (**المسند إليه بعد دخولهما**) اس کی تعریف ہے، تعریف میں (**المسند إليه**) جنس ہے جو کہ مبتداء کو اور حروف مشبہ بالفعل وغیرہ کے اسماء کو بھی شامل تھا، (**بعد دخولهما**) اس کے لئے فصل اول ہے اس کے ذریعے ما ولا مشابہ بلیس کے اسم کے علاوہ دیگر تمام اسماء خارج ہو گئے؛ کیونکہ وہ اگرچہ مسند الیہ ضرور ہوتے ہیں لیکن ما اور لا کے داخل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے اپنے عوامل کے داخل ہونے کی وجہ سے مسند الیہ ہوتے ہیں۔

دوسری بات ما ولا مشابہ بلیس کا عمل اور ان کی وجہ تسمیہ

مرفوعات میں سے ساتواں مرفوع (ما اور لا) کا اسم ہے، (ما اور لا) یہ دونوں مبتدا اور خبر پر داخل ہوتے ہیں، مبتدا کو رفع دیکر اسے (ما اور لا) کا اسم، اور خبر کو نصب دیکر اسے ان دونوں کا خبر کہا جاتا ہے۔

ما ولا المشبهتين یہ **شبه يشبه تشبيهاً** باب تفعیل سے اسم مفعول کے تثنیہ مؤنث کا صیغہ ہے بمعنی ہم شکل بنائے ہوئے اور تشبیہ دئے ہوئے، لہذا (ما اور لا) کو بھی مشابہ بلیس اس لئے کہتے ہیں کہ ان کو بھی (**ليس**) کے ساتھ تین طریقوں سے تشبیہ دی

گئی ہے: (۱) معناً، (۲) معمولاً، (۳) عملاً۔

• **معناً مشابہت**: اس طرح دی گئی ہے کہ (لیس) بھی کلام میں نفی کا معنی پیدا کرتا ہے اور یہ دونوں بھی نفی کے لئے آتے ہیں جیسے (مازیدٌ قائماً ولا رجلٌ أفضل منکَ) اور (لیس زیدٌ قائماً) کا ایک ہی معنی ہے۔

معمولاً مشابہت: اس طرح ہے کہ یہ اپنے معمول کے اعتبار سے بھی (لیس) کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، یعنی جس طرح (لیس) مبتدا اور خبر پر داخل ہوکر ان کو اپنا معمول بنالیتا ہے اسی طرح یہ دونوں بھی مبتدا اور خبر کو ہی اپنا معمول بنادیتے ہیں نہ کہ کسی اور چیز کو۔

عملاً مشابہت: اس طرح ہے کہ عمل میں بھی دونوں اس کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں وہ اس طرح کہ (لیس) بھی مبتدا کو رفع اور خبر کو نصب دیتا ہے، اور یہ دونوں بھی ان میں یہی عمل کرتے ہیں۔

لیکن یہ مذہب اہل حجاز والوں کا ہے، ان کے مقابلے میں بنو تمیم والے (ما اور لا) دونوں کے عمل کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں، یعنی اگر ان میں سے کوئی ایک مبتدا اور خبر پر داخل ہوجائے تو مبتدا اور خبر کی ترکیب وہی رہی گی جو ان کے داخل ہونے سے پہلے تھی، ان کی دلیل ایک شعر ہے:

ومُهفهفٍ کا لغصن قلت له انتسب
فأجاب ما قتل المحبُّ حرامُ

دیکھئے (ما) اگر عاملہ ہوتی تو (ما قتل المحبُّ حرامُ) نہ ہوتا بلکہ (ما قتل المحبُّ حراماً) ہوتا۔

لیکن اہل حجاز والوں کا مذہب اس لئے راجح ہے کہ قرآن مجید ان کی لغت میں اترا ہے اور اس میں (ما) کو عمل دیا گیا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالی ہے ﴿ما هذا بشراً﴾۔

تیسری بات: ما اور لا میں فرق

(۱) ما اور لا اگر چہ ایک ہی چیز یعنی مبتدا اور خبر کے دو عامل ہیں۔ (۲) اور وہ دونوں کا ایک ہی عمل ہے۔ (۳) اور دونوں نفی کا معنی دے رہے ہیں، ان تین چیزوں میں متفق ہونے کے باوجود بھی ان کے درمیان بچند وجوہ کے فرق پایا جاتا ہے:

(۱) ایک یہ کہ (لا) کا اسم ہمیشہ کے لئے صرف نکرہ ہوگا، اور (ما) کا اسم معرفہ اور نکرہ دونوں ہوسکتے ہیں جیسے (مازیدٌ قائماً وما رجلٌ أفضل منکَ) دونوں صحیح ہیں لیکن (لا زیدٌ قائماً) نہیں کہا جاسکتا۔

(۲) دوسرا یہ کہ (ما) صرف حال کے نفی کے لئے آتا ہے، اور (لا) مطلقاً نفی کے لئے آتا ہے، جیسے (ما زیدٌ قائماً) کا معنی یہ ہے کہ زید ابھی حال میں کھڑا نہیں ہے، اور (لا رجلٌ أفضل منکَ) کا معنی یہ ہے کہ کسی بھی زمانے میں کوئی بھی مرد تجھ سے افضل اور بہتر نہیں ہے۔

(۳) تیسرا یہ کہ (لا) کی خبر پر باء حرف جر داخل نہیں کیا جاسکتا، جبکہ (ما) کی خبر پر داخل کیا جاسکتا ہے، جیسے (مازیدٌ بقائمٍ) کہنا تو جائز ہے لیکن (لا رجلٌ بافضل منکَ) کہنا ناجائز ہے۔

چوتھی بات: (وھو فی لا شاذٌ) کی وضاحت

(وھو فی لا شاذٌ) اس عبارت میں (فی لا) (شاذٌ) کے لئے ظرف مقدم ہے، اور مقدم لانے کی صورت میں اس میں حصر کا معنی پیدا ہو جاتا ہے وہ اس طرح کہ: (لیس) کے ساتھ عملی مشابہت میں صرف (لا) شاذ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ (لا) (لیس) کے ساتھ کامل مشابہت نہیں رکھتا، کیونکہ (لیس) حال کی نفی کے لئے آتا ہے، اور (لا) مطلق نفی کے لئے آتا ہے اور پھر بھی عمل اس جیسے کرتا ہے اس لئے کہ یہ شاذ ہے۔

الملاحظہ: یہاں آخر میں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ صاحب کافیہؒ نے کل

سات مرفوعات ذکر فرمائی ہیں جب کہ مرفوعات کل آٹھ ہیں تو سات ذکر کرنے کی کیا وجہ ہے؟

عام شارحینؒ نے اس سے کوئی تعرض نہیں کیا ہیں، البتہ (صاحب معارف الکافیہ وعوارف الجامی) نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جب صاحب کتاب نے (اسم ما و لا) مشابہ (بلیس) کا ذکر فرمالیا تو گویا کہ اس سے یہ بات خود بخود معلوم ہوگئی کہ جب مشبّہ (یعنی ما و لا) کا اسم مرفوعات میں سے ہے تو لازمی طور پر مشبّہ بہ (یعنی افعال ناقصہ) کا اسم بھی مرفوعات میں سے ہوگا، تو یہ بات چونکہ ضمنی طور پر خود بخود معلوم ہو رہی تھی اس لئے صاحب کافیہ نے اس کو چھوڑ دیا اور اس کے لئے لمبی چوڑی عبارت لانے سے گریز کیا۔

واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأکمل

منصوبات

درس (۴۸)

مفعول مطلق کا بیان

هو ما اشتمل على علم المفعولية، فمنه المفعول المطلق:
وهو اسم ما فعله فاعل فعل مذكورٍ بمعناه، وقد يكون للتأكيد والنوع والعدد، نحو: جلستُ جلوساً، وجِلسةً، وجَلسةً، فالأول لا يُثنّى ولا يُجمع بخلاف أخويه.

ترجمہ: منصوب وہ اسم ہے جومفعولیت کی علامت پر مشتمل ہو، پس ان منصوبات میں سے ایک مفعول مطلق ہے، اور یہ وہ اسم ہے جس کو اس کے ہم معنی فعل مذکور نے کیا ہو، اور کبھی یہ تاکید کے معنی کے لئے بھی آتا ہے اور نوع (ہیئت) اور عدد کے بیان کے لئے بھی آتا ہے جیسے (جلستُ جلوساً، وجِلسةً، وجَلسةً) یعنی بیٹھا میں بیٹھنے کے ساتھ، اور بیٹھا میں ایک خاص انداز کے ساتھ، اور بیٹھا میں ایک مرتبہ۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) منصوبات کی تعریف اور (علم المفعولیت) کی وضاحت۔

(۲) مفعول مطلق کی تعریف اور فوائد وقیود۔

(۳) مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ اور وجہ تقدیم۔

(۴) مفعول مطلق کے طرق استعمال۔

پہلی بات: منصوبات کی تعریف اور علم المفعولیت کی وضاحت

منصوبات اور هو ما شتمل على علم المفعولية کے متعلق پوری تفصیل وہی ہے جو المرفوعات کے ضمن میں گذر چکی ہے، مختصر یہ کہ یہ (منصوبٌ) کی جمع ہے نہ

کے (منصوبۃً) کی؛ وجہ اس کی بالتفصیل گذر چکی ہے، رہی اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ، تو یہ بھی گذر گیا کہ اصل میں یہ لایعقل کی جمع ہے، اور لایعقل کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے۔

فائدہ: صاحب کافیہ نے منصوبات کو مرفوعات کے بعد اور مجرورات سے مقدم رکھا، وجہ اس کی یہ ہے کہ مرفوعات اور منصوبات ایک ہی عامل کے معمول ہوتے ہیں جیسے ہم کہتے ہیں (ضرب زیدٌ عمرواً) اس میں زیدٌ اور عمرواً دونوں ضرب کے معمول ہیں پہلے والے کو رفع دیا ہے تو اس لئے مرفوعات کو سب سے مقدم رکھا اور دوسرے والے کو نصب دیا ہے اس لئے منصوبات کو دوسرے نمبر پر رکھا، اور مجرورات کو بالکل آخر میں رکھا؛ کیونکہ ان کا عامل حروف جارہ ہوتے ہیں۔

صاحب کتابؒ نے جو فرمایا کہ (هو ما اشتمل علی علم المفعولية) تو یہ مشتمل ہونا یا تو لفظی ہوگا جیسے (رايتُ زيداً) یا تقدیری ہوگا جیسے (رايتُ فتیً) اور یا محلاً ہوگا جیسے (رايتُ هؤلآء)۔

علم المفعولية: کا مطلب یہ ہے کہ کسی اسم کی ایسی علامت جو اس کے مفعول حقیقی (یعنی مفاعیل خمسہ میں سے) ہونے پر یا اس کے مفعول حکمی (یعنی دیگر منصوبات سے) ہونے پر دلالت کرے، اس طرح یہ کل چار علامتیں ہوتی ہیں:

(۱) **فتح:** یہ چار قسم کے اسماء میں مفعولیت کی علامت ہوتی ہے: (۱) مفرد منصرف صحیح۔ (۲) جاری مجرائ صحیح۔ (۳) جمع مکسر منصرف۔ (۴) غیر منصرف میں جیسے (رایت زیداً، وظبیاً ورجالاً ومساجدَ)۔

(۲) **کسرہ:** یہ جمع مؤنث سالم میں مفعولیت کی علامت ہوتی ہے جیسے (رايتُ مسلماتٍ)۔

(۳) **الف:** یہ اسماء ستہ مکبرہ میں مفعولیت کی علامت ہوتی ہے جیسے (زرتُ أباکَ وأخاکَ...إلخ)۔

(۴) یاء: یہ تثنیہ اوراس کے اخوات میں اور جمع مذکر سالم اوراس کے اخوات میں مفعولیت کی علامت ہوتی ہے جیسے (رأیتُ مسلمَینِ ومسلمِینَ)۔

دوسری بات: مفعول مطلق کی تعریف

مفعول مطلق کا لغوی معنی یہ ہے کہ وہ اسم جسے آزاد کیا گیا ہو، اور اصطلاحی معنی اور تعریف اس کی یہ ہے کہ (ھو اسم ما فعلہ فاعل فعل مذکور) یعنی مفعول مطلق وہ مصدر ہے جو ایسے فعل کے معنی میں ہو جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہو، چاہے حقیقتاً ہو جیسے (ضربتُ ضرباً اور جلستُ جلوساً) وغیرہ، اور چاہے حکماً ہو چکا ہو جیسے ﴿فضرب الرقاب﴾ یہ اصل میں (فاضربوا ضرب الرقاب) تھا، یعنی (فاضربوا) کا ذکر (ضربٌ) مصدر میں حکمی طور پر آچکا تھا۔

تعریف میں فوائد وقیود

ھو اسم ما فعلہ فاعل فعل مذکور بمعناہ: عبارت مذکورہ میں (ھو) ضمیر جو (المفعول المطلق) کی طرف لوٹ رہی ہے یہ معرّف ہے، اور (اسم ما سے لے کر بمعناہ) تک اس کی تعریف ہے، اس میں (اسم ما) جنس ہے جو سارے مصادر کو شامل ہے، اور (فعلہ فاعل فعل مذکورٍ) فصل ہے اس کے ذریعے اس سے مفعول لہ خارج ہو گیا کیونکہ وہ اگرچہ مصدر ہے لیکن فعل مذکور کا فاعل اس کے لئے فاعل نہیں ہوگا۔

تیسری بات: مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ اور وجہ تقدیم

مفعول مطلق کو مفعول مطلق اس لئے کہتے ہیں کہ (مطلقٌ) أطلقَ یُطلقُ إطلاقاً باب إفعال سے (مکرمٌ) کی طرح اسم مفعول کا صیغہ ہے، اس کا مصدری معنی ہے آزاد کرنا، اور اس کے شروع میں جو (الف لام) ہیں یہ (الذی) کے معنی میں ہیں، کیونکہ ہم نے پڑھا ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول کے شروع میں جو (الف لام) ہوتے ہیں وہ (الذی) کے معنی

میں ہوتے ہیں، لہٰذا عبارت یوں بن جائیگی: (المفعول الذی أُطلقَ) یعنی وہ مفعول جس کو آزاد کیا گیا ہو، چونکہ مفعول مطلق دیگر مفاعیل کی طرح (بہ، فیہ، لہ، اور معہ) کی قیود سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اس کو مطلق (آزاد کیا ہوا) کہا جاتا ہے۔

رہی یہ بات کہ اس کو دیگر مفاعیل پر مقدم کیوں کیا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ یہ مطلق کے درجے میں ہے اور باقی مفاعیل مقید کے درجے میں ہیں، تو مطلق کو مقید پر مقدم کیا گیا جو کہ ایک مشہور اصول ہے۔

چوتھی بات: مفعول مطلق کے طرق استعمال

وقد یکون للتاکید: یہاں سے صاحب کتاب "مفعول مطلق کے استعمال کے تین طریقے بتارہے ہیں:

(۱) کبھی یہ کلام میں تاکید کا معنی پیدا کرنے کے لئے لایا جاتا ہے جیسے (جلستُ جلوساً)۔

(۲) کبھی یہ نوع یعنی کسی چیز کی ہیئت اور کیفیت کے بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے اور اس کے پہچاننے کے دو طریقے ہیں:

ایک: یہ کہ اس کے مصدر کو (فِعْلَةٌ) کے وزن پر لایا جائے (کما درسنا عنها فی علم الصیغه) جیسے کہا جاتا ہے (لاتمش مِشیة المختال) یعنی تکبر کرنے والے کی چال مت چلنا۔

دوسرا: یہ کہ اس مفعول مطلق کے ساتھ کسی نوعیت اور خاص کیفیت پر دلالت کرنی والی کوئی صفت لگادی جائے جیسے (ضربتُ ضرباً شدیداً).

(۳) اور کبھی یہ فعل مذکور کے عدد کو بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، اور اس کے پہچاننے کے تین طریقے ہیں:

ایک: یہ کہ اس کے مصدر کو (فَعْلَةٌ) کے وزن پر لایا جائے (کما درسنا عنها

فی علم الصیغه) جیسے (ضربتُ ضربةً)یعنی مارا میں نے ایک مرتبہ۔

دوسرا: یہ کہ مصدر کو تثنیہ یا جمع کی صورت میں لایا جائے جیسے (جلستُ جَلستَین یاجلساتٍ)۔

تیسرا: یہ کہ اس مفعول مطلق کے ساتھ کثرت پر دلالت کرنی والی کوئی صفت لگادی جائے جیسے (ضربتُ ضرباً کثیراً)۔

درس (۴۹)

مفعول مطلق سے متعلق کچھ ضروری مسائل

فالأول لا يُثنّى ولا يُجمع بخلاف أخويه، وقد يكون بغير لفظه، نحو: قعدتُ جلوسا، وقد يُحذف الفعل لقيام قرينةٍ جوازاً، كقولك لمن قدم: خير مقدمٍ، ووجوباً سماعاً، مثل: سقياً، ورعياً، وخيبةً، وجدعاً، وحمداً، وشكراً، وعجباً، وقياساً في مواضع، منها: ما وقع مثبتاً بعد نفيٍ، أو معنى نفيٍ داخلٍ على اسمٍ لا يكون خبراً عنه، أو وقع مكرراً، نحو: ما أنت إلا سيراً، وما أنت إلا سير البريد، وإنما أنت سيراً، وزيدٌ سيراً سيراً.

ترجمہ: پس پہلی قسم تثنیہ اور جمع کی صورت میں نہیں آسکتی برخلاف اس کے دونوں قسیموں کے، اور کبھی کبھار یہ (مفعول مطلق) فعل مذکور کے مادے کے مغائر بھی آتا ہے جیسے (قعدتُ جلوساً)، اور کبھی کسی قرینے کی موجودگی کی وجہ سے جوازی طور پر اس کے فعل کو حذف کردیا جاتا ہے جیسے کسی پہنچنے والے کو آپ کا یہ کہنا کہ (خیر مقدمٍ)، اور کبھی بطور وجوبِ سماعی کے حذف کردیا جاتا ہے جیسے (سقیاً، ورعیاً، وخیبةً، وجدعاً، وحمداً، وشکراً، وعجباً)، اور چند موقعوں پر بطور وجوبِ قیاسی بھی حذف کیا جاتا ہے،

ان میں سے وہ مفعول مطلق (بھی) ہے جو نفی کے بعد مثبت ہو کر واقع ہو، یا ایسے معنی نفی کے بعد واقع ہو جو داخل ہوا ایسے اسم پر کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہ ہو، یا مفعول مطلق مکرر ہو کر آجائے جیسے (ما أنت إلا سيراً، وما أنت إلا سير البريد، وإنما أنت سيراً، وزيدٌ سيراً سيراً).

تشریح: مذکورہ عبارت میں مصنف "مفعول مطلق کے تینوں قسموں کے لئے استعمال کے اعتبار سے پانچ مسائل بیان فرمارہے ہیں:

پہلا مسئلہ: فالأول لا يُثنّى ولا يُجمع

مفعول مطلق کی پہلی قسم یعنی مفعول مطلق برائے تاکید کے لئے پہلا مسئلہ یہ ہے کہ یہ کبھی تثنیہ اور جمع کی صورت میں نہیں آسکتا، شارحین نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

پہلی وجہ: یہ ہے کہ فعل اصل ہے اور مصدر اس کی فرع ہے تو فعل چونکہ تثنیہ اور جمع کی صورت میں نہیں آسکتا تو مصدر جو فرع ہے وہ بدرجہ اولی نہیں آسکے گا ورنہ فرع کا اصل سے افضل ہونا لازم آئے گا۔

دوسری وجہ: یہ ہے کہ مفعول مطلق کی یہ قسم صرف ماہیت پر دلالت کررہی ہوتی ہے نہ کہ تعداد پر، جبکہ تثنیہ اور جمع میں تعداد ہوتی ہے اس لئے یہاں فرمایا کہ یہ تثنیہ اور جمع کی صورت میں نہیں آسکتا۔

بخلاف أخويه: فرمارہے ہیں کہ مفعول مطلق تاکیدی میں تو تثنیہ اور جمع نہیں آسکتا لیکن باقی دونوں میں آسکتے ہیں؛ اس لئے کہ مفعول مطلق عددی ہوتا ہی عدد کے لئے، تو عدد دو بھی ہوسکتی ہے اور دو سے زیادہ بھی جیسے (جلستُ جلستين أو جلساتٍ)۔

اور مفعول مطلق نوعی یعنی جو نوع کے بتانے کے لئے آتا ہے تو اس میں بھی تثنیہ اور جمع اس لئے آسکتے ہیں کہ کسی چیز کے انواع کئی قسم کے ہوسکتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ: وقد یکون بغیر لفظه

دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ کبھی کبھار مفعول مطلق فعل مذکور کے مادے کے علاوہ کسی اور مادے سے بھی آئے گا جیسے (جلستُ قعوداً اور قعدتُ جلوساً) وغیرہ، اس کو (مفعول مطلق من غیر لفظِهٖ اور مفعول مطلق مغائر عن فعله) بھی کہا جاتا ہے، یاد رہے کہ مغائرت کی تین صورتیں ہیں:

(۱) المغائرة فی المادّة فقط: یعنی مفعول مطلق فعل مذکور کے مادے سے نہیں ہوگا بلکہ کسی اور مادے سے ہوگا جیسے (جلستُ قعوداً اور قعدتُ جلوساً) وغیرہ۔

(۲) المغائرة فی الباب فقط: یعنی فعل مذکور اور مفعول مطلق کا مادہ تو ایک ہوگا لیکن باب الگ الگ ہوگا جیسے ﴿انبت الله نباتاً﴾ اس میں ﴿انبتَ﴾ باب افعال سے ہے اور ﴿نباتاً﴾ باب نصر ینصر سے ہے۔

(۳) المغائرة فی المادّة والباب کلیهما: یعنی مفعول مطلق اور فعل مذکور دونوں کا مادہ بھی الگ الگ ہو اور باب بھی جیسے ﴿فاوجس فی نفسه خیفةً موسیٰ﴾ اس میں ﴿فاوجس﴾ کا مادہ بھی الگ ہے اور باب افعال سے ہے، اور ﴿خیفةً﴾ جو مفعول مطلق ہے اس کا مادہ بھی کچھ اور ہے اور باب فتح یفتح سے ہے۔

مغائرت کے یہ تینوں طریقے جائز ہیں، وجہ اس کی یہ ہے ان تینوں طریقوں میں مادہ اگرچہ بدل رہا ہے لیکن صاحب کتابؒ کے لگائی ہوئی (بمعناه) والی شرط سب میں پائی جارہی ہے یعنی تینوں صورتوں میں مفعول مطلق ماقبل والے فعل کے معنی میں ہے اگرچہ اس کے مادے اور باب سے نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ: وقد یُحذف الفعل لقیام قرینة جوازاً

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اصل طریقے کے علاوہ مفعول مطلق کے فعل کے بارے میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اگر اس کے حذف ہونے پر کوئی قرینہ موجود ہو تو کلام کو مختصر بنانے

کے لئے اس کو حذف کرنا جائز ہوگا جیسے کوئی سفر سے آرہا ہو تو اس کے لئے کہدیا جاتا ہے(خیر مقدم) یہ اصل میں (قدمتَ قدوماً خیر مقدمٍ) تھا، یہاں فعل کو اگر حذف بھی کردیا جائے تو اس کے موجود ہونے پر ہمارے پاس قرینہ حالیہ موجود ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس مسافر کا پہنچنا اور اس کے آنے کی حالت یہ خود دلالت کررہی ہے کہ یہاں فعل محذوف ہے۔

پھر جب اس فعل کو ہم نے حذف کیا تو عبارت یوں بن جائے گی (قدوماً خیر مقدمٍ) پھر (قدوماً) کو بھی حذف کرکے (خیر مقدمٍ) کو اس کا قائمقام بنایا؛ اس لئے کہ (خیر مقدمٍ) مضاف مضاف الیہ مل کر صفت بن رہی ہے اسی (قدوماً) مصدر کے لئے، اور موصوف اور صفت کا حکم ایک ہوتا ہے اس لئے اس کو اس کا قائمقام بنایا۔

اگر کوئی اشکال کرے کہ یہاں (خیر مقدم) تو صیغہ اسم تفضیل ہے جو کہ اصل میں (أخیرُ) تھا اس کو مفعول مطلق کیسے بنایا گیا؟ جبکہ مفعول مطلق کا مصدر ہونا ضروری ہے۔

اس کے دو جوابات ہیں: ایک یہ ہے کہ یہ اگرچہ خود مصدر نہیں ہے لیکن اس سے پہلے (قدوماً) محذوف ہے اور یہ اس کے لئے صفت بن رہی ہے، اور موصوف صفت کا حکم ایک ہوتا ہے اور وہ چونکہ مصدر ہے تو یہ بھی مصدر ہوگا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ (خیرٌ) مضاف ہے (مقدمٍ) کی طرف جو کہ مصدر ہے، اور مضاف اور مضاف الیہ کا حکم بھی ایک ہوتا ہے تو گویا کہ یہ بھی مصدر ہوگیا، لہٰذا اس کا مفعول مطلق بنانا صحیح ہوگیا۔

چوتھا مسئلہ: وُجوباً سماعاً

چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ کبھی کبھار مفعول مطلق کے فعل کو کسی قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے حذف کردیا جاتا ہے، اور وہ حذف کرنا یا تو سماعی ہوگا یا قیاسی، سماعی کا مطلب یہ ہے

کہ جہاں فعل کے حذف کرنے پر کوئی قاعدہ یا قانون دلالت نہ کر رہا ہو بس صرف یہ کہ عرب لوگوں سے ہم نے ایسا سن لیا ہو یا ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ملا ہو، تو چونکہ وہ اہل لسان ہیں اس لئے ایسی چیزوں میں ہم ان کی اتباع کریں گے۔

اور قیاسی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حذف ہونے پر با قاعدہ ہمارے پاس کوئی قاعدہ اور قانون موجود ہو۔

سماعی کی مثال جیسے (سقياً) یہ اصل میں (سقاک اللّٰہ سقیاً) تھا، اور (رعياً) اصل میں (رعاک اللہ رعياً)، اور (خيبةً) اصل میں (خاب خيبةً) تھا، اور (جدعاً، جدعَ جدعاً) اور (حمداً) اصل میں (حمدتُ حمداً) تھا، اور (شكراً، شكرتُ شكراً) اور (عجباً) اصل میں (عجبتُ عجباً) تھا، تو ان ساری جگہوں میں فعل کا حذف کرنا واجب ہے، وجہ کیا ہے؟ تو وہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہی اس لئے کہ سماعی ہیں، اور سماعی چیزوں میں ہم عقل کے گھوڑے نہیں دوڑا سکتے۔

پانچواں مسئلہ: وقياساً في مواضع

یہاں سے مفعول مطلق کے لئے پانچواں مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ سات قسم کے مقامات ایسے ہیں جہاں قیاسی طور پر یعنی با قاعدہ کسی قاعدہ اور قانون کے تحت اس کے فعل کو حذف کیا جائے گا۔

فعل کے حذف وجوبی کا پہلا مقام

ماوقع مثبتاً بعد نفيٍ أو معنى نفي داخل على اسم لا يكون خبراً عنه: پہلا مقام یہ ہے کہ جہاں کہیں مفعول مطلق (إلّا) کے بعد مثبت واقع ہو چکا ہو اور اس سے پہلے ایسا اسم منفی ہو جس کے لئے یہ مفعول مطلق خبر نہیں بن سکتی ہو، اسی طرح اگر مفعول مطلق (إنّما) کے بعد مثبت واقع ہو اور اس سے پہلے ایسا اسم ہو جس سے اس مفعول مطلق کا خبر واقع ہونا صحیح نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں فعل کا حذف کرنا واجب ہے، پہلی صورت

کے لئے صاحب کتابؒ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی مثال میں مفعول مطلق نکرہ مفردہ کی صورت میں ہے اور دوسری میں مرکب اضافی اور معرفہ کی صورت میں ہے، جیسے (ما أنتَ إلّا سیراً) اور (ما أنتَ إلّا سیرَ البرید) تو اس سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مفعول مطلق چاہے معرفہ ہو یا نکرہ اور مفرد ہو یا مرکب ہر صورت میں اس کے فعل کو حذف کریں گے جیسے (ما أنتَ إلّا سیراً) یہ اصل میں (ما أنتَ إلّا تسیرُ سیراً) تھا، اس میں (سیراً) مفعول مطلق (إلّا) کے بعد مثبت واقع ہے اور اس کے ماقبل میں (ما أنتَ) اسم منفی ہے اور اس سے (سیراً) کو خبر نہیں بنایا جاسکتا، تو بالآخر (تسیرُ) فعل کو حذف کرلیا۔

قرینہ اس پر اس کے قائمقام (سیراً) کا موجود ہونا ہے؛ کیونکہ (سیراً) کو اگر دیکھا جائے تو یہ اس جملے میں مذکورہ کلمات میں سے کسی کے لئے بھی معمول نہیں بن سکتا، اور دوسری طرف جب ہم نے اس کو دیکھا تو اس کو عمل مل گیا ہے کیونکہ یہ منصوب ہے، تو لازمی طور پر ہم نے کہا کہ اس کا منصوب ہونا کسی عامل ناصب کے موجود ہونے پر دلالت کررہا ہے، اور وہ (تسیرُ) فعل ہی ہوسکتا ہے؛ اس لئے کہ عوامل میں قوی عامل فعل ہوتا ہے۔

لھذا خلاصہ یہ نکلا کہ ایسی جگہوں پر اگر ہم عبارت میں فعل کو نہ بھی لکھیں تب بھی اس کے موجود ہونے پر (سیراً) کی طرح کوئی مصدر دلالت کررہا ہوتا ہے اس لئے ایسے فعل کا حذف کرنا واجب ہوگا۔

دوسری وجہ اس کے حذف کرنے کی یہ ہے کہ ایسے جملوں میں ہمارا مقصد دوام اور استمرار ہوا کرتا ہے، اور فعل میں دوام اور استمرار نہیں ہوتا بلکہ وہ حدثی معنی پر دلالت کرتا ہے، تو گویا کہ وہ ہمارے مقصدی معنی کے مراد لینے میں یہ ایک رکاوٹ بن رہا تھا اس لئے اس کو وجوبی طور پر حذف کردیا گیا تاکہ کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

دوسری مثال (ما أنتَ إلّا سیرَ البرید) یہ اصل میں (ما أنتَ إلّا تسیرُ سیرَ البرید) تھا، اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو پہلی مثال میں گذر گئی، مختصر یہ کہ (سیر

البرید، ما أنتَ) کے لئے خبر نہیں بن سکتی اور جملہ کے مذکورہ کلمات میں سے کوئی عامل ناصب بھی ایسا نہیں ہے جس نے اس کو نصب دیا ہو، تو لامحالہ ہم نے کہا کہ یہ بھی فعل محذوف پر دلالت کر رہا ہے، اور وہ ہے تسیرُ۔

تیسری مثال (إنَّما) معنیٰ نفی کی دی ہے (إنَّما أنتَ سیراً) یہ بھی اصل میں (إنما أنتَ تسیر سیراً) تھا، اس میں بھی وہی ماقبل والی تفصیل ہے۔

فعل کے حذف وجوبی کا دوسرا مقام

أو وقع مکرّراً: دوسرا وہ مقام جہاں مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے یہ ہے کہ کسی جگہ مفعول مطلق مکرر آیا ہو اور اس سے پہلے ایسا اسم ہو جو مبتدا ہو اور خبر کا تقاضا بھی کر رہا ہو لیکن کے باوجود وہ مفعول مطلق اس کے لئے خبر نہ بن سکتی ہو جیسے (زیدٌ سیراً سیراً) یہ اصل میں (زیدٌ یسیرُ سیراً) تھا، (یسیر) فعل کو حذف کر کے (سیرا) کو اس کا قائمقام بنایا گیا تو (زیدٌ سیراً سیراً) بن گیا۔

یہاں حذف فعل اور پھر مفعول مطلق کو اس کے قائمقام بنانے کا قرینہ یہ ہے کہ اس طرح جملہ لانے سے مقصود ہمارا دوام اور استمرار ہوتا ہے اور فعل استمرار کا مخالف ہوتا ہے اس لئے اس کے حذف کو واجب قرار دیا۔

جہاں کہیں مفعول مطلق مکرر تو ہو لیکن اس سے پہلے کوئی اسم نہ ہو بلکہ فعل ہو تو ایسے موقع پر فعل کو حذف نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسے اپنے حال پر برقرار رکھا جائے گا جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿کلا إذ دُکّت الأرض دکّا دکّا﴾ کیونکہ ہم نے شرط یہ لگائی تھی کہ مفعول مطلق مکرر سے پہلے ایسا اسم ہو جو مبتداء ہو اور خبر کا متقاضی ہو لیکن یہاں مفعول مطلق سے پہلے فعل مجہول واقع ہے جو مبتداء نہیں بن سکتا۔

درس (۵۰)

حذف قیاسی وجوبی کا موضع سوئم وچہارم

ومنها ما وقع تفصيلاً لأثر مضمون جملة متقدّمةٍ، مثل: ﴿فشدوا الوثاق فإما منًّا بعد وإما فداءً﴾، ومنها ما وقع للتشبيه علاجاً بعد جملة مشتملة على اسمٍ بمعناه وصاحبه، نحو: مررت به فإذا له صوتٌ صوتَ حمارٍ، وصراخٌ صراخَ الثكلى.

ترجمہ: اوران مقامات سبعہ میں سے جہاں فعل کاحذف کرناواجب ہے وہ مفعول مطلق بھی ہے جو پہلے والے جملے سے حاصل شدہ مصدر کی غرض وغایت کی تفصیل کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہو جیسے ﴿فشدوا الوثاق فإما منًّا بعد وإما فداءً﴾ یعنی ان مشرکین کو باندھ لو رسیوں سے، پھراس کے بعد یا تو احسان کا معاملہ کرنا ہے یا فدیہ لینا ہے، اور (چوتھا) ان میں سے وہ مفعول مطلق ہے جو تشبیہ کے لئے ہو اور افعال جوارح میں سے کسی فعل کا مصدر ہو اور یہ ایسے جملے کے بعد ہو جو کہ مشتمل ہو ایسے اسم پر جو مفعول مطلق کا ہم معنی ہو اور مشتمل ہو صاحب اسم پر جیسے (مررت به فإذا له صوتٌ صوتَ حمارٍ، وصراخٌ صراخَ الثكلى)۔

تشریح: یہاں سے حذف فعل وجوبی قیاسی کی تیسری اور چوتھی صورتیں بیان فرمارہے ہیں:

فعل کے حذف وجوبی کا تیسرا مقام

منها ما وقع تفصيلاً لأثر مضمونجملة متقدّمةٍ: فرمارہے ہیں کہ کسی جگہ مفعول مطلق سے پہلے ایک ایسا جملہ فعلیہ ہو جس سے مفہوم ہونے والا مصدر اپنے فاعل

یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اس کا پورا مطلب اور غرض وغایت سمجھ میں نہ آرہا ہو؛ (کیونکہ یہ مرکب اضافی ہوکر مرکب ناقص کے حکم میں ہو جائے گا) اور اس کی تفصیل اور غرض وغایت کے انواع کو بیان کرنے کے لئے آگے مفعول مطلق آیا ہو تو ایسے مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے جیسے ﴿فشدُّوا الوثاق فإما منًّا بعد وإما فداءً﴾ اس میں جملہ متقدمہ کا مصداق ﴿فشدوا الوثاق﴾ ہے جس میں ﴿فشدُّوا﴾ فعل اور فاعل ہیں اور ﴿الوثاق﴾ مفعول بہ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہے۔

شدَّ یشدُّ کا مصدر (شدًّا) آتا ہے تو گویا کہ اس مذکورہ جملہ متقدمہ سے یہی مصدر مفہوم ہورہا ہے اسی کو اپنے مفعول کی طرف مضاف کیا تو ﴿شدُّوا الوثاق﴾ بن گیا، بمعنی گردنوں کا باندھنا۔

تو سوال پیدا ہورہا تھا کہ گردنوں کے باندھنے کی غرض وغایت کیا ہے؟ بعد میں مفعول مطلق لاکر اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ ﴿فإما منا بعد﴾ کہ میرے بندوں! اس کا مقصد یہ ہے کہ باندھنے کے بعد یا تو ان کو آزاد کرکے ان پر احسان کرنا ہے، تو (الإنسان عبد الإحسان) کو سامنے رکھتے ہوئے یہ قیدی مشرکین یا تو مسلمان ہو جائیں گے، یا کم از کم آئندہ کے لئے آپ لوگوں کو کبھی تکالیف تو نہیں پہنچائیں گے۔

﴿وإما فداءً﴾ اس میں دوسرا مقصد یہ بیان فرمایا کہ ان سے فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا ہے، لہٰذا آیت مبارکہ کی تقدیری عبارت یہ ہوگی: (فشدُّوا الوثاق تمنُّون منًّا وإما تفدون فداءً) جس کا ترجمہ یہ ہوگا کہ پس باندھو ان مشرکین کو مضبوطی کے ساتھ پھر باندھنے کے بعد یا تو ان کو چھوڑ کر احسان کرو ان پر احسان کرنے کے ساتھ، یا فدیہ لو ان سے فدیہ لینے کے ساتھ۔

وھکذا (جلسَ زیدٌ فإما أکلاً بعد وإما شرباً) یہاں بھی جملہ متقدمہ (جلس زیدٌ) ہے جس سے حاصل شدہ مصدر کی اضافت یوں ہوگی: (جلوس زید فإما أکلاً بعد وإما شرباً)۔

یہاں اشکال واقع ہوسکتا ہے کہ (فشدوا الوثاق) کوایسے خامخا مرکب اضافی بنایا گیا حالانکہ ان کو اپنے حال پر رکھتے تو مرکب مفید ہوتا، اتنی تکلفات کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی! آپ کی بات بالکل صحیح ہے لیکن اس سے آگے ﴿فإما مناً بعد وإما فداءً﴾ سے اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے حالانکہ تفصیل اجمال کی ہوتی ہے اور مذکورہ جملے کو اگر اپنے حال پر رکھا جائے تو اس میں اجمال نہ ہوتا جیسا کہ آپ نے فرمایا ہے، اور اجمال نہ ہوتا تو بعد والی تفصیل بے کار ثابت ہوتی حالانکہ قرآن مجید ایسے عیوب سے پاک ہے، اس لئے یہ بات ثابت ہوگئی کہ پہلے سے اس میں اجمال ماننا پڑے گا اور وہ مرکب اضافی ہی کی صورت میں ہوسکتا ہے نہ کہ مرکب مفید کی صورت میں، اور پھر اس اجمال کی تفصیل آگے مفعول مطلق میں آئیگی۔

تو گویا کہ ﴿فإما مناً بعد﴾ کا برائے تفصیل ہونا یہ دلالت کررہا ہے فعل کو مصدر مضاف کی تاویل میں لیکر اپنے فاعل یا مفعول کی طرف مضاف کرنے پر۔

اس کے بعد یہ بات ذہن میں رہے کہ ایسے مقام پر حذف فعل وجوبا کی دو وجہیں بتائی گئی ہیں:

(۱) پہلی یہ کہ اگر فعل کو حذف نہ کیا جائے تو تحصیل الحاصل اور (اشتغال بما لا یعنی) لازم آئے گا؛ اس لئے کہ (مناً اور فداءً) دونوں سے مذکورہ مطلب اور غرض وغایت خود بخود معلوم ہوجاتے ہیں تو فعل کو ذکر کرنے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔

(۲) دوسری یہ کہ یہاں فعل اگرچہ خود مذکور نہیں ہے لیکن اس کا قائمقام اور اس کی طرف سے ترجمانی کرنے والا مفعول مطلق موجود ہے، اور حذف فعل پر قرینہ بھی موجود ہے (یعنی مفعول مطلق کا منصوب ہونا) اس لئے کہ یہاں فعل محذوف کے علاوہ کوئی اور عامل ناصب نہیں ہے۔

اب عبارت کے کلمات میں سے ہر ایک کا الگ الگ مطلب واضح ہو:

جملة متقدمةٌ: یعنی مفعول مطلق سے پہلے ایک جملہ آیا ہو۔

مضمون سے مراد یہ ہے کہ پہلے والے جملے سے حاصل شدہ مصدر کی اضافت اپنے فاعل یا مفعول کی طرف ہوئی ہو۔

أثر سے مراد غرض وغایت ہے۔

فعل کے حذف وجوبی کا چوتھا مقام

ومنها ما وقع للتشبيه علاجاً بعد جملة مشتملة على اسمٍ بمعناه وصاحبه: اس عبارت میں حذف فعل وجوبی کا چوتھا مقام ذکر فرمارہے ہیں کہ ہر وہ مفعول مطلق جو افعال جوارح میں سے کسی فعل کا مفعول ہو اور مشبہ بہ ہو یعنی اس سے کسی چیز کی تشبیہ دی گئی ہو اور یہ مفعول مطلق ایک ایسے جملے کے بعد واقع ہو جس میں اس مفعول مطلق کا ہم معنی اسم بھی ہو اور صاحب اسم بھی، تو ایسے مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے جیسے (مررت بزيد فإذا له صوتٌ صوتَ حمارٍ)۔

یہاں فعل کے حذف وجوبی پر قرینہ اور قائم مقام دونوں پائے جاتے ہیں، قرینہ تو مفعول مطلق کا منصوب ہونا ہے جو اپنے لئے عامل ناصب کا تقاضا کر رہا ہے اور پورے جملے میں اس کے لئے کوئی عامل ناصب ہے نہیں جس نے اس کو نصب دیا ہو، تو لامحالہ فعل کو محذوف ماننا پڑے گا اور قائم مقام بھی یہاں وہی مفعول مطلق ہے۔

دیکھیں (صوت حمارٍ) مضاف مضاف الیہ مل کر مفعول مطلق ہے اور یہ مشبہ بہ ہے کیونکہ اس کے ساتھ ماقبل والے اسم (صوتٌ) کی تشبیہ دی گئی ہے، اور اس سے پہلے جملہ متقدمہ کا مصداق (فإذا له صوتٌ) ہے جو کہ مفعول مطلق کے ہم معنی اسم یعنی (صوتٌ) پر اور صاحب اسم یعنی (له) پر مشتمل ہے لہٰذا اس میں (يصوتُ) فعل وجوباً محذوف ہے، وهكذا: مررت به فإذا له صراخٌ كصراخ الثكلىٰ، اس میں (يصرخ) فعل وجوباً محذوف ہے۔

فائدہ۱: صاحب کتاب نے مسئلہ ایک اور مثالیں دو بیان فرمائی ہیں اس لئے کہ اس سے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ مفعول مطلق کی ذوی العقول کی طرف بھی اضافت ہوسکتی ہے جیسے دوسری مثال میں ہے اور غیر ذوی العقول کی طرف بھی جیسے پہلی مثال میں ہے۔

دوسری وجہ اس کی یہ ہے کہ اس سے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ یہ معرفہ کی طرف بھی مضاف ہوسکتا ہے جیسے دوسری مثال میں ہے اور نکرہ کی طرف بھی جیسے پہلی مثال میں ہے۔

فائدہ ۲: مفعول مطلق کے متعلق ہم نے پڑھا تھا کہ یہ کبھی بیان عدد کے لئے آتا ہے اور کبھی بیان نوع کے لئے اور کبھی تاکید کے لئے، یہاں اوپر کی دونوں مثالوں میں برائے بیان نوع ہے۔

درس (۵۱)

حذف قیاسی وجوبی کا موضع پنجم ششم وہفتم

ومنها ما وقع مضمون جملة لا محتمل لها غيره، نحو: له عليَّ ألف درهمٍ اعترافاً، ويسمَّى تأكيداً لنفسه، ومنها ما وقع مضمون جملةٍ لها محتمل غيره، نحو: زيدٌ قائمٌ حقًّا، ويسمَّى تأكيداً لغيره، ومنها: ما وقع مثنًى، مثل: لبَّيك وسعدَيك.

ترجمہ: اور ان مواضع میں سے وہ مفعول مطلق بھی ہے جو ایسے جملے کا مضمون واقع ہو جس میں اس کے غیر کا کوئی احتمال نہ ہو جیسے (**له عليَّ ألف درهمٍ اعترافاً**) اور نام رکھا جاتا ہے اس کا تاکید لنفسہ کے ساتھ، اور ان مواضع میں سے وہ مفعول مطلق بھی ہے جو ایسے جملے کا مضمون واقع ہو جس میں اس کے غیر کا بھی احتمال ہو جیسے (**زيدٌ قائمٌ حقًّا**) اور نام رکھا جاتا ہے اس کا تاکید لغیرہ کے ساتھ، اور ان مواضع میں سے وہ مفعول مطلق بھی ہے جو تثنیہ واقع ہو چکا ہو جیسے (**لبَّيك وسعدَيك**).

تشریح: آج کے درس میں صاحب کتاب "مفعول مطلق کے فعل کے حذف وجوبی کا پانچواں چھٹا اور ساتواں مقام بیان فرمار ہے ہیں۔

مفعول مطلق کے فعل کے حذف وجوبی کا پانچواں مقام

ومنها ما وقع مضمون جملة لا محتمل لها غيره: فرمار ہے ہیں کہ مفعول مطلق جو ایسے جملے کا ماحصل اور خلاصہ ہو جس میں مفعول مطلق بننے کے علاوہ اور کوئی گنجائش ہی نہ ہو تو ایسے مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا واجب ہے جیسے (له عليّ ألف درهم اعترافاً) ، یہ اصل میں (له عليّ ألف درهم اعترفت اعترافاً) تھا، اس جملے میں (اعترافا) مفعول مطلق ہے جو پہلے والے پورے جملے کا خلاصہ اور ماحصل ہے؛ کیونکہ (له عليّ ألف درهم) کا مطلب بھی اعتراف اور اقرار ہی کرنا ہے اور (اعترافاً) کا تو معنی ہی اعتراف کرنا ہے، اس میں مفعول مطلق کے خلاف کی گنجائش بالکل نہیں ہے؛ کیونکہ اعتراف کے مقابلے میں انکار اور جھوٹ آتا ہے اور مذکورہ جملے میں ان دونوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

ويسمى تاكيداً لنفسه: فرمار ہے ہیں کہ ایسے مفعول مطلق کو تاکید لنفسہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ دونوں کا مدلول اور مقصد ایک ہی ہوتا ہے۔

مفعول مطلق کے فعل کے حذف وجوبی کا چھٹا مقام

ومنها ما وقع مضمون جملةٍ لها محتمل غيره: یعنی مفعول مطلق ایسے جملے کا ماحصل اور خلاصہ ہو جس میں مفعول مطلق کے علاوہ کسی اور چیز کی بھی گنجائش ہو جیسے (زيدٌ قائمٌ حقًّا) یہ اصل میں (زيدٌ قائمٌ أحقُّ حقًّا) تھا، (حقًّا) مفعول مطلق ہے جو کہ (زيدٌ قائمٌ) کا خلاصہ اور ماحصل ہے لیکن (زيدٌ قائمٌ) میں اس کے علاوہ کا یعنی اس کے کھڑے نہ ہونے کا بھی احتمال تھا؛ کیونکہ یہ جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے کیونکہ یہ عبارت یوں بھی بن سکتی تھی کہ (زيدٌ قائمٌ كذباً

وباطلا) لیکن (حقًا) مفعول مطلق جو برائے تاکید ہے نے آکر اس احتمال کو ختم کر دیا اور سچ والے احتمال کی تاکید کر دی۔

ویسمی تاکیداً لغیرہ: فرمارہے ہیں کہ ایسے مفعول مطلق کو تاکید لغیرہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ جس طرح یہ اپنے فعل کی تاکید کے لئے آتا ہے ایسے ہی غیر کے احتمال کو تاکید کے ساتھ دفع کرنے کے لئے بھی آتا ہے۔

مفعول مطلق کے فعل کے حذف وجوبی کا ساتواں مقام

ومنها ما وقع مثنى: اس عبارت میں دو باتیں سمجھنی کی ہیں: (۱) موضع سابع کی وضاحت۔ (۲) لبیک وسعدیک کی تحقیق۔

پہلی بات: موضع سابع کی وضاحت

صاحب کتاب" مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنے کا ساتواں موضع بیان فرمارہے ہیں کہ ہر وہ مقام جہاں مفعول مطلق تثنیہ کی صورت میں واقع ہو اور مراد تثنیہ سے تثنیہ نہ ہو بلکہ کثرت اور تکرار ہو بشرطیکہ اس کی اضافت فاعل یا مفعول کی طرف ہوئی ہو تو ایسے مفعول مطلق کے فعل کو بھی حذف کرنا واجب ہے جیسے (لبیک وسعدیک)، وجہ اس کے حذف کی وہی پہلی والی ہے کہ خود مفعول مطلق فعل محذوف کا قائم مقام ہے اور اس کا منصوب ہونا قرینہ ہے حذف فعل پر، جس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

دوسری بات: لبیک وسعدیک کی تحقیق

لبیک: یہ مرکب اضافی ہے جو کہ مصدر تثنیہ کی اضافت اپنے مخاطب کی طرف ہوئی ہے، یہ اصل میں (اَلِبُّ لک إلبابَین) تھا بمعنی طاعت کے لئے حاضر باش رہنا، چنانچہ (اَلِبُّ) فعل کو حذف کر کے مفعول مطلق کو اس کا قائم مقام بنایا تو (لک إلبابین) ہو گیا، اس کے بعد ثلاثی مزید (باب إفعال) کے مصدر کو مجرد (نصر ینصر) کی

طرف واپس کردیا گیا تو (لبّیــــن) بن گیا، پھر زوائد یعنی لام حرف جر کو حذف کر کے اس کی اضافت اپنے مفعول (کاف ضمیر مخاطب) کی طرف کردی گئی تو نون تثنیہ گر کر (لبَّیکَ) بن گیا۔

حذف فعل کا قرینہ

جیسا کہ آپ نے جان لیا کہ اصل میں یہ (اَلِبُّ لک إلبابَینِ) تھا پہلے فعل کو حذف کرلیا گیا پھر مزید سے مجرد کی طرف اس کو لایا گیا اور درمیان سے زوائد کو حذف کردیا گیا، تو یہ اتنے مراحل اس لئے طے کرادئے گئے تاکہ مخاطب کو جب بھی بلایا جائے تو وہ فوراً جواب دیکر حاضر ہوجائے اور حکم کو بجالائے، ورنہ اس کو اگر اپنے اصل پر رکھیں گے تو امتثال امر کا فوراً ہونا محال ہوگا، اس لئے اسم میں ترمیم اور تسہیل کر کے لبیک بنایا گیا، (وقس علی ھذا کلمۃ سعدیک)، صرف فرق اتنا ہے کہ (لبَّیکَ) کے اصل میں فعل کے بعد لام جارہ مانا گیا ہے (کما فی اَلبُّ لک)، جبکہ (سعدیک) میں اس طرح نہیں ہے؛ اس لئے کہ (أسعدَ یُسعد إسعاداً) متعدی بنفسہ اور (أَلَبَّ یُلبُّ إلباباً) متعدی باللام ہے۔

فائدہ: لبیک کو بغیر سعدیک کے استعمال کرنا جائز ہے لیکن اس کا برعکس جائز نہیں ہے؛ کیونکہ (سعدیک) اگر آپ نے کہنا ہو تو اس سے پہلے (لبیک) کہنا ضروری ہوگا۔

یہ دونوں اگرچہ تثنیہ ہیں لیکن مراد کثرت اور تکرار ہے اس لئے (لبیک) کا معنی یہ ہوگا: (أَلبُّ بطاعتک إلباباً بعد إلبابٍ) اور (سعدیک) کا معنی یہ ہوگا (أسعد إسعادا بعد إسعادٍ)۔

تیسری بات: ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال ہوتا ہے کہ حضرت والا! آپ کافی دنوں سے مفعول مطلق جو برائے تاکید ہوتا ہے اس کے لئے مسائل اور احکامات بیان فرمارہے تھے لیکن جیسے ہی یہ مسائل ختم

ہوئے تو آپ نے سب سے پہلے آپ نے خود ہی پہلے والے مسئلے کی خلاف ورزی شروع کردی، وہ اس طرح کہ یہاں آپ مفعول مطلق تاکیدی کو تثنیہ کی صورت میں لے کر آگئے جبکہ وہاں تو ہم نے پڑھا تھا کہ فالأول لایُثنی ولا یُجمع؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی! وہاں پر جس تثنیہ اور جمع کی نفی ہوئی تھی اس سے حقیقی تثنیہ اور جمع کی نفی مراد تھی، رہا یہاں پر تو یہ اگر چہ لفظی طور پر تثنیہ ہے لیکن حقیقت میں تثنیہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد تکرار اور کثرت ہے۔

الملاحظہ: صاحب حاشیہ نے ہندی کے حوالے سے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے کہ ایسے موقع پر مفعول مطلق کے فعل کو حذف کرنا اگر چہ وجوبی قیاسی ہے لیکن ایسے مصادر پر آپ دیگر مصادر کو قیاس نہیں کر سکتے؛ کیونکہ مصادر خود سماعی ہوتے ہیں۔

درس (۵۲)

مفعول بہ کا بیان

المفعول به: هو ما وقع عليه فعل الفاعل، نحو: ضربتُ زيداً، وقد يتقدّم على الفعل، نحو: زيداً ضربتُ، وقد يُحذف الفعل لقيام قرينةٍ جوازاً، كقولك: زيداً، لمن قال: من أضرب؟ ووجوباً في أربعة مواضع: الأول سماعيٌّ، نحو: امرأً ونفسه، و﴿انتهوا خيراً لكم﴾، وأهلاً وسهلاً.

ترجمہ: مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہو چکا ہو جیسے (ضربت زیداً)، اور کبھی وہ اپنے فعل پر مقدم بھی ہوتا ہے جیسے (زیداً ضربتُ) اور کبھی اس کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے جوازی طور پر کسی قرینے کے پائے جانے کی وجہ سے جیسے آپ کا یہ کہنا (زیداً) اس شخص کے جواب میں جو پوچھے کہ (من اضرب؟) یعنی میں کس کو

ماروں؟، اور وجوبی طور پر اس کو حذف کردیا جاتا ہے چار موقعوں میں: پہلا ان میں سماعی ہے جیسے (امرأً ونفسه) اور ﴿انتهوا خيراً لكم﴾، واهلاً وسهلاً۔

تشریح: آج کے درس میں دو باتیں ہیں:

(۱) مفعول بہ کی تعریف اور فوائد وقیود۔

(۲) مفعول بہ کے متعلق کچھ اہم مسائل۔

پہلی بات: مفعول بہ کی تعریف

المفعول به: اس کی لغوی تحقیق یہ ہے کہ (المفعول) اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کے شروع میں جو (الف لام) ہیں یہ (الذی) کے معنی میں ہیں، اور (بہ) میں (باء) سببیت کی ہے، اور (ھاء) ضمیر اس (الف لام) کی طرف راجع ہے جو (المفعول) کے شروع میں ہیں اور (الذی) کے معنی میں ہیں، تو اب عبارت یوں بن جائیگی: (المفعول به: أی: الذی فعل الفعل لأجله) یعنی وہ چیز جس کی وجہ سے کوئی کام کیا گیا ہو۔

اور اصطلاحی معنی خود صاحب کتاب بیان فرمارہے ہیں کہ (هو ما وقع عليه فعل الفاعل) یعنی مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعلِ منفی یا فعل مثبت واقع ہو چکا ہو جیسے (ماضربَ زيدٌ عمرواً اور ضرب زيدٌ عمرواً)۔

فوائد وقیود

عبارت مذکورہ میں (ھو) ضمیر کا مرجع (المفعول به) ہے جو کہ معرَّف ہے اور (ما وقع عليه فعل الفاعل) اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں (ما) جنس ہے جو ہر قسم کے اسماء کو شامل ہے، (وقع عليه فعل الفاعل) یہ فصل ہے جس کی وجہ سے مفعول بہ کے علاوہ باقی سارے اسماء خارج ہو گئے۔

دوسری بات: مفعول بہ کے متعلق کچھ اہم مسائل

پہلا مسئلہ: مفعول بہ کو اپنے فعل عامل پر مقدم کرنا

وقد يتقدم على الفعل: صاحب کتابؒ نے اس عبارت میں مفعول بہ کے متعلق پہلا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ کبھی کبھار مفعول بہ کو اپنے فعل عامل پر مقدم کر دیا جاتا ہے، صاحب کتابؒ نے اس کو مطلق بیان کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ مفعول بہ کا مقدم کرنا کبھی جوازی ہوگا اور کبھی وجوبی، جوازی کی مثال جیسے (ضربتُ زیداً)، اور جیسا کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ میں بھی ہے:

واحسنَ منک لم تر قطُّ عین   واجملَ منک لم تلد النساءُ

اور وجوبی کی پہچان یہ ہے کہ مفعول میں استفہام کے معنی موجود ہو جیسے کوئی پوچھے: من رأیت؟ یہاں مَنْ استفہام کے معنی کو متضمن ہے اور مفعول بہ ہے جس کو مقدم کیا گیا ہے کیونکہ حروف استفہام صدارت کلام کو چاہتے ہیں ایسے موقع پر اگر اس کو مقدم نہیں کیا گیا تو صدارت کلام فوت ہو جائے گی۔

مفعول بہ کا مقدم کرنا چاہے جوازی ہو یا وجوبی یہ اس لئے ممکن ہے کہ سارے عوامل میں سے فعل ایک قوی عامل ہے یعنی چاہے اس کا معمول مقدم ہو تب بھی یہ اس میں اپنا عمل کر سکتا ہے اور چاہے مؤخر ہو تب بھی یہ اپنا عمل کر سکتا ہے (کما لاحظتَ فی الأمثلة آنفاً)۔

دوسرا مسئلہ: مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا جوازاً

وقد يُحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً: فرما رہے ہیں کہ کبھی کبھار جب کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو تو مفعول بہ کے عامل کو حذف کر دیا جاتا ہے مثلاً کوئی سوال کرے کہ (منْ أضرب؟) تو اس کے جواب میں کہا جائے (زیداً)، دیکھیں یہاں مفعول

بہ منصوب ہے لیکن اس کا کوئی عامل ناصب نظر نہیں آ رہا اس لئے کہ اس کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے حذف پر قرینہ مقالیہ (یعنی سائل کا سوال) پایا جا رہا ہے اور یہ قاعدہ پہلے گذر چکا ہے کہ (المذکور فی السؤال کالموعود فی الجواب) اور سوال میں أضرب فعل عامل موجود ہے تو گویا کہ وہ یہاں بھی موجود ہوگا لیکن تقدیری طور پر، لہٰذا لفظی طور پر اس کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہی اس لئے اسے حذف کر دیا گیا۔

اور قرینہ حالیہ کی مثال یہ ہے کہ مثلاً کسی آدمی نے سامان سفر تیار کر لیا ہو اور احرام باندھے ہوئے ہو اور جناب ﴿لبیک اللھم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، إن الحمد والنعمة لک والملک، لا شریک لک﴾ کی صدا بلند کرتے ہوئے شدت اشتیاق میں اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسوں گر رہی ہوں، اتنے میں کوئی آ کر اس سے پوچھتا ہے: (مکةَ؟) یا (حجَّ البیت؟) اس کے جواب میں وہ کہتا ہے (نعم! الحمد للہ)، اب دیکھئے (مکةَ) اور (حجَّ البیتِ) دونوں منصوب ہیں باوجودیکہ اس سے پہلے ہمیں کوئی عامل ناصب نظر نہیں آ رہا اور پھر بھی ہم کہہ رہے ہیں کہ ان کا منصوب ہونا صحیح ہے؛ اس لئے کہ اس سے پہلے أتسافر؟ یا أترید؟ فعل ناصب محذوف ہیں اور اس کے محذوف ہونے پر قرینہ حالیہ موجود ہے کیونکہ اس کی حالت خود یہ بتا رہی ہے کہ یہ سفر حج پر جا رہا ہے۔

تیسرا مسئلہ: مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا وجوباً

ووجوباً فی أربعة مواضع: یہاں سے صاحب کتاب تیسرا مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ چار قسم کے مواقع ایسے ہیں جہاں مفعول بہ کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے ان چار میں سے پہلا سماعی اور باقی تین قیاسی ہیں۔

سماعی کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حذف کرنے پر ہمارے پاس کوئی قاعدہ اور قانون موجود نہ ہو بس ہم نے یا تو عرب حضرات سے ایسا سنا ہو یا ان کی کتابوں میں دیکھا

ہو، صاحب کتابؒ نے اس کے لئے چار مثالیں پیش فرمائی ہیں:

پہلی مثال: امرأ ونفسه: یعنی چھوڑ و بھائی اس آدمی کو اور اس کی ذات کو، یہاں (امرأ) سے پہلے (اُترُک) فعل ناصب محذوف ہے جس کی وجہ سے (امرأ) منصوب نظر آرہا ہے، اس کے بعد (واؤ) میں دو باتیں ہیں:

ایک یہ کہ یہ واؤ برائے عطف ہو، اس صورت میں جس طرح (امرأ، اترکْ) کی وجہ سے منصوب ہے اسی طرح (نفسه) بھی اسی کی وجہ سے منصوب ہوگا تو گویا کہ دونوں کا عامل محذوف ہوگا۔

دوسری یہ کہ یہ (واو، مع) کے معنی میں ہو تو پھر یہ مفعول معہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اس صورت میں صرف پہلے والے اسم کا فعل عامل محذوف ہوگا۔

دوسری مثال: ﴿انتهوا خيراً لكم﴾: یہاں (خیراً) مفعول بہ ہے جس کا عامل ناصب محذوف ہے، اگر کوئی کہے کہ اس کو ﴿انتهوا﴾ کے لئے مفعول بناؤ چہ جائیکہ فعل محذوف کے لئے اس کو مفعول بنایا جائے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب عالی! اس صورت میں معنی خراب ہو جائے گا مثلا اس صورت میں معنی یہ بنے گا: (منع ہو جاؤ اس چیز سے جو تمہارے لئے بہتر ہو) اس خرابی سے بچنے کے لئے ہم نے اس کا اصل نکالا ﴿انتهوا عن التثليث واقصدوا خيراً لكم﴾ یعنی اے نصاری! تم تثلیث کی عقیدے سے منع ہو جاؤ اور قصد وارادہ کرو اس چیز کا جو تمہارے لئے بہتر ہو، دیکھئے یہاں (خیراً) کا عامل ناصب (اقصدوا) ہے جو کہ محذوف ہے۔

تیسری اور چوتھی مثال: اهلاً وسهلاً: یہ دونوں بھی منصوب ہیں اور عامل ناصب مذکور نہیں ہے اس لئے کہ اصل میں یہ (اتيتَ اهلاً ووطئتَ سهلاً) تھا یعنی آپ اپنے ہی اہل میں آئے ہو اور نرم اور صلح والی زمین آپ نے روندی ہے۔

عرب حضرات اپنے مہمان کا استقبال کرتے ہوئے یہی جملہ کہتے ہیں، اس میں (اهــلا اور سهلاً) دونوں مفعول بہ ہیں، عامل ناصب کو بقرینہ حال مسافر حذف کر دیا گیا

ہے اور اس کے حذف پر ہمارے پاس کوئی قاعدہ وقانون نہیں ہے بلکہ عرب حضرات سے ایسا ہی سنا گیا ہے۔

درس (۵۴)

حذف فعل وجوبی قیاسی کا موضع اول منادی

والثاني المنادى، وهو المطلوب إقباله بحرفٍ نائبٍ مناب أدعو لفظاً أو تقديراً، ويُبنى على ما يُرفع به إن كان مفرداً معرفةً، نحو: يا زيدُ ويارجلُ، ويازيدان ويازيدون، ويُخفض بلام الاستغاثة، نحو: يا لزيدٍ، ويُفتح لإلحاق ألفها، ولا لام فيه، نحو: يا زيداه، ويُنصب ما سواهما، نحو: ياعبدَ الله، ويا طالعاً جبلاً، ويا رجلاً، لغير معيَّنٍ.

ترجمہ :اور موضع ثانی منادی ہے اور منادی وہ اسم ہے جس کا متوجہ کرنا مطلوب ہو ایسے حرف کے ذریعے سے جو (ادعو) فعل کا قائم مقام ہو چکا ہے لفظی طور پر ہو یا تقدیری طور پر، اور منادی مبنی ہوگا رفع کی علامت پر اگر وہ مفرد معرفہ کی صورت میں ہو جیسے (یا زیدُ ویا رجلُ ویا زیدان ویا زیدون)، اور اس کو جر دیا جائے گا لام استغاثہ کے ساتھ جیسے (یا لَزیدٍ)، اور اس کو فتح دیا جائے گا الف استغاثہ کے لاحق ہونے کی وجہ سے اور اس وقت اس میں لام استغاثہ نہیں ہوگا جیسے (یا زیداہ)، اور اس کے علاوہ کی صورتوں کو نصب دیا جائے گا جیسے (یا عبدَ اللہ، ویا طالعاً جبلاً، ویا رجلاً)۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) حذف فعل کے موضع ثانی کی وضاحت۔

(۲) منادی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۴) منادی کی قسمیں اوران کا اعراب۔

پہلی بات: حذف فعل کے موضع ثانی کی وضاحت

والثاني المنادى: اس سے پہلے صاحب کتابؒ نے فرمایا تھا کہ (ووجوباً في أربعة مواضع) توان میں سے پہلی قسم جو سماعی تھی وہ گذر گئی اب یہاں سے قیاسی کی تین قسموں میں سے پہلی قسم کو بیان فرمارہے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ جہاں منادی مفعول بہ واقع ہو رہا ہو تو ایسے موقع پر اس کے عامل ناصب کو حذف کرنا واجب ہے جیسے (یا زیدُ) یہ اصل میں (أدعو زيداً) تھا، تو (ادعو) فعل عامل ناصب کو حذف کر کے (یا) حرف نداء کو اس کا قائم مقام بنایا، کیونکہ نداء کا استعمال کثرت سے ہوا کرتا ہے، اور کثرت اختصار کا تقاضا کرتا ہے، اور اختصار (أدعو) کے بجائے (یا) میں بدرجہ اتم پایا جاتا ہے۔

دوسری بات: منادی کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

المنادى: یہ باب مفاعلہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے بمعنی پکارا ہوا، اس کے شروع میں (الف لام) بمعنی (الذی) اسم موصول کے ہے اور خود منادی اس کا صلہ ہے، تو عبارت یوں ہو جائیگی: (الاسم الذی يُنادى)۔

اور اصطلاح نحاۃؒ میں اس کی تعریف وہی ہے جو صاحب کتابؒ نے بیان کی ہے کہ (هو المطلوب إقباله بحرفٍ نائبٍ مناب أدعو لفظاً أو تقديراً) یعنی منادی وہ اسم ہے جس کا اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب اور مقصود ہو، اور اس کا متوجہ کرنا ایسے حرف کے ذریعہ سے ہو جو (ادعو) فعل کا قائم مقام ہو، وہ قائم مقام حرف چاہے لفظوں میں ہو جیسے (یازید)، جو اصل میں (ادعو زیداً) تھا، یا تقدیری طور پر ہو جیسے ﴿يوسف أعرض عن هذا﴾، یہ اصل میں ﴿يا يوسف أعرض عن هذا﴾ تھا، اور ہر ایک میں متکلم کا مقصد مخاطب کو اپنے طرف متوجہ کرنا ہے۔

پھر اس توجہ کی دو قسمیں ہیں: (۱) توجہ حقیقی۔ (۲) توجہ حکمی۔

اگر منادی ذی روح ہو تو اس کو توجہ حقیقی کہتے ہیں جیسے ﴿یا داوٗدُ انا جعلناک خلیفۃً فی الأرض﴾، اور اگر ذی روح نہ ہو تو اس کو توجہ حکمی کہتے ہیں جیسے ﴿یا جبال أوبی معه والطّیر﴾۔

پھر توجہ حقیقی کی دو قسمیں ہیں: (۱) توجہ وجہی۔ (۲) توجہ قلبی۔

توجہ وجہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا مخاطب بغیر کسی حائل کے آپ کے سامنے ہو اس کو پکارنے کا مقصد یہ ہوگا کہ وہ اپنا چہرہ آپ کی طرف پھیر دے جیسے عمر آپ کے سامنے ہو اور آپ اس کو (یا عمر) کہہ کر پکارے، تو اس کو توجہ وجہی کہا جاتا ہے۔

اور توجہ قلبی کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے مخاطب کا چہرہ آپ کی طرف ہو لیکن اس کا دل غائب ہو ایسے موقع پر اس کو نداء دینا تا کہ اس کا دل آپ کی طرف متوجہ ہو جائے یہ توجہ قلبی کہا جاتا ہے۔

تیسری بات: منادی کی قسمیں اور ان کا اعراب

ویبنی علی ما یرفع به: یہاں لیکر (لغیر معین) تک اس پوری عبارت میں صاحب کتاب نے منادی کی چھ قسمیں بنا کر ہر ایک کا اعراب بیان فرمایا ہیں۔

پہلی قسم: منادی مفرد معرفہ اور اس کا اعراب

ویبنی علی ما یرفع به: منادی کی پہلی قسم منادی مفرد معرفہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اسم مفرد ہو یعنی مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو اگر چہ تثنیہ یا جمع ہو، اور معرفہ کا مطلب یہ ہے کہ حرف ندا کے داخل ہونے کے بعد وہ اسم معرفہ ہو چاہے اس سے پہلے وہ معرفہ ہو یا نکرہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا جیسے (یا زیدُ و یا رجلُ)، اس میں پہلی مثال حرف نداء کے داخل ہونے سے پہلے بھی معرفہ تھی اور اب بھی معرفہ ہے، اور مضاف یا شبہ مضاف بھی نہیں ہے، اور دوسری مثال میں (رجلٌ) پہلے نکرہ تھا لیکن اب حرف نداء کے داخل ہونے کے بعد معرفہ بن گیا ہے اور مضاف یا شبہ مضاف بھی نہیں ہے، اس کا اعراب یہ ہے کہ وہ مبنی بر

علامت رفع ہوگا جیسے (یا سعیدُ)، اور یہ بات پہلے گذر گئی ہے کہ علامت رفع تین ہیں: رفع، واؤ، اور الف جیسے (یازیدُ ویازیدان ویازیدون)، تواس لئے مبنی برعلامت رفع ہوگا۔

یازیدان ویازیدون: ان دونوں مثالوں میں منادیٰ اگر چہ تثنیہ اور جمع ہے لیکن مضاف اور شبہ مضاف نہ ہونے کی وجہ سے گویا کہ مفرد ہے اور معرفہ تو پہلے سے ہے لہٰذا (یا زیدان) میں منادیٰ (الف) کے ساتھ مبنی برعلامت رفع ہے، اور (یازیدون) میں منادیٰ (واؤ) کے ساتھ مبنی برعلامت رفع ہے۔

فائدہ: منادیٰ کی اس قسم کو مبنی قرار دیا گیا ہے؛ اس لئے کہ (یا زید) میں زید منادیٰ ہے اور یہ کاف اسمی کی جگہ واقع ہے، یعنی (ادعوک) کے کاف کی جگہ، اور اس کاف کی مشابہت ہے (ذلک) کے کاف حرفی کے ساتھ، اور حروف چونکہ مبنی ہوتے ہیں تو اس لئے منادیٰ کی یہ قسم بھی مبنی ہوگی۔

دوسری قسم: منادیٰ بلام الاستغاثہ اور اس کا اعراب

ویخفض بلام الاستغاثة: پہلی قسم میں منادیٰ مبنی تھا اب دوسری قسم میں منادیٰ معرب ہوگا لہٰذا اس کا اعراب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہے کہ جب منادیٰ پر استغاثہ کا لام داخل ہو جائے تو یہ مجرور ہوگا جیسے کوئی آدمی کسی مظلوم کے لئے کسی قوم سے مدد طلب کرے اور کہے کہ (یا لَلقومِ لِلمظلومِ) دیکھئے یہاں پر منادیٰ مجرور ہے۔

منادیٰ مستغاث میں چار چیزیں ہوتی ہیں: (۱) استغاثہ۔ (۲) مستغیث۔ (۳) مستغاث لہ۔ (۴) مستغاث۔

(۱) استغاثہ: یہ استقامۃ کی طرح باب استفعال کا مصدر ہے، مجرد میں اس کا مادہ (غ، ی، ث) ہے باب ضرب یضرب سے (بمعنی مدد کرنا)، جب اس مادے کو باب استفعال میں لائے تو اس میں طلب کا معنی پیدا ہوگیا لہٰذا اب معنی یوں ہوگا کہ فریاد کے

ساتھ مدد طلب کرنا، پھر جب مستغاث لہ پر (لام) داخل ہو جائے تو یہ اس کے لئے استغاثہ کی علامت ہوتی ہے اس لئے اس کو لام استغاثہ کہا جاتا ہے۔

(۲) مستغیث یہ اسی باب سے اسم فاعل کا صیغہ ہے بمعنی مدد طلب کرنے والا۔

(۳) مستغاث لہ یہ اسم مفعول کا صیغہ ہے اور اس کے ساتھ (لہ) میں لام اجلیہ لگا دیا تو معنی یوں ہوگا: جس کے لئے مدد طلب کی جائے۔

(۴) مستغاث یہ بھی اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کے ساتھ (منہ) لگا دیا جائے تو اس کا معنی ہوگا (وہ آدمی جس سے مدد طلب کی جائے)۔

تیسری قسم: منادی بالف الاستغاثہ

ویفتح لإلحاق ألفها ولا لامَ فيه: منادی کی تیسری قسم یہ بیان کررہے ہیں کہ اس کے آخر میں الف استغاثہ لاحق ہو جائے تو ایسی صورت میں فرما رہے ہیں کہ دو باتیں ہونگی ایک یہ کہ اس صورت میں منادی منصوب ہوگا کیونکہ الف اپنے ماقبل فتحہ چاہتا ہے، دوسری یہ کہ ایسی صورت میں اس کے شروع میں لام استغاثہ نہیں آئے گا کیونکہ لام استغاثہ اس کے مجرور ہونے کا تقاضا کرے گا اور الف اس کے مفتوح ہونے کا جبکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ضد ہیں (والضدان لا یجتمعان) جیسے (یازیداہ) اس میں (زیدٌ) منادی مستغاث بالألف ہے اور الف کے لاحق ہونے کی وجہ سے مفتوح ہے اور آخر میں وقف کی (ھاء) ہے۔

منادی کی چوتھی پانچویں اور چھٹی قسم

وینصب ما سواھما: صاحب کتابؒ فرما رہے ہیں کہ کہ مذکورہ دونوں قسموں کے علاوہ باقی جتنی قسمیں اور صورتیں ہیں ان سب میں منادی منصوب ہوگا۔

یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ ماقبل میں تو تین قسمیں بیان ہوئیں ہیں تو

مصنفؒ نے (ماسو اھما) کیوں فرمایا اور (ماسو اھا) کیوں نہ فرمایا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک ماقبل میں تین قسمیں بیان ہوئیں ہیں لیکن صاحب کتاب نے دوسری اور تیسری قسم کو ایک قسم میں شمار کیا ہے، اس لئے (ماسو اھما) کہہ دیا۔

ماسو اھما میں تین صورتیں آجاتیں ہیں، مثلاً چوتھی قسم منادی مضاف کی ہے اور پانچویں منادی شبہ مضاف کی، اور چھٹی منادی نکرہ غیر معینہ کی، ان میں سے ہر ایک کی قدرے تفصیل ملاحظہ ہو:

منادی مضاف وہ اسم کہلاتا ہے جو مضاف ہو کسی دوسرے اسم کی طرف جیسے (یا عبدَ اللہ)۔

منادی شبہ مضاف وہ اسم ہے جس کا پورا معنی اس وقت تک سمجھ میں نہ آتا ہو جب تک اس کے ساتھ اس کے مابعد والے اسم کو نہ ملایا جائے، یعنی جس طرح مضاف اپنا پورا معنی دینے میں مضاف الیہ کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی اپنا پورا معنی دینے میں اپنے مابعد والے اسم کا محتاج ہوتا ہے جیسے (یا طالعاً جبلاً)۔

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب عالی! آپ نے اس کو شبیہ بالمضاف کیوں کہا مضاف مضاف الیہ ہی کہہ دیتے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معنوی طور پر تو مضاف مضاف الیہ کی طرح ہے لیکن لفظوں میں عملی طور پر اس کی طرح نہیں ہے، اس لئے کہ مضاف الیہ ہمیشہ مجرور ہوا کرتا ہے جبکہ یہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے، اس لئے ہم نے اس کا نام شبیہ بالمضاف تو رکھدیا اور بعینہ مضاف نہیں رکھا۔

منادی نکرہ غیر معینہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ منادی مفرد ہو یعنی مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو اور نکرہ ہو، عام طور پر تو جس نکرہ پر بھی حرف نداء داخل ہو جائے تو وہ اس کو معرفہ بنادیتا ہے لیکن یہاں حرف نداء کے داخل ہونے کے باوجود بھی وہ نکرہ ہی رہے گا، وہ

اس طرح کہ کوئی نابینا آدمی بلا کسی تعیین کے کسی ایک آدمی کو مخاطب کر کے پکارے (یار جلاً خذ بیدی) تو یہاں نابینا کو چونکہ نظر نہیں آتا اس لئے وہ کسی کو متعین کر کے نہیں پکار سکتا بلکہ وہ بغیر کسی تعیین کے پکارتا ہے اس لئے ہم نے کہا کہ وہ جس کو پکارے وہ منادی نکرہ غیر معین ہوگا۔

درس (۵۴)

منادی مبنی کے توابع مفردہ کا بیان

وتوابع المنادی المبنی المفردةُ من التأکید، والصفة، وعطف البیان، والمعطوفِ بحرف الممتنع دخول (یا) علیه، تُرفع علی لفظه، وتُنصبُ علی محلّه، مثل: یازیدُ العاقلُ والعاقلَ، والخلیل فی المعطوف یختار الرّفع، وأبو عمرو النّصب وأبو العباس إن کان کالحسن فکالخلیل، وإلاّ فکأبی عمرٍو، والمضافة تنصب.

ترجمہ: اور منادی مبنی بر رفع کے مفرد توابع یعنی تاکید، صفت، عطف بیان اور ایسا معطوف بالحرف جس پر کوئی حرف نداء داخل نہ ہو سکتا ہو رفع دیا جائے گا ان کو منادی کے لفظ پر محمول کر کے اور نصب دیا جائے گا ان کے محل پر محمول کر کے جیسے (یازیدُ العاقلُ اوریا زید العاقلَ)، اور امام خلیل معطوف بالحرف میں رفع دینا مختار اور پسندیدہ سمجھتے ہیں اور امام ابوعمرو نصب کو، اور امام ابوالعباس مبرد فرماتے ہیں کہ منادی اگر (الحسن) کی طرح کوئی اسم ہو تو اس کو امام خلیل کی طرح رفع دینا اولی ہوگا، ورنہ تو ابوعمرو کی طرح نصب دینا۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) منادی مفرد معرفہ کے توابع۔

(۲) ان توابع کے اعراب میں علماء نحو کا اختلاف۔

(۳) منادی مضاف کے توابع کا اعراب۔

پہلی بات: منادی مفرد معرفہ کے توابع

منادی کے احکام ومسائل سے فارغ ہو کر مصنفؒ یہاں سے توابع منادی کو بیان فرمارہے ہیں، (توابع، تابعۃ) صیغہ اسم فاعل کی جمع ہے بمعنی تابعداری کرنے والے جیسا کہ (ضوارب جمع ہے ضاربۃ) صیغہ اسم فاعل کی، صاحب کتاب نے منادی کی پہلی قسم منادی مفرد معرفہ کے چار توابع ذکر فرمائے ہیں، یعنی تاکید، صفت، عطف بیان اور وہ عطف بالحرف جس پر یاء کا داخل ہونا منع ہو یعنی معطوف معرف باللام ہو، اور توابع کا بیان اگرچہ مستقل طور پر آگے آرہا ہے لیکن یہاں پر منادی مفرد معرفہ کے تابع ہونے کی وجہ سے اس کے کچھ خاص احکامات ومسائل ہیں یعنی اس پر رفع اور نصب دونوں کا جائز ہونا جبکہ عام توابع میں ایسا نہیں ہوتا اس لئے یہاں پر اس کو ذکر فرمایا۔

فائدہ: تاکید سے مراد یہاں تاکید معنوی ہے نہ کہ تاکید لفظی؛ اس لئے کہ تاکید لفظی صرف لفظ کے تابع ہوتی ہے، اور صفت اور عطف بیان سے مراد عام ہے کہ صفت بحالہ ہو یا صفت بحال متعلقہ اسی طرح عطف بیان چاہے معرف باللام ہو یا غیر معرف باللام۔

دوسری بات: توابع منادی کا اعراب اور اس میں علماء نحو کا اختلاف

ترفع علی لفظه وتنصب علی محله: اس عبارت سے لے کر (والا فکابی عمرو) والی عبارت تک صاحب کتاب نے منادی کے مذکورہ چار توابع کا اعراب بیان کرتے ہوئے اس میں چار اقوال ذکر فرمائے ہیں:

پہلا قول: قولِ صاحب کافیہ

پہلا قول جو صاحب کتاب کا پسندیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ان کو دو طریقوں سے پڑھنا

جائز ہے: ایک یہ کہ جس طرح ان کا متبوع مبنی بر علامت رفع ہوتا ہے اسی طرح ان کو بھی اس کے لفظ پر محمول کرکے مرفوع پڑھا جائے گا، چاہے منادی مرفوع لفظاً ہو یا تقدیراً ہو یا محلاً، ہر حالت میں یہ مرفوع ہوگا جیسے یا زیدُ العالمُ، ویاقاضیُ العالِمُ، ویا ھؤلاءِ الکرامُ، اور دوسرا یہ کہ ان کو اس کو محل پر حمل کرکے منصوب پڑھا جائیں، اس لئے محلاً منادی منصوب ہوا کرتا ہے تو اس کے توابع بھی منصوب ہوں گے۔

یہاں یہ شبہ نہ ہو کہ مبنی پر اعراب لفظی اور تقدیری کیسے آگیا جبکہ مبنی کا اعراب تو محلی ہوا کرتا ہے؟۔

کیونکہ منادی کا مبنی ہونا اصل نہیں ہے بلکہ عارضی ہے اور مبنی عارض پر یہ اعراب آسکتا ہے۔

دوسرا قول: قولِ امام خلیل

فرماتے ہیں کہ مذکورہ قسموں کو مرفوع پڑھنا اولی ہے؛ اس لئے کہ یہ بھی مستقل منادی ہوتے ہیں صرف یہ کہ ان پر حرف نداء داخل نہیں ہوسکتا؛ کیونکہ پھر دو علامت تعریف یعنی معرف باللام اور حرف نداء کا جمع ہونا لازم آجائے گا جو کہ ممنوع ہے۔

تیسرا قول: قولِ ابوعمرو المازنی

امام ابوعمرو بن العلاء المازنی فرماتے ہیں کہ ان کو منصوب پڑھنا اولی اور بہتر ہے اس لئے کہ جب ان پر حرف نداء داخل نہیں ہوسکتا تو یہ منادی نہیں بن سکیں گے، بلکہ معطوف کے حکم میں ہوجائینگے اور معطوف کو معطوف علیہ کے محل پر محمول کیا جاتا ہے اس لئے یہاں بھی ایسا ہی ہوگا، اور یہاں چونکہ معطوف علیہ منادی محلاً منصوب ہے لہذا یہ بھی منصوب ہوں گے۔

چوتھا قول: قولِ امام مبرد

ابو العباس محمد بن یزید المبرد فرماتے ہیں کہ منادی اگر (الحسن) کی طرح ہو یعنی اصل وضع میں اس کے ساتھ الف لام نہیں ہوں بلکہ بعد میں لگائے گئے ہوں تو گویا کہ ایسے الف لام کا لانا اور نہ لانا دونوں برابر ہیں، لہٰذا اس کے شروع میں حرف نداء کا لانا صحیح ہوگا اور حرف نداء جب اس پر داخل ہوسکتا ہے تو یہ مستقل منادی کے حکم میں ہوگیا اور منادی مفرد معرفہ چونکہ مرفوع ہوتا ہے اس لئے یہ بھی اس کے تابع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوں گے جیسا کہ امام خلیل صاحبؒ نے اس کو مرفوع پڑھنا اولی اور بہتر بتایا ہے۔

اور جو اسم ایسا ہو کہ اصل وضع میں اس کے ساتھ الف لام ہو تو ایسا اسم الف لام کے بغیر استعمال نہیں ہوگا بلکہ ہمیشہ معرف باللام ہی استعمال ہوگا اور ایسے اسم پر چونکہ حرف نداء کا داخل ہونا ممتنع ہوتا ہے تو گویا کہ اس کا منادی نہ ہونا اور معطوف ہونا متعین ہوگیا، اور قاعدہ اوپر گذر گیا کہ معطوف کا حمل ہمیشہ کے لئے معطوف علیہ کے محل پر ہوتا ہے اور معطوف علیہ چونکہ محلاً منصوب ہے تو یہ بھی منصوب ہوں گے، جیسا کہ امام ابو عمرو بن العلاء المازنی نے فرمایا ہیں یہی مطلب ہے صاحب کتاب کے قول (إن کان کالحسن فکالخلیل، وإلّا فکابی عمرٍو) کا۔

تیسری بات: منادی مضاف کے توابع کا اعراب

یہاں تک منادی مفرد معرفہ کا مبنی بر علامت رفع کے ان چار توابع کا بیان ہو رہا تھا جو کہ مفرد تھے، اب یہاں سے ان توابع کو بیان کریں گے جو مضاف ہوں گے اضافت حقیقیہ کے ساتھ، یاد رہے کہ یہاں کسی نئی چیز کو لیکر بیان نہیں کر رہے بلکہ انہیں مذکورہ قسموں کو بیان کر رہے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ پہلے سارے مفرد تھے اور یہاں سب مضاف ہوں گے۔

تو فرمایا کہ (والمضاف تُنصب) یعنی اگر یہیں چار قسمیں مضاف ہوکر

آجائیں توان کا حکم یہ ہے کہ ان کو منصوب پڑھا جائے گا، مثلاً تاکید کی مثال (یا تمیم کلُّهم، اور یا طُلّابُ کلُّکم).

اور صفت جب مضاف بن کر تابع بنے اس کی مثال (یا زید ذاالمال اوریا بکر أعلمَ الناس).

اسی طرح عطف بیان کسی اسم کی طرف مضاف ہو اور پھر منادی کا تابع ہو کر آجائے اس کی مثال یارجل أبا عبد الله۔

پچھلی قسموں میں سے چوتھی قسم معطوف معرف باللام کی بھی تھی لیکن معرف باللام ہونے کی وجہ سے اس کی اضافت نہیں ہوسکتی اس لئے وہ ان قسموں میں شامل نہیں ہوسکتی کیونکہ یہاں مضاف کو بیان کر رہے ہیں۔

درس (۵۵)

باقی ماندہ توابع منادی کا اعراب

والبدل والمعطوف غير ما ذُكر حكمُه حكم المستقل مطلقاً، والعلم الموصوف بابن أو ابنة مضافاً إلى علمٍ آخر يُختار فتحه.

ترجمه: اور بدل اور وہ معطوف جو غیر ہو اس کا جس کا حکم ذکر کیا گیا حکم ان کا مستقل منادی کے حکم کی طرح ہے، اور وہ نام جس کی (ابنٌ یا ابنةٌ) کے ساتھ صفت بیان کی گئی ہو درانحالیکہ وہ (ابنٌ یا ابنةٌ) کسی دوسرے نام کی طرف مضاف ہو تو اس پر فتحہ پڑھنا اولی اور بہتر قرار دیا گیا ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) بدل اور معطوف غیر معرف باللام کا اعراب۔

(۲) مذکورہ اعراب کی وجہ۔

(۳) علم موصوف بابنٌ و ابنةٌ کا اعراب اور اس کی وجہ۔

پہلی بات: بدل اور معطوف غیر معرف باللام کا اعراب

صاحب کتابؒ یہاں تک منادی کے ان چار توابع کو بیان فرمارہے تھے جو کہ مفرد تھے پھر اس کے بعد انہیں قسموں کو مضاف بنا کر ان کا اعراب بیان فرمایا، تو ان کے علاوہ باقی دو صورتیں رہ گئیں تھیں یعنی بدل اور معطوف غیر معرف باللام، آج کے درس میں انہی دونوں کو بیان کریں گے۔

تو فرمایا کہ (والبدل والمعطوف غیر ما ذکر حکمه حکم المستقل مطلقاً) یعنی بدل اور معطوف غیر معرف باللام کا اعراب مستقل منادی کے اعراب کی طرح ہے یعنی منادی کا اپنا جو اعراب آتا ہے وہی اعراب ان کو بھی دیا جائے گا۔

صاحب کتابؒ نے مطلقاً فرما کر منادی کے اعراب میں بیان کی گئیں ساری صورتوں کی طرف اشارہ فرمایا یعنی چاہے یہ بدل اور معطوف مفرد معرفہ ہوں یا مضاف یا مشابہ بالمضاف ہوں یا نکرہ غیر معینہ ہوں ان سب صورتوں میں ان کا اعراب وہی ہوگا جو مستقل منادی کا ہوتا ہے، مثال کے طور پر:

(۱) بدل مفرد معرفہ ہو تو ایسی صورت میں منادی مستقل مرفوع تھا، لہٰذا یہ بھی مرفوع ہوگا جیسے (یا زیدُ بکرُ)، اور اسی طرح معطوف غیر معرف باللام بھی مرفوع ہوگا جیسے (یازید و أخا عمرو)۔

(۲) بدل جب مضاف ہو تو ایسی صورت میں منادی مستقل منصوب تھا لہٰذا یہ بھی منصوب ہوگا جیسے (یا زید أخا عمرو)، اسی طرح معطوف غیر معرف باللام بھی منصوب ہوگا جیسے (یازید و أخا عمرو)۔

(۳) بدل مشابہ بالمضاف ہوتو یہ بھی مستقل منادی میں منصوب تھا اس لئے یہاں بھی منصوب ہوگا جیسے (یا زید طالعاً جبلاً)، اور معطوف غیر معرف باللام بھی منصوب ہوگا جیسے (یا زیدُ و طالعاً جبلاً)۔

(۴) بدل نکرہ غیر معین ہوتو چونکہ منادی مستقل ہونے کی صورت میں یہ مرفوع تھا تو یہاں بھی مرفوع ہوگا جیسے (یازیدُ رجلاً صالحاً)، اسی طرح معطوف غیر معرف باللام بھی مرفوع ہوگا جیسے (یا زیدُ و رجلاً صالحاً)۔

(۵) اسی طرح بدل کی مثال جبکہ اس کے ساتھ لام استغاثہ ہوتو چونکہ وہاں مجرور تھا اس لئے یہاں بھی مجرور ہی ہوگا جیسے (یا لزید لعمرو)، اور معطوف غیر معرف باللام کی مثال (یالزید ولعمرو)۔

(٦) جب بدل کے آخر میں الف استغاثہ ہوتو چونکہ وہاں منصوب تھا اس لئے یہاں بھی منصوب ہی ہوگا جیسے (یا زیداہ سعیداہ)، اور معطوف غیر معرف باللام کی مثال جیسے (یا زیداہ و سعیداہ)۔

غرض یہ کہ جہاں جہاں منادی کا جو اعراب ہوگا وہاں اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک تابع بن کر آجائے تو ان دونوں کا بھی بعینہ وہی اعراب ہوگا (کما مثّلنا لکل أحد فی کل صورۃٍ)۔

دوسری بات: مذکورہ اعراب کی وجہ

بدل اور معطوف غیر معرف باللام کو مذکورہ تمام صورتوں میں بعینہ منادی والا اعراب کیوں دیا گیا؟ اس کی دو وجوہات بیان کی گئیں ہیں:

پہلی وجہ یہ ہے کہ بدل اور معطوف تکرار عامل کے حکم میں ہوتے ہیں یعنی جو عامل متبوع پر داخل ہوکر جو عمل کرتا ہے گویا کہ وہی عامل دوبارہ مکرر ہوکر بدل اور معطوف میں بھی وہی عمل کرتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ میں سے مقصود بدل ہوا کرتا ہے تو گویا کہ مبدل منہ کا عامل حقیقت میں اسی بدل کے اوپر داخل ہے لہٰذا جب وہی عامل غیر مقصود (مبدل منہ) میں عمل کرتا ہے تو مقصودی چیز (بدل) میں بدرجہ اولی وہی عمل کرے گا جیسے (یا زید بکرٌ)، یہاں گویا کہ (یا) حرف نداء (بکر) پر داخل ہے کیونکہ بلانا اسی کو ہے اس لئے اس کو رفع دے رہا ہے۔

اور معطوف کو معطوف علیہ والا اعراب اس لئے دیا گیا کہ ان دونوں میں سے ہر ایک مقصود بالذکر ہوا کرتا ہے، اور شروع میں داخل ہونے والا عامل گویا کہ دونوں کے اوپر یکساں داخل ہے، لہٰذا اس عامل کی وجہ سے صرف معطوف علیہ کو عمل دے کر اور معطوف کو ایسے چھوڑ دینا ترجیح بلا مرجح ہوگا، چنانچہ (یا زید و بکرٌ) میں (یا) حرف نداء جس طرح (زیدٌ) کے اوپر داخل ہو کر منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے رفع دے رہا ہے بعینہ اسی طرح (بکر) کے اوپر بھی داخل ہو کر منادی مفرد معرفہ ہونے کی وجہ سے اس کو بھی رفع دے گا۔

تیسری بات: علمِ موصوف بابنٌ وابنۃٌ کا اعراب اور اس کی وجہ

والعلم الموصوف بابن أو ابنة مضافاً إلى علمٍ آخر يُختار فتحه:

صاحب کافیہؒ یہاں سے بطور استثناء کے چند صورتیں بیان فرما رہے ہیں جو ماقبل کے بیان کردہ اصولوں سے مستثنیٰ ہو رہی ہیں جن میں سے ایک صورت کو ہم آج بیان کریں گے اور باقی انشاء اللہ کل کے درس میں بیان ہوں گی:

مثلاً منادی کے متعلق پہلا اصول ہم نے یہ پڑھا تھا کہ اگر منادی مفرد معرفہ ہو تو وہ مبنی بر علامت رفع ہوگا، لیکن اگر اسی منادی مفرد معرفہ کی آگے لفظ (ابنٌ یا ابنۃٌ) کے ذریعے اس کی صفت بیان ہو رہی ہو اور اسی (ابنٌ یا ابنۃٌ) کی اضافت کسی دوسرے علم کی طرف ہو رہی ہو تو ایسے منادی مفرد معرفہ کو مرفوع پڑھنا بھی جائز ہے اور منصوب پڑھنا بھی، لیکن مرفوع پڑھنے کے بجائے اس کو مفتوح پڑھنا زیادہ اولی اور پسندیدہ ہے جیسے یا سعیدَ بنَ

سلیمٍ اور یا زینبَ بنتَ سعیدٍ۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ کلام عرب میں ایسے منادی کا استعمال کثرت سے ہوا کرتا ہے اور کثرت کی وجہ یہ ہے کہ اہل عرب کے اکثر نام کنیت کے ساتھ مقید ہوتے ہیں مجرد نام بہت کم ہوتے ہیں، تو کثرت چونکہ خفت اور آسانی کا تقاضا کرتی ہے، اور فتحہ اخف الحرکات ہے لہٰذا ایسے منادی پر فتحہ پڑھنا مختار اور پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

درس (۵۶)

منادی معرف باللام کی نداء کا طریقہ اور اس کے توابع کا حکم

وإذا نودیَ المعرَّف باللام قیل: یا أیها الرَّجلُ، ویا هذا الرَّجلُ، ویا أیها هذا الرَّجلُ، والتزموا رفع الرجل؛ لأنه المقصود بالنداء وتوابعه؛ لأنها توابع معربٍ، وقالوا: یا الله خاصّةً.

ترجمہ: اور جب ارادہ کیا جائے معرف باللام کی نداء کا تو کہا جائے گا (یا أیها الرَّجلُ، ویا هذا الرَّجلُ، ویا أیها هذا الرَّجلُ)، اور التزام کیا ہے اہل عرب نے (الرجل) کے رفع کا؛ اس لئے کہ یہ مقصود بالنداء ہے، اور اس کے توابع کا بھی؛ اس لئے کہ یہ معرب کے توابع ہوتے ہیں، اور اہل عرب نے (یا الله) خاص کر کہا ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) منادی معرف باللام کی صورتیں۔

(۲) منادی معرف باللام اور اس کے توابع کا اعراب۔

(۳) اسم ذاتی یعنی لفظ اللہ جلّ جلالہ منادی ہو اس کا طریقہ استعمال۔

پہلی بات: منادی معرف باللام کی صورتیں

ماقبل میں (والمعطوف بحرف الممتنع دخول یاء علیه) میں ہم نے یہ بات پڑھی تھی کہ معرف باللام پر حروف نداء میں سے کوئی داخل نہیں ہوسکتا؛ اس لئے کہ پھر دو حرف تعریف کا جمع ہونا لازم آجائے گا، کیونکہ ایک تو الف لام خود بھی حرف تعریف ہے اور دوسرا حرف نداء بھی حرف تعریف ہے، اوران دونوں کا ایک ساتھ ایک اسم پر داخل ہونا منع ہے، تو ہمارے عزیز طلبہ پریشان ہوگئے کہ اگر ہمیں ایسے لوگوں کو نداء دینی پڑے جو معرف باللام کے مصداق ہوں تو ایسی صورت میں ہم کیا کریں گے، کیونکہ ایک طرف دیکھا جائے تو ان کو نداء دئے بغیر چارہ کار نہیں ہوگا، اور دوسری طرف دیکھا جائے تو ان کو نداء دینے سے صاحب کافیہ ناراض ہوجاتے ہیں، کہ آپ حضرات نے میرے پیش کردہ قاعدے پر عمل نہیں کیا۔

تو إذا نودیَ المعرف باللام والی عبارت سے بتارہے ہیں کہ بچوں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ تمہارے اس مسئلے کا حل ہمارے پاس موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر ایسے اسم کو منادی بنانا ہو تو اس کے تین طریقے ہیں:

(۱) قیل: یا أیها الرجل: یعنی پہلا طریقہ یہ ہے کہ براہ راست ایسے اسم کو منادی نہ بناؤ بلکہ اس کے شروع میں کوئی اسم مبہم لاکر اس کو منادی بناؤ پھر اس معرف باللام اسم کو اس کی صفت بناؤ جیسے (یا أیها الرجل اور یا أیها الناس وغیرہ)۔

(۲) یا هذا الرجل: یعنی اس کے شروع میں اسم اشارہ لاکر اس کو منادی بناؤ جیسے (یا هذا الرجل، اور یا هذه المرأة)۔

(۳) یا أیهذا الرجل: تیسرا طریقہ یہ بتارہے ہیں کہ اس کے شروع میں اسم مبہم اور اسم اشارہ کو ملا کر منادی بنایا جائے، اور معرف باللام کو اس کی صفت بنائی جائے جیسے (یا أیهذا الرجل، اور یا أیهذه البنت)، ملاحظہ ہو سارے مثالوں میں معرف باللام

صفت بن رہی ہے اوراس سے پہلے والا اسم موصوف ہے، اور موصوف صفت کا ایک ہی حکم ہوا کرتا ہے لہٰذا یہاں موصوف منادی ہوتو صفت کا منادی ہونا بھی معلوم ہو گیا۔

بالفاظ دیگر مذکورہ تینوں طریقوں کو مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لو کہ یا حرف نداء اور منادی معرف باللام کے درمیان فاصلہ لے کر آؤ، اور وہ فاصلہ تین اسماء میں سے کسی ایک اسم کے ذریعے لایا جائے گا:

یا تو (أیھا اور أیتھا) کے ذریعے لایا جائے گا جیسے (یاأیھا الرجل، یا أیھا الناس اور یا أیتھا المرأۃ وغیرہ)۔

یا اسم اشارہ کے ذریعے سے جیسے (یا ھذا الرجل اور یا ھذہ المرأۃ)۔

یا دونوں کو ملا کر اور فاصل بنا کر لایا جائے گا جیسے (یاأیھذا الرجل اور یا أیھذہ البنت)۔

دوسری بات: منادی معرف باللام اور اس کے توابع کا اعراب

والتزموا رفع الرجل: یہ بھی ایک اشکال کا جواب اور استثناء کی ایک صورت ہے، اشکال یہ ہے کہ جناب عالی! آپ نے ماقبل میں ایسے ہی اسم یعنی منادی مفرد معرفہ کی صفت کے متعلق فرمایا تھا کہ (ترفع علی لفظه وتنصب علی محله) اور اس کی مثال بھی آپ نے دونوں طرح کی دی تھی (یا زید العاقلُ اور یا زید العاقلَ) لیکن یہاں تو جناب آپ کا لب ولہجہ ہی بدل گیا اس لئے کہ آپ فرما رہے ہیں کہ (والتزموا رفع الرجل) کہ ایسی صورت میں معرف باللام والے اسم جو منادی موصوف کا تابع ہو اس پر رفع پڑھنا ہی لازمی اور ضروری ہے، جبکہ ماقبل میں آپ نے دو صورتیں جائز قرار دی تھی؟

اس کا جواب (لأن المقصود بالنداء) سے دے رہے ہیں، کہ جناب والا آپ کی بات بالکل صحیح ہے لیکن جو مثال آپ نے پیش فرمائی ہے اس میں مقصود بالنداء (زید) ہی ہے اور (العاقل) ایک زائد اور تابع اسمِ صفت تھی لیکن یہاں اگر چہ لفظی طور پر

موصوف منادی ہے لیکن اصل میں مقصود بالنداء اس جیسے سارے موقعوں پر صفت ہی ہوتی ہے، اور مقصود بالنداء جب صفت ہوتی ہے تو گویا کہ اس سے منادی مفرد معرفہ کی صورت بن گئی، لیکن اتنا فرق دونوں میں ضرور ہے کہ یہ چونکہ مستقل منادی نہیں ہے اس لئے یہ اگر چہ مرفوع ہوگا لیکن معرب ہوکر، اور منادی مفرد معرفہ مستقل منادی ہوتا ہے اس لئے وہ مبنی بر علامت رفع ہوتا ہے۔

وتوابعه؛ لأنها معرب: ابھی جب ہم نے (الرجل) موصوف معرف باللام کو ہی مقصود بالنداء ٹھہرا کر کہا کہ یہ مرفوع ہوگا اور اس کے توابع بھی مرفوع ہوں گے، تو اس پر اشکال ہوتا ہے کہ جناب! منادی مفرد معرفہ کے تابع میں ہم نے دو وجہیں پڑھی تھیں تو آپ نے (وتوابعه) کا عطف (الرجل) پر ڈال کر اس کو بھی التزام رفع میں کیسے شامل کرلیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جی ہاں! ہم نے ایسا ہی کیا؛ کیونکہ جو احکام پہلے گذرے ہیں وہ منادی مبنی کے توابع کے تھے اور یہ جو یہاں ذکر کیا یہ منادی معرب کے توابع کا ہے جیسے مفرد کی مثال (یا أیها الرجلُ الکریمُ) اور مضاف کی مثال (یا أیها الرجلُ صاحب الفرس)، ان دونوں میں (الرجل) معرب ہے۔

تیسری بات: لفظ اللہ جلَّ جلالہ منادی ہو اس کا طریقہ استعمال

پیچھے ہم نے قاعدہ پڑھ لیا کہ کوئی اسم معرف باللام ہو تو اس پر براہ راست حرف نداء داخل نہیں ہوسکتا، اور اب فرمارہے ہیں کہ ماقبل والا قاعدہ جو تھا وہ عام اسماء کے لئے تھا، رہا اسم ذاتی یعنی اللہ اسم جلیل تو یہ اس قاعدے میں داخل نہیں ہے بلکہ بلاواسطہ اس پر حرف نداء داخل کیا جاسکتا ہے اور اس میں اسم مبہم، حرف تنبیہ اور اسم اشارہ کی ضرورت نہیں ہوتی جیسے (یا اللہ)، ایسا کیوں ہے؟، اس کی کئی وجوہات بیان کی گئیں ہیں مثلاً:

پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات ذاتِ مشہورہ ہے اور ذات مشہورہ

میں اسم مبہم لے کر آنا اس کی ناقدرشناسی ہوگی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ ماقبل والے اسماء میں سے مثال کے طور پر اگر (أیٌّ) ہم اس کے شروع میں لگائینگے تو اس طرح کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ (أیٌّ) تعداد کے لئے آتا ہے اور تعداد سے اللہ پاک کی ذات بابرکات مبرا اور منزہ ہے۔

دوسرا اس میں (ھا) برائے تنبیہ ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات تنبیہ سے بھی پاک ہے؛ کیونکہ تنبیہ غافل کے لئے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ غفلت سے پاک ہے کما قال: ﴿ولا تحسبنَّ اللّٰہ غافلاً عما یعمل الظالمون﴾۔

تیسرا اس میں اسم اشارہ ہے اور اسم اشارہ کا استعمال حسی چیزوں کے لئے ہوا کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی پاک ہے، جیسا کہ ایک مؤحد شاعر نے کہا تھا ۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم ذاتی یعنی لفظ اللہ میں جو الف اور لام ہیں یہ ہمزہ کے عوض میں آئے ہیں اور ہمزہ اصلی تھا تو ابھی یہ دونوں اس کے ساتھ ایسے لازم ہوگئے ہیں کہ اس سے کبھی جدا نہیں ہوں گے، لہٰذا ان دونوں کا عوضی اور لازمی ہونا دونوں لازم آیا اور جہاں الف لام عوضی بھی ہو اور لازمی بھی ہو تو اس پر حرف نداء بلاواسطہ داخل کیا جاسکتا ہے، ہاں! جہاں صرف لازمی ہو یا صرف عوضی ہو تو ایسی صورتوں میں حرف نداء اور اس کے درمیان فاصلہ لایا جائے گا۔

درس (۵۷)

منادی مکرر اور مضاف بیائے متکلم کا اعراب اور طریقہ استعمال

ولک فی مثل: یا تیم تیمَ عدیٍّ الضمُّ والنَّصب. والمضاف إلی یاء المتکلم یجوز فیه: یا غلامیْ، ویا غلامیَ، ویا غلامِ، ویاغلامَا، وبالهاء وقفاً، وقالوا: یا أبِیْ ویا أمِّیْ، ویا أبَتِ، ویا أمَّتِ فتحاً وکسراً، وبالألف دون الیاء، ویا ابن أمّ ویاابن عمَّ خاصةً، مثل: باب یاغلامی، وقالوا: یا ابن أمَّ ویا ابن عمَّ.

ترجمه: اور اے مخاطب تیرے لئے یاتیم تیمَ عدیٍّ جیسی مثالوں میں مضموم اور منصوب دونوں پڑھنا جائز ہے، اور جو اسم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں (پانچ طریقے) جائز ہیں: جیسے یا غلامیْ، ویا غلامیَ، ویا غلامِ، ویاغلامَا، اور ان چار صورتوں کے ساتھ وقف کی ہاء لگا کر بھی جائز ہے، اور عرب نے (یہ بھی) کہا ہے یا أبیْ ویا أمِّیْ، ویا ابتِ، ویا أمَّتِ تاء کے فتح اور کسرہ کے ساتھ، اور تاء کے بعد الف کے ساتھ بھی نہ کہ یاء کے ساتھ، اور خاص کر (یا ابن امّ اور یا ابن عمّ) (یا غلامی) کی طرح ہے، اور عرب نے یا ابن أمَّ اور یا ابن عمَّ بھی کہا ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں مختصری چھ باتیں ہیں:

(۱) منادی مفرد معرفہ جب مکرر ہو اس کا اعراب۔

(۲) مذکورہ صورت کے اعراب کی علت میں اختلاف۔

(۳) عبارت میں مذکورہ مثال کی وضاحت۔

(۴) منادی مضاف بیائے متکلم کا اعراب۔

(۵) اُمٌّ اور اَبٌ مضاف بیائے متکلم کا اعراب۔

(٦) لفظ ابنٌ مضاف ہو اُمٌّ یا عمٌّ کی طرف اس کا اعراب۔

پہلی بات: منادی مفرد معرفہ جب مکرر ہو اس کا اعراب

ولک فی مثل: یا تیم تیمَ عدیٍّ الضمُّ والنَّصب: صاحب کتاب فرمار ہے ہیں کہ ہر وہ جملہ جس میں منادی مفرد معرفہ صورۃً مکرر ہو کر آجائے اور اس کے بعد کوئی اسم مضاف الیہ بھی موجود ہو جیسے (یـا تیـمُ تیـمَ عدیٍّ)، اس میں (تیمُ) منادی مفرد معرفہ ہے اور دوسرا (تیمُ) اس کی تاکید ہے اور اس کے بعد (عدیٍّ) مضاف الیہ ہے، تو اس جیسے مثالوں کے متعلق فرمار ہے ہیں کہ اس میں پہلے والے اسم کو مضموم اور منصوب دونوں طریقوں سے پڑھنا جائز ہے، اس لئے کہ اس کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں:

ایک یہ کہ یہ منادی مفرد معرفہ بن رہا ہے اس حیثیت سے یہ مبنی بر علامت رفع ہوگا۔

اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ منادی مضاف واقع ہو رہا ہے کیونکہ پہلا (تیـمُ) مؤکد اور دوسرا اس کی تاکید ہے اور قاعدہ ہے کہ تابع اور متبوع دونوں شیءِ واحد کے حکم میں ہوتے ہیں لہٰذا یہ دونوں بھی شیءِ واحد کے حکم میں ہو کر (عـدیٍّ) کی طرف مضاف ہو رہے ہیں، تو یہ منادی مضاف کی صورت بن رہی ہے اس لئے یہ منصوب ہوگا۔

دوسری بات: مذکورہ صورت کے اعراب کی علت میں اختلاف

منادی کے مذکورہ قسم کے اعراب کے بعد یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اس کے منصوب ہونے کی علت میں امام سیبویہ اور امام مبرد کا اختلاف ہے:

امام سیبویہ تو وہی فرمار ہے ہیں جیسا کہ اوپر گذرا کہ پہلا تیم مضاف بن رہا ہے (عدیٍّ) کی طرف اور دوسرا تیم اس کی تاکید بن رہا ہے۔

اس پر اگر کوئی اشکال کرے کہ مجرور تو صرف متصل ہوتا ہے جبکہ یہاں تو مضاف

اور مضاف الیہ کے درمیان فاصلہ لازم آرہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں تو کوئی فاصلہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ دونوں شیء واحد کے حکم میں ہیں (کمامرَّ)، لیکن صورتا جو فاصلہ آرہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فاصلہ بالأ جنبی نہیں ہے بلکہ فاصلہ بالتابع لمتبوعہ ہے جو کہ جائز ہے۔

اور امام مبرد صاحب فرماتے ہیں کہ منصوب تو میں بھی مانتا ہوں لیکن اس وجہ سے نہیں جو مذکور ہوئی، بلکہ اس وجہ سے کہ پہلا (تیمُ) مضاف ہے (عدیٌ) محذوف کی طرف اور دوسرا (تیمُ) مضاف ہے (عدیٌ) مذکور کی طرف، تو اس صورت میں پہلا (تیمُ) منادی مضاف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور دوسرا مضاف ہو کر تابع ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا جیسا کہ اس سے پہلے (والمضاف تنصبُ) میں گذرا ہے۔

خلاصہ یہ کہ پہلے والے کو مرفوع اور دوسرے والے کو منصوب پڑھنے میں علماء نحو میں سے کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ پہلے والے کو منصوب پڑھنے کی علت میں امام مبرد اور امام سیبویہؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

تیسری بات: مذکورہ مثال کی وضاحت

صاحب کتاب نے جو مثال پیش فرمائی ہیں وہ مشہور شاعر جریر کے ایک شعر کا ٹکڑا ہے پورا شعر یہ ہے:

یا تیمُ تیمَ عدیٍّ لا أبًا لکم لا یُلقِیَنَّکم فی سوء ۃ عمرُ

عرب میں تیم نام کے چند قبائل ہیں جیسے قبیلہ تیم بن غالب بن مُرَّۃ، اور قبیلہ تیم بن عبد مناف، اسی طرح ایک قبیلہ تیم بن عدی کے نام سے بھی مشہور ہے، چنانچہ اس قبیلے کے ایک شاعر عمر و تیمی نے جب جریر کے ہجو اور ہتک کا ارادہ کیا تو جریر نے اس کے ہجو اور ہتک سے قبل ہی اس کے پورے قبیلے کو مخاطب کر کے کہا کہ خبردار اے قبیلہ تیم بن عدی! تمہارا تو پہلے سے بھی کوئی باپ نہیں ہے بلکہ تم سارے کے سارے حرامی النسل ہوں، ابھی

عمرو تیمی کو منع کرلو تا کہ میری ہجو اور ہتک سے باز رہے ورنہ (تمہیں حرامی النسل کہنے) کے بعد بھی میں ایسی ہجو کرونگا جس کی وجہ سے تم سارے کے سارے برائی میں پڑ جاؤ گے۔

چوتھی بات: منادی مضاف بیائے متکلم کا اعراب

والمضاف إلى ياء المتكلم يجوز فيه: يا غلامیْ إلخ: یہاں ایک اور صورت کا استثناء فرمارہے ہیں وہ اس طرح کے ماقبل میں ہم نے پڑھا تھا کہ منادی جب مضاف ہوتو وہ منصوب ہوگا لیکن یہاں فرمارہے ہیں کہ ماقبل میں جس اضافت کی بات ہوئی تھی وہ عام تھی اور اب فرمارہے ہیں کہ خاص کر اگر یاء متکلم کی طرف کسی اسم کی اضافت ہوئی ہوتو منادی کی صورت میں اس کو چار طرح سے پڑھنا جائز ہے:

(۱) یاء متکلم کے سکون کے ساتھ جیسے یا غلامیْ۔

(۲) یاء متکلم کے فتحہ کے ساتھ جیسے یاغلامیَ۔

(۳) کسرے پر اکتفاء کر کے اور اس کو یاء متکلم کا قائم مقام بنا کر خود یاء کو حذف کرنا جیسے یا غلامِ۔

(۴) یاء کو الف سے بدل کر ماقبل کے کسرے کو الف کی مناسبت کی وجہ سے مفتوح کر کے پڑھنا جیسے یا غلاماَ۔

(۵) (**وبالهاء وقفاً**) سے فرمارہے ہیں کہ ان سب صورتوں کے آخر میں ہاء برائے وقف لگانا بھی جائز ہے، جیسے یاغلامِیہ، ویاغلامِیَہ، ویاغلامِہ، ویاغلاماہ.

پانچویں بات: أم اور أبٌ مضاف بیائے متکلم کا اعراب

وقالوا يا أبی ويا أمی: صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ لفظ (ابٌ) اور (أمٌ) اگر یاء متکلم کی طرف مضاف ہو جائیں تو اس کو چھ طریقوں سے پڑھنا جائز ہے: یعنی مذکورہ پہلے والے چار اور ان کے علاوہ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ یاء متکلم کو تاء کے ساتھ تبدیل کر کے اس پر فتحہ اور کسرہ دونوں پڑھنا جیسے یا أبتِ و یا أبتَ اور یا أمتِ ویا أمتَ، اور

چوتھی صورت یہ ہے کہ اس تاء کے بعد الف زیادہ کر کے یا أبتا اور یا أمّتا پڑھنا بھی جائز ہے۔

دون الیاء: فرمارہے ہیں کہ جب آپ نے یاء متکلم کو الف یا تاء کے ساتھ تبدیل کرلیا تو پھر دوبارہ اسی یاء کو ذکر کر کے یا أبتیْ اور یا أمّتیْ اور یا أمتای اور یا أبتای پڑھنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہاں جو الف اور تاء آئے ہیں یہ اسی یاء متکلم کے عوض میں آئے ہیں لہٰذا اگر آخر میں بھی یاء لے کر آئینگے تو عوض (الف اور تاء) اور معوَّض (یاء) کا جمع ہونا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

چھٹی بات: لفظ ابنٌ مضاف ہو أمٌّ یا عمٌّ کی طرف اس کا اعراب

ویا ابن أم ویا ابن عمَّ خاصةً: بتارہے ہیں کہ لفظ (ابنٌ) جب (أمٌّ یا عمٌّ) کی طرف مضاف ہو رہا ہو تو اس میں پانچ طریقے جائز ہیں: مذکورہ چار اور ان کے علاوہ پانچواں طریقہ یہ ہے کہ چوتھی صورت میں جب یاء کو الف سے بدلا تو اس الف کو حذف کر کے صرف فتحہ پر اکتفاء کر کے پڑھنا جیسے یا ابنَ أمَّ ویا ابنَ عمَّ، آخر میں (خاصةً) کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ خصوصیت (أمٌّ اور عمٌّ) کے اعتبار سے ہے ان کے علاوہ کسی اور اسم کے لئے یہ حکم نہیں ہے مثلاً (ابنٌ) کی اضافت اگر یاء متکلم کی طرف ہو رہی ہو تو اس کا یہ اعراب نہیں ہوگا۔

درس (۵۸)

ترخیم منادی کی تعریف اور اس کا حکم

وترخیم المنادی جائز، وفی غیره ضرورةً، وهو حذف فی آخره تخفیفاً، وشرطه: أن لا یکون مضافاً ولا مستغاثاً ولا جم

ویکونَ إما علماً زائداً علی ثلاثۃ أحرفٍ، وإما بتاء التأنیث.

ترجمہ: اور ترخیم منادی میں (مطلقاً) جائز ہے، اور اس کے غیر میں ضرورت کے وقت، اور وہ حذف کرنا ہے منادی کے آخر سے بطور تخفیف کے، اور اس کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ (منادی) نہ تو مضاف ہو اور نہ مستغاث ہو اور نہ کوئی جملہ ہو، اور یہ کہ منادی یا تو ایسا علم ہو جو تین حرفوں سے زائد ہو، یا ایسا اسم ہو جس کے ساتھ تاء تانیث لگی ہوئی ہو۔

تشریح: آج کے درس میں ان شاء اللہ تعالیٰ تین باتیں ہوں گی:

(۱) ترخیم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔ (۲) ترخیم کا حکم۔

(۳) ترخیم منادی کی شرائط۔

پہلی بات: ترخیم کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

ترخیم باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے نرمی اور آسانی کرنا، اور اصطلاح نحو میں اس کا معنی یہ ہے کہ کسی کلمہ کو آسان بنانے کے لئے اس کے آخر سے ایک یا دو حروف یا پورے ایک کلمہ کو حذف کرنا جیسے حارثُ سے یا حارُ، اور عثمانُ سے یا عثمُ، اور بعلبکُّ سے یا بعلُ۔

دوسری بات: ترخیم کا حکم

وترخیم المنادی جائز، وفی غیرہ ضرورۃً: اس عبارت میں ترخیم کا حکم بیان کرکے فرماتے ہیں کہ ترخیم منادی میں تو مطلقاً جائز ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ ایک تو اس کا استعمال زیادہ ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ منادی میں اصل منادی لہ ہوا کرتا ہے، یعنی وہ بات جس کی طرف پکارا جارہا ہے وہی اصل ہوتا ہے، تو منادِی کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے وہ نداء اور منادی سے جلد فارغ ہوکر اصلی اور مقصودی بات ذکر کرے، تو علماء نحو اور اہل لغت نے اس کی اجازت دی ہیں کہ مذکورہ مقصد کو حاصل کرنے کے لئے

منادی کے آخر میں ترخیم کیا جاسکتا ہے۔

اور رہا منادی کے علاوہ دیگر اسماء میں ترخیم کرنا تو اس کے بارے میں صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ (وفی غیرہ ضرورۃً) یعنی اس کے غیر میں جب ضرورت ہو تب تو جائز ہے ورنہ نہیں، ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ وزن شعری کو برابر کرنا ہو تو ایسے موقع پر جائز ہے اس کے علاوہ نثر میں جائز نہیں ہے۔

تیسری بات: ترخیم منادی کی شرائط

وشرطه أن لا یکون مضافاً سے لے کر إما بتاء التانیث والی عبارت تک صاحب کتاب نے ترخیم کے لئے پانچ شرائط ذکر فرمائی ہیں: جن میں سے چار عدمی متعین ہیں اور ایک ثبوتی غیر معین ہے۔

پہلی شرط:

وشرطه أن لا یکون مضافاً: پہلی شرط یہ بیان کر رہے ہیں کہ منادی میں ترخیم تب جائز ہوگا جب وہ مضاف نہ ہو کسی اور اسم کی طرف، وجہ اس کی یہ ہے کہ منادی مضاف کی دو حیثیتیں ہیں: لفظی اور معنوی۔

لفظی اعتبار سے تو وہ دو کلمے ہیں کیونکہ مضاف الگ کلمہ ہے اور مضاف الیہ الگ، لیکن معنوی اعتبار سے یہ دونوں ایک کلمہ کے حکم میں ہے؛ کیونکہ جس طرح ایک کلمہ کے کل اجزاء ملائے بغیر اس کا پورا معنی سمجھ میں نہیں آتا بالکل اسی طرح مضاف کے ساتھ مضاف الیہ ملائے بغیر بھی مضاف کا پورا معنی سمجھ میں نہیں آتا، لہٰذا اگر مضاف میں ہم ترخیم کرینگے تو لفظی اعتبار سے تو صحیح ہے لیکن معنوی اعتبار سے صحیح نہیں ہے؛ کیونکہ معناً تو یہ ایک ہی کلمہ ہے تو گویا کہ ہم نے کلمہ کے درمیان میں ترخیم کرلی حالانکہ ترخیم منادی کے آخر میں ہوتی ہے۔

اور اگر آخر میں یعنی مضاف الیہ کے آخر میں ترخیم کریں تو معنوی اعتبار سے ایسا کرنا اگرچہ صحیح ہے کیونکہ معنوی اعتبار سے یہ دونوں ایک ہی کلمہ ہے، لیکن لفظی اعتبار سے ایسا

کرنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ دو کلمے ہیں اور دونوں میں سے مقصود بالنداء مضاف ہے اور ترخیم ہم کریں مضاف الیہ کے آخر میں تو یہ صحیح نہیں ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر مضاف میں ترخیم کریں تو معنوی اعتبار سے صحیح نہیں ہے اور اگر مضاف الیہ کے آخر میں کریں تو لفظی اعتبار سے صحیح نہیں ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ سرے سے اس کو ناجائز قرار دیا جائے۔

دوسری شرط

ولا مستغاثاً: صاحب کافیہ نے ترخیم منادی کے لئے دوسری شرط یہ بیان فرمائی ہیں کہ وہ منادی مستغاث نہ ہو، اس کی وجہ یہ ہے کہ مستغاث کی دو قسمیں ہیں: مستغاث بالالف اور مستغاث باللام، اگر منادی مستغاث بالالف ہو تو اس میں ترخیم کرنے سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں:

پہلی یہ کہ منادی مستغاث بالالف میں مقصود مد صوت (یعنی آواز لمبی کرنا) ہوتا ہے جبکہ ترخیم کی صورت میں یہ مقصد فوت ہو جائے گا۔

اور دوسری یہ کہ اگر ایسے منادی میں ترخیم کرینگے تو اس کا التباس لازم آئے گا منادی مفرد معرفہ کے ساتھ، مثلاً (یا زیداہ) میں ترخیم کے بعد (یا زیدُ) رہ جائے گا جو کہ منادی مفرد معرفہ ہے تو دونوں میں فرق کرنا مشکل ہوگا۔

اور اگر وہ منادی مستغاث باللام ہو تو اس میں بھی ترخیم اس لئے جائز نہیں ہے کہ ایسی صورت میں لام استغاثہ کا اثر (یعنی جر دینا) ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے ہمیں پتہ نہیں چلے گا کہ یہ لام مستغاث کا ہے یا مستغاث لہ کا۔

تیسری شرط

ولا جملةً: تیسری شرط یہ بیان فرمائی کہ وہ منادی مرخم ایسا جملہ نہ ہو جو کسی کا نام ہو اس لئے کہ ایسے جملے میں بھی ترخیم کرنے سے دو خرابیاں لازم آئیگی:

پہلی یہ کہ جو جملہ کسی کا علَم بن جائے تو وہ مبنی ہوتا ہے اور مبنی کا آخر کبھی بدلتا نہیں ہے، لہٰذا اگر اس کے آخر میں ہم ترخیم کریں تو حکمِ مبنی یعنی (المبنی ما لا یختلف آخرہ بدخول العوامل المختلفة علیه) کی خلاف ورزی لازم آئیگی۔

اور دوسری خرابی یہ لازم آئیگی کہ جملہ کسی کا نام اسی لئے ہی پڑتا ہے کہ وہ کسی غریب و عجیب قسم کے قصے پر دلالت کرتا ہے جیسے تأبط شرًا۔

اسی نوعیت کا ایک قصہ ہمارے پشتو کے ایک ساتھی کے ساتھ پیش آیا وہ یہ کہ اس نے پورے محلے والوں سے کہا تھا کہ میں سعوی عرب جا رہا ہوں لہٰذا کسی نے کوئی خط وغیرہ لکھنا ہو تو مجھے دیدے میں لے جاؤنگا پھر کسی وجہ سے وہ جا نہیں سکے، اب تو اس کی شامت آگئی اور پورے محلے میں اس کا نام (خط بہ وڑہے) یعنی (ہمارا خط لیکر جاؤ گے) پڑ گیا، لہٰذا اگر ایسے ناموں میں ترخیم کر کے (یا تأبط) اور (یا خط بہ) کہہ کر پکارا جائے تو یہ اس قصہ غریبہ وعجیبہ پر دلالت نہیں کر سکے گا جس کی وجہ سے اس کا یہ نام پڑ گیا تھا۔

چوتھی شرط

ویکون إما علماً زائد علی ثلاثة احرفٍ: چوتھی شرط جو وجودی ہے یہ لگائی کہ وہ منادی ایسا علَم ہو جو تین حرف سے زائد سے بنا ہوا ہو، دیکھیں اس میں دو چیزیں بیان فرمائی ایک یہ کہ وہ علَم ہو دوسری یہ کہ وہ زائد علی الثلاثہ ہو، تو علَم ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ اَعلام میں عام طور پر اشتباہ بہت کم ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ اَعلام اکثر منادی بنتے رہتے ہیں تو کثرت استعمال تخفیف کا تقاضا کرتا ہے لہٰذا ترخیم کے لئے علَمیت کی شرط تخفیف کی وجہ سے لگائی۔

اور زائد علی الثلاثہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی کہ ایسی صورت میں ترخیم کے بعد بھی اسم معرب کی بناء کم از کم تین حروف پر رہ جائیگی جو کہ صحیح ہے، لیکن اگر پہلے سے ہی وہ تین حرفی ہو تو ترخیم کے بعد معرب کی بناء صرف دو حرفوں پر رہ جائیگی جو کہ ناجائز ہے۔

محشی صاحب نے صاحب غایۃ التحقیق کے حوالے سے لکھا ہے کہ کوئی اسم جو تین حرفی ہو لیکن متحرک الاوسط ہو تو درمیانی حرکت کو چوتھے حرف کا قائم مقام بنا کر ایسے اسم میں کوفیین کے ہاں ترخیم جائز ہوگی جیسے (یا عُمَرُ سے یا عُمَ)، لیکن صاحب غایۃ التحقیق نے خود اس کو رد کرتے ہوئے اور ضعیف قرار دیتے ہوئے جواب دیا ہیں کہ ایسا کرنا غیر منصرف کے بحث میں تو صحیح ہے لیکن اس کے علاوہ دیگر مباحث میں اہل عرب کے ہاں عام نہیں ہے، اور جن حضرات نے ساکن الأوسط میں ترخیم کو جائز سمجھ کر (یا زیدُ) کو (یا زَیْ) پڑھا ہے تو ان کے اس قول کو اسم تفضیل کے صیغے کے ساتھ اُضعف قرار دیا ہیں۔

پانچویں شرط:

وإما بتاء التأنیث: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کلمہ نہ تو کسی کا علم ہو اور نہ زائد علی الثلاثہ ہو تو کم از کم اس کے آخر میں تاء تانیث ضرور ہو تب اس میں ترخیم ہو سکے گی ورنہ تو ناجائز ہوگی۔

مذکورہ شرط کی لگانی کی وجہ یہ ہے کہ تاء تانیث محل زوال میں ہوتی ہے کیونکہ ایک تو وہ زائدہ ہوتی ہے دوسرا یہ کہ وہ محل وقف میں ہوتی ہے لہٰذا اس کا زائد ہونا اور محل وقف میں ہونا دونوں اس کے زوال کا تقاضا کرتے ہیں تو اس کو منادی مرخم بنا کر آخر سے اسی تاء تانیث کو حذف کر دینا بدرجہ اولی جائز ہوگا جیسے (یا ثُبَۃُ سے یا ثُبُ)۔

یہاں ایک اشکال ہو سکتا ہے کہ جناب! یہاں تو معرب کی بناء دو حرف پر رہ گئی جس کو آپ نے ناجائز قرار دیدیا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اس اسم کو دو حرفی بنا کر نا جائز قرار دیا ہے جو ترخیم کی وجہ سے دو حرفی رہ جائے، رہا یہاں پر تو یہ تو ترخیم سے پہلے دو حرفی تھا اس لئے کہ تاء تو پہلے سے زائدہ تھی۔

صاحب حاشیہ فرماتے ہیں کہ اس تاء تانیث کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کسی صیغہ

صفت میں نہ ہو جیسے (فاسقۃ فاجرۃ) میں ہے، اس لئے کہ اگر ایسے اسماء سے تاء کو حذف کر کے (یا فاسقُ یا فاجرُ) پڑھیں گے تو پھر مذکر اور مؤنث کے صیغے ایک دوسرے کے ساتھ ملتبس ہو جائینگے اور فرق کرنا مشکل ہوگا کہ یہ مؤنث کا صیغہ ہے یا مذکر کا۔

درس (۵۹)

منادی میں ترخیم کی صورتیں اور اس کا اعراب

فإن كان في آخره زيادتانِ في حكم الواحدة، كأسماء ومروانَ، أو حرفٌ صحيحٌ قبله مدّةٌ وهو أكثر من أربعة أحرفٍ حُذفتا، وإن كان مركباً حذف الاسم الأخير، وإن كان غير ذلك فحرفٌ واحدٌ، وهو في حكم الثابت على الأكثر، فيقال: يا حارِ، ويا ثموْ، ويا كرَوَ، وقد يُجعل اسماً برأسه، فيقال: يا حارُ، ويا ثميْ، ويا كرا.

ترجمه: پس اگر اس کے آخر میں ایسے دو حرف زائد ہوں جو ایک زیادتی کے حکم میں ہوں جیسے (أسماء اور مروان) یا اس کے آخر میں ایسا حرف صحیح ہو جس سے پہلے حرف مدہ ہو درانحالیکہ وہ چار حرفوں سے زائد پر مشتمل ہو، تو ایسے دونوں حرفوں کو حذف کر دیا جائے گا، اور اگر وہ منادی مرکب ہو تو آخری اسم کو حذف کر دیا جائے گا، اور اگر ایسا نہ ہو تو صرف ایک حرف کو حذف کیا جائے گا، اور وہ حذف شدہ حرف اکثر علماء نحو کے ہاں حرف ثابت کے حکم میں ہوا کرتا ہے، پس کہا جائے گا: (یا حارِ، ویا ثموْ، ویا کرَوَ)، اور کبھی منادی مرخم کو مستقل اسم قرار دیا جاتا ہے پس کہا جائے گا: (یا حارُ، ویا ثمیْ، ویا کرا)۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) منادی میں ترخیم کی صورتیں۔

(۲) منادی مرخّم کا اعراب۔

پہلی بات: منادی میں ترخیم کی صورتیں

منادی کے آخر میں ترخیم کر کے یا تو ایک حرف کو حذف کیا جائے گا یا دو کو یا ایک پورے کلمے کو، تو اس کے لئے صاحب کتابؒ نے (فإن کان فی آخرہ زیادتان سے لے کر وإن کان غیر ذلک فحرف واحد) تک کی عبارت میں منادی کی پانچ صورتیں اور ترخیم کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، پہلی دو صورتوں میں دوسری قسم، تیسری میں تیسری قسم، اور چوتھی میں پہلی قسم بیان کی ہیں۔

پہلی اور دوسری صورت

فإن کا ن فی آخرہ زیادتان: سے لے کر (أو حرف صحیح قبلہ مدّۃٌ) والی عبارت میں صاحب کتاب نے پہلی اور دوسری صورت بیان فرمائی ہیں، تو فرماتے ہیں کہ اگر منادی میں دو حرف زائد ہوں لیکن وہ دونوں حرف ایک ہی زیادتی کے حکم میں ہوں مثلاً الف اور نون زائدتان یا الف ممدودہ اس کے آخر میں ہو جیسے مروان اور أسماء، یا وہ ایسا زائد از چار حرفی اسم ہو جس کے آخر میں حرف صحیح ہو لیکن اس سے پہلے والا حرف صحیح نہ ہو بلکہ حرف مدہ (واوٗ، الف، اور یاء) ہوں تو ان صورتوں میں منادی میں ترخیم کر کے اسکے آخر سے دو حرفوں کو حذف کیا جائے گا جیسے یا مروانُ سے یا مروُ، اور یا أسماءُ سے یا أسمُ اور یا منصورُ سے یا منصُ اور یا إدریسُ سے یا إدرِ اور یا عمّارُ سے یا عمُّ پڑھنا جائز ہے۔

صاحب حاشیہ نے اور بھی مثالیں دی ہیں مثلاً (بصریٌّ) کے آخر میں یاء مشددہ نسبتیہ جو حقیقت میں دو یاء ہیں لیکن حکم میں ایک یاء کے ہیں اس کو منادی مرخم بنا کر (یا بصرُ) پڑھا جا سکتا ہے، اسی طرح (یا زیدان سے یا زیدُ، اور یا زیدون سے یا زیدُ، اور یا ھنداتُ سے یا ھندُ) پڑھا جا سکتا ہے۔

صاحب کتاب کے اس قول (فی حکم الواحدۃ) کا مطلب یہ ہے کہ زائد

حرف تو دو ہوں لیکن وہ دونوں ایک حرف زائد کے حکم میں ہوں یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ کسی اسم میں ان دونوں میں سے ایک ہو اور دوسرا نہ ہو بلکہ یا تو دونوں ایک ساتھ موجود ہونگے یا محذوف، یعنی ان کا ہونا اور نہ ہونا دونوں ایک ساتھ ہوگا۔

تیسری اور چوتھی صورت

وإن کان مرکباً حذف الاسم الأخیر: یہاں سے منادی کی تیسری اور چوتھی صورت بیان کرر ہے ہیں وہ یہ ہے کہ اگر وہ منادی مرکب منع صرف یا مرکب بنائی ہو تو ان دونوں صورتوں میں باقاعدہ طور پر دوسرے والے پورے کلمے کو حذف کیا جائے گا جیسے (بعلبکُ سے یا بعلُ، اور حضر موتُ سے یا حضرَ اور خمسة عشر سے یا خمسةَ)۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ مرکب کی ان دونوں قسموں میں دوسرا اسم بمنزلہ تاء تانیث زائدہ کے ہے جو کہ اصل میں تو ایک مستقل کلمہ ہے لیکن شدت اتصال اور ایک ساتھ کثرت استعمال کی وجہ سے گویا کہ یہ ایک ہی کلمہ بنا اور دوسرا کلمہ گویا کہ اسی ایک کلمہ کا ایک جزء بن گیا، تو منادی مرخم میں چونکہ کلمہ کے آخری جزء کو حذف کر دیا جاتا ہے، لہٰذا اس سے بھی اسی کلمے کو جو بمنزلہ ایک جزء کے ہے حذف کیا جائے گا۔

پانچویں صورت

وإن کان غیر ذلک: یہاں سے پانچویں اور آخری صورت بیان فرمار ہے ہیں وہ یہ کہ اگر کوئی ایسی صورت ہو جو ماقبل کے چار صورتوں کے علاوہ ہو وہ چاہے جیسے بھی ہو تو ایسے اسماء سے صرف ایک حرف کو حذف کر دیا جائے گا جیسے (یا حارثُ سے یا حارِ، اور یا شعیبُ سے یا شعَیْ، اور یا ثمودُ سے یا ثمو) پڑھا جائے گا۔

دوسری بات منادی مرخم کا اعراب

وھو فی حکم الثابت علی الأکثر: صاحب کافیہ اس عبارت میں منادی

مرخم کا اعراب بتارہے ہیں، اس میں علماء نحو کے دو مذہب ہیں:

جمہور علماء نحو فرماتے ہیں کہ ترخیم سے پہلے جیسی حرکت تھی ویسے ہی اب بھی رہے گی کیونکہ جو حرف حذف ہو چکا ہے تو وہ گویا کہ تاحال قائم اور دائم ہے مثلاً (یاحارِثُ) میں (راء) پر کسرہ کی حرکت تھی تو ترخیم کے بعد بھی وہی حرکت پڑھی جائیگی تو (یا حارِثُ سے یا حارِ) پڑھا جائے گا اور (یا ثموْدُ) میں واؤ ساکن تھا لہٰذا ترخیم کے بعد بھی ساکن ہی رہے گا جیسے یاثموْ، اور یا کروانُ سے یا کروَا۔

وقد یُجعل اسماً برأسه: یہاں سے دوسرے بعض علماء نحو کے مذہب کو بیان فرمارہے ہیں کہ کبھی کبھار بعض علماء نحو کے ہاں ترخیم کے بعد باقی ماندہ حروف کو بھی مستقل اسم مانا جائے گا، لہٰذا ترخیم سے پہلے جو اس کا اعراب تھا وہی اعراب اب بھی اس پر پڑھا جائے گا، لہٰذا مذکورہ مثالیں ان کے ہاں یوں پڑھی جائی گی (یا حارِثُ سے یا حارُ، اور ثموْدُ سے یاثمُوُ)، اس میں واؤ طرف میں واقع ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل گیا، پھر یاء کی مناسبت کی وجہ سے ماقبل کے ضمہ کو کسرہ سے تبدیل کر کے پھر (یدعو یرمی) کے قانون سے یاء کی حرکت کو گرا کر (یا ثَمِیْ) بنادیا گیا۔

اور (یا کروانُ کو یا کرَوُ) پڑھا جائے گا، پھر واؤ متحرک ماقبل اس کا مفتوح تھا تو (قال باعَ) کے قانون سے اس کو الف بنایا تو (یا کرَا) بن گیا۔

درس (۶۰)

مندوب کی تعریف اور اس کے ضروری مسائل

وقد استعملوا صیغة النداء فی المندوب، وهو المتفجَّع علیه بـیا أو وا، واختص بوا، وحکمه فی الإعراب والبناء حکم المنادی، ولک زیادة الألف فی آخره، فإن خفت اللبس قلتَ وا غلامکیه، وا

غلامكموه، ولك الهاء في الوقف، ولا يندب إلا المعروف، فلا يقال وا رجلاه، وامتنع وا زيد الطويلاه، خلافاً ليونس.

ترجمہ: اور یقیناً استعمال کیا ہے اہل عرب نے حروف نداء کو مندوب میں بھی، اور وہ نام ہے اس چیز کا جس پر دردمندی کی جائے (یـــاء) یا (وا) کے ذریعے، اور مندوب کے ساتھ (وا) کو خاص کیا گیا ہے، اور اس کا حکم اعراب اور بنا میں منادی کے حکم کی طرح ہے، اور اے مخاطب آپ (الف) کی زیادتی کر سکتے ہو اس کے آخر میں، لیکن اگر التباس کا خوف ہو تو آپ یوں کہو گے: وا غلامكيه، وا غلامكموه، اور آپ کے لئے حالت وقف میں (ھا) کی زیادتی بھی جائز ہے، اور مندوب نہیں ہوتا سوائے معروف کے، تو یہ نہیں کہا جاسکتا: وا رجلاه، اور نا جائز ہے: وا زيد الطويلاه، اس میں امام یونس کا اختلاف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں ایک تمہید اور چار باتیں ہیں:

(۱) مندوب کی تعریف اور حروف ندبہ۔ (۲) مندوب کا حکم۔

(۳) مندوب کا طریقہ استعمال۔ (۴) مندوب کے لئے دو ضروری قواعد۔

تمہید

وقد استعملوا صيغة النداء في المندوب: مندوب کی تعریف سے پہلے صاحب کافیہ'' یہ عبارت بطور تمہید کے لائے ہیں اس میں فرماتے ہیں کہ اہل عرب حروف نداء میں سے (یـــاء) کو مندوب کے لئے بھی استعمال کرتے رہتے ہیں اس لئے مندوب کی کچھ مناسبت منادی کے ساتھ پیدا ہو گئی لہٰذا صاحب کتاب'' نے مناسب سمجھا کہ اس کا کچھ ذکر بھی منادی کے بحث میں کیا جائے۔

پہلی بات: مندوب کی تعریف اور حروف ندبہ

وهو المتفجع عليه بيا أو وا: اس عبارت میں مصنف'' نے مندوب کی

تعریف بیان فرمائی ہیں، مندوب (ندب یندب ندباً و ندبةً) سے اسم مفعول کا صیغہ ہے اس کا لغوی معنی یہ ہے کہ وہ میت جس کی خوبیوں کو یاد کر کے آہ اور زاری کی جائے اور وارثین کے ساتھ دردمندی کا اظہار کیا جائے اور اس پر رونے والوں کو رونے میں معذور سمجھا جائے مزید یہ کہ سننے والے یہ سمجھیں کہ یقیناً مرنے والے کی موت ایک عظیم سانحہ اور حادثہ ہے۔

اور اصطلاح نحو میں مندوب وہ ہے جس پر (یاء اور واؤ) کے ساتھ آہ اور زاری کی جائے، پھر متفجع علیہ عام ہے کہ اس کے وجود پر آہ اور زاری ہو یا اس کی عدم موجودگی پر، وجود کی مثال: (واحسرتاه وامصیبتاه)، جیسے ہمارے ملک عزیز کے غدار، ظالم اور غریبوں کے کھال اتارنے والے حکمران ہوتے ہیں کہ ہر موجودہ حاکم کے بعد کسی اچھے اور عادل حاکم کا انتظار ہوتا ہے لیکن جیسا ہی وہ چلا جاتا ہے اور اس کے بعد دوسرا اس سے بڑا ظالم آتا ہے تو سارے غربا کہنے لگتے ہیں (واحسرتاه وامصیبتاه) کہ ہائے مصیبت اور ہائے افسوس! یہ تو گویا کہ کتے کے بعد خنزیر آ گیا ہے اور ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ﴾ کا مصداق ہو کر آ گیا ہے خدایا! اب اس سے کب جان چھوٹے گی۔

اور عدم موجودگی کی مثال اس طرح ہوگی کہ مثال کے طور پر زید فوت ہو گیا ہو اور کوئی کہے (وازیداه اور واحسرتاه) یعنی اس کے فوتگی پر افسوس اور غم کا اظہار کیا جا رہا ہو، اور افسوس کا اس طرح اظہار کرنا چاہے کسے کے موجودگی پر ہو یا عدم موجودگی پر یہ (یا حرف نداء) اور (وا حرف ندبہ) کے ذریعے سے کیا جائے گا۔

یہاں پر ایک اشکال واقع ہو سکتا ہے کہ صاحب کتابؒ نے تو ماقبل میں (وقد استعملوا صیغة النداء) فرمایا جو مطلق ہے اور سارے حروف نداء کو شامل ہے اور آپ یہاں فرما رہے ہیں کہ (وهو المتفجع علیه بیاء) تو یہاں اس کو خاص کر کے صرف (یاء) کو کیوں مراد لے رہے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل جی! صاحب کتاب نے (وقد استعملوا صیغة النداء) فرمایا ہیں لیکن مطلق کے متعلق ایک قاعدہ مشہور ہے کہ (المطلق إذا يُطلق يراد به الفرد الكامل) اور یہ بات ظاہر ہے کہ حروف نداء میں سے فرد کامل (یا) ہی ہے تو اس لئے صرف اسی کو مراد لے لیا۔

واختصّ بوا: سے فرما رہے ہیں کہ (وا) صرف مندوب کے ساتھ خاص ہے اور (یا) عام ہے منادی اور مندوب دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

دوسری بات: مندوب کا حکم

وحكمه في البناء والإعراب حكم المنادى: اس عبارت میں مندوب کا مبنی اور معرب ہونے کے اعتبار سے اور اعراب کے اعتبار سے حکم بیان فرما رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اس کا حکم بعینہ وہی ہے جو ماقبل میں ہم نے منادی پڑھا ہیں، مثلاً ہم نے پڑھا تھا کہ منادی مفرد معرفہ مرفوع ہوگا مبنی برعلامت رفع کے ساتھ، تو اسی طرح اگر یہی مفرد معرفہ مندوب بن جائے تو یہ بھی مبنی برعلامت رفع ہوگا جیسے (یازیدُ) سے (وازیدُ)۔

تیسری بات: مندوب کا طریقہ استعمال

ولك زيادة الألف في آخره: سے مندوب کا طریقہ استعمال بتا رہے ہیں:

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ مندوب کے آخر میں (الف) لایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ مندوب میں آواز کو لمبا اور بلند کرنا مقصود ہوتا ہے اور یہ مقصد (الف) لانے کی صورت میں بدرجہ اتم پورا ہوسکتا ہے اور اس صورت میں اس کے آخر میں (ہاء) برائے وقف بھی لگائی جاتی ہے (جس کو تھوڑا سا آگے جا کر صاحب کتاب خود بیان فرمائینگے کہ (ولك الهاء في الوقف) اور یہ اس لئے لائی جاتی ہے تا کہ حرف مدہ اچھی طرح اداء ہو جائے جیسے (یا زیدُ) سے (یازیداہ)۔

فإن خفت اللبس قلت: واغلامکیه: اس عبارت سے صاحب کتاب فرمارہے ہیں کہ مندوب کے آخر میں الف لانا جائز اور صحیح ہے لیکن جہاں اس کے بڑھانے سے ایک صیغے کا کسی دوسرے کے ساتھ التباس لازم آرہا ہو تو اس صورت میں الف کا اضافہ نہیں کرینگے جیسے مثال کے طور پر کسی واحدہ مؤنثہ مخاطبہ کا غلام فوت ہو جائے پھر آپ نے اس پر ندبہ کرنا ہو تو (واغلامکِ یا یا غلامکِ) کہا جائے گا لیکن اگر اس کے آخر میں الف بڑھا کر اس کے بعد (ھاء) برائے وقف بھی لگا دی جائے تو (واغلامکاہ) بن جائے گا، اور بعینہ یہی صورت اس وقت بھی بنے گی جب واحد مذکر حاضر کے غلام پر اس طرح ندبہ کرنا ہو تو دونوں آپس میں ملتبس ہو جائینگے لہٰذا التباس سے بچنے کے لئے ان کے آخر میں الف کے بجائے یاء ساکنہ لگا دینگے تو (یا غلامکیه) پڑھا جائے گا۔

اسی طرح اگر جمع مذکر حاضر کے غلام پر ندبہ کرنا ہو اور اس کے آخر میں الف لگا دیا جائے تو (واغلامکم) سے (واغلامکماہ) بن جائے گا جو کہ تثنیہ مذکر حاضر کے ساتھ ملتبس ہو رہا ہے لہٰذا التباس سے بچنے کے لئے اس کے آخر میں (واؤ) اور اس کے بعد (ھاء) برائے وقف لگا کر (واغلامکموہ) کہیں گے۔

چوتھی بات: مندوب کے لئے دو ضروری قواعد

ولا یُندب إلا المعروف: اس عبارت میں مندوب کے لئے ایک قاعدہ بیان فرمارہے ہیں وہ یہ کہ ندبہ صرف معروف شخص پر کیا جاسکتا ہے کسی مجہول اور نامعلوم شخص پر نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ معلوم شخص کی صفات بھی معلوم ہوتیں ہیں لہٰذا ندبہ کرنے والے جب اس کی صفات یاد کر کے روئے نگے تو سننے والے اس کے رونے کو سن کر واقعی میں اس کو معذور سمجھیں گے ورنہ تو ہر سننے والا یہی کہے گا کہ یہ پاگل کیوں رو رہا ہے؟ اور کس پر رو رہا ہے؟ تو اس لئے یہ شرط لگا دی کہ ندبہ معروف پر ہی کیا جائے گا، لہٰذا (وا رجلاہ) کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

وامتنع وا زید الطویلاہ: سے دوسرا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں وہ یہ کہ جس طرح ندبہ معروف پر ہوسکتا ہے مجہول اور منکور پر نہیں ہوسکتا، تو ایسی ہی اگر موصوف پر ندبہ کرنا ہو تو اس کے آخر میں تو (الف اور ہاء) لانا جائز ہے لیکن اس کی صفت کے آخر میں یہ دونوں نہیں لائے جاسکتے لہٰذا (وا زیداہ الطویل) کہنا تو جائز ہے، لیکن (وازیداہ الطویلاہ) کہنا جائز نہیں ہے یہ تو جمہور علماء نحو کا مذہب ہے۔

اور امام یونسؒ فرماتے ہیں کہ (الف اور ہاء) صفت کے آخر میں بھی لاحق کئے جاسکتے ہیں اس دعوی پر ان کے پاس دو دلیلیں ہیں ایک عقلی اور دوسری نقلی:

دلیل عقلی یہ ہے کہ جس طرح مضاف مندوب ہو تو (الف اور ہاء) اس کے مضاف الیہ کے ساتھ لاحق ہوسکتے ہیں باوجودیکہ مضاف اور مضاف الیہ ایک دوسرے کا غیر ہوتے ہیں، لہٰذا موصوف اور صفت جو دونوں ذات واحدہ ہوتی ہیں اس میں تو بدرجہ اولی جائز ہونا چاہئے لہٰذا ان کے ہاں جیسے (وا غلامکاہ) جائز ہے اسی طرح (وا زید الطویلاہ) پڑھنا بھی جائز ہے۔

اور **دلیل نقلی** ان کے پاس یہ ہے کہ ایک اعرابی کے دو پیالے گم ہوگئے تلاش بسیار کے بعد جب اس کو نہیں ملے تو اس پر ندبہ کرتے ہوئے کہنے لگے: (وا جُمْجُمَتَيَّ الشَّامِيَتَيْنَاهْ) یعنی ہائے میرے شامی دو پیالوں!۔

یہاں دیکھیں ندبہ (جمجمتین) پر کر رہا ہے لیکن (الف اور ہاء) اس کی صفت (الشامیتین) کے ساتھ لاحق کر رہا ہے۔

لیکن جمہور علماء نحو پہلی دلیل کا جواب یہ دے رہے ہیں کہ مضاف اور مضاف الیہ گویا کہ ایک ہی اسم ہے کیونکہ مضاف اپنا معنی دینے میں مضاف الیہ کا محتاج ہوتا ہے تو گویا کہ مضاف الیہ مضاف کا ایک جزء ہوتا ہے اس لئے اس میں تو جائز ہے لیکن اس کے برخلاف موصوف صفت کا معاملہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ وہ دونوں الگ الگ مستقل کلمے ہوتے ہیں اور صفت صرف موصوف کی وضاحت کے لئے لائی جاتی ہے لہٰذا اس کو مضاف اور

مضاف الیہ پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور اس کا بطلان ظاہر ہے۔

اور دوسری دلیل کا جواب یہ دیتے ہیں کہ علماء نحو کے مقابلے میں ایک اعرابی کا قول کیسے پیش کیا جا سکتا ہے جب کہ اس کا قول ہے بھی شاذ۔

درس (٦١)

حرف نداء اور منادی کے حذف کا بیان

ويجوز حذف حرف النداء إلا مع اسم الجنس، والإشارة، والمستغاث، والمندوب، نحو: ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا﴾، وأيها الرَّجل، وشذَّ أصبح ليلُ، وافتدِ مخنوق، وأطرق كرا، وقد يحذف المنادى لقيام قرينة جوازاً، مثل ألا يا اسجدوا.

ترجمہ: اور جائز ہے حرف نداء کا حذف کرنا مگر اسم جنس اور اسم اشارہ اور مستغاث اور مندوب سے، جیسے ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا﴾، اور أيها الرَّجل، اور شاذ ہے: أصبح ليلُ اور افتدِ مخنوق اور أطرق كرا، اور کبھی جوازی طور پر حذف کیا جاتا ہے منادی کو کسی قرینہ کی موجودگی کی وجہ سے، جیسے ألا يا اسجدوا.

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) حرف نداء کا حذف کرنا۔

(۲) اس قاعدے سے چند صورتوں کی استثناء۔ (۳) منادی کا حذف کرنا۔

پہلی بات: حرف نداء کا حذف کرنا

ويجوز حذف حرف النداء: کل کے درس کے آخر میں آپ حضرات نے دو قاعدے پڑھے تھے آج صاحب کافیہ اس عبارت میں تیسرا قاعدہ بیان فرما رہے ہیں اور

اس میں دوبارہ منادی کے اصل بحث کی طرف عود کر رہے ہیں، قاعدہ یہ ہے کہ منادی کے اندر اگر کوئی قرینہ موجود ہو تو اس سے حرف نداء کا حذف کرنا جائز ہے جیسے ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا﴾، یہاں قرینے کے موجود ہونے کی وجہ سے (یاء) حرف نداء کو حذف کیا گیا ہے۔

حذف یاء کا قرینہ یہاں پر یہ ہے کہ اگر (یوسف) سے پہلے (یاء) حرف نداء کو محذوف نہ مانا جائے تو لازمی بات ہے کہ (یوسف) کو مبتدا بنانا پڑے گا اور مبتدا اپنے لئے خبر چاہتا ہے اور یہاں پر ﴿أَعْرِضْ عَنْ هَذَا﴾ کے علاوہ اور کوئی کلمہ ہمارے پاس ہے نہیں اور اس کو خبر بنا نہیں سکتے؛ کیونکہ یہ جملہ انشائیہ ہے اور خبر کے لئے جملہ خبریہ کا ہونا ضروری ہے۔

اس کے مقابلے میں حرف نداء محذوف ماننے کی صورت میں کوئی بھی خرابی لازم نہیں آتی؛ کیونکہ دونوں جملہ انشائیہ بن جائیں گے ﴿يُوسُفُ﴾ (یا) محذوفہ کے ساتھ مل کر یہ منادی بن جائے گا اور دوسرا جملہ یعنی ﴿اعرض عن هذا﴾ یہ جواب نداء بن جائے گا۔

اسی طرح (أيها الرجل) میں بھی قرینہ موجود ہے وہ یہ کہ معرف باللام پر (أيها) تب داخل کیا جاتا ہے جبکہ اس پر یاء حرف نداء پہلے سے داخل ہو جبکہ یہاں تو کوئی حرف نداء نظر نہیں آرہا اور پھر بھی (أيها) اس پر داخل ہے تو لازمی طور پر یہ ماننا پڑے گا کہ یہاں حرف نداء محذوف ہوگا۔

دوسری بات: مذکورہ قاعدے سے چند صورتوں کی استثناء

إلا مع اسم الجنس، والإشارة، والمستغاث، والمندوب: صاحب کتابؒ نے یہ عبارت لاکر مذکورہ قاعدہ سے چار چیزیں مستثنیٰ قرار دی ہیں:

(۱۔۲) **إلا مع اسم الجنس، والإشارة:** فرمارہے ہیں کہ اسم جنس اور اسم

اشارہ کو منادی بنا کر اس سے حرف نداء کو حذف نہیں کیا جا سکتا؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ اسم علم تو عام طور پر منادی بنتا رہتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں اسم جنس اور اسم اشارہ بہت کم منادی بنتے ہیں، لہٰذا اس کے قلیل الاستعمال ہونے کے باوجود اگر حرف نداء کو بھی حذف کیا جائے تو دیکھنے والا اُسی طرح اسم جنس کو نکرہ اور اسم اشارہ کو اسم اشارہ ہی سمجھے گا، مثلاً: (یارجل اور یا ھذا) سے یاء حرف نداء کو حذف کر کے (رجلٌ اور ھذا) ہی رہ جائینگے جن کا پتہ نہیں چلے گا کہ آیا یہ منادی ہیں یا نکرہ، اس لئے ان دونوں موقعوں پر حرف نداء کا ذکر کرنا از حد ضروری ہوگا تا کہ مذکورہ خرابی لازم نہ آئے۔

(۳۔۴) **والمستغاث والمندوب:** یہاں تیسری اور چوتھی صورت کو بیان فرمارہے ہیں جہاں حرف نداء کا حذف کرنا ناجائز ہے تو فرمایا کہ منادی مستغاث اور مندوب سے بھی حرف نداء کا حذف کرنا جائز نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں میں درازی صوت یعنی آواز کو بڑھانا مقصود ہوتا ہے اور درازی صوت منادی کی صورت میں ہوسکتا ہے لیکن حرف نداء کو اگر حذف کر دیا جائے تو وہ منادی نہیں رہے گا اور منادی نہ رہنے کی صورت میں درازی صوت نہیں رہے گی، اور درازی صوت نہ رہنے کی صورت میں وہ مستغاث اور مندوب ہی نہیں رہیں نگے لہٰذا جو اصل مقصود ہے وہ فوت ہو جائے گا۔

وشذَّ أصبح ليل: اس عبارت سے ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں:

اشکال یہ ہے کہ ابھی ہم نے ایک قاعدہ پڑھا کہ (**ويجوز حذف حرف النداء إلا مع اسم الجنس... إلخ**) اور یہاں (لیل) جو کہ اسم جنس ہے اس کے باوجود بھی (**أصبح ليل**) میں اس سے حرف نداء کو حذف کر دیا گیا ہے؛ کیونکہ اصل میں یہ (**أدخل في الصَّباح يا ليلُ**) یا (**أوصر في الصَّباح يا ليل**) تھا۔

قصہ اس کا یہ ہے کہ ام جندب نامی لڑکی امرء القیس پر (جو مشہور عربی شاعر تھے) عاشق ہوگئی، شادی کے بعد پہلی رات تھی تو امرء القیس سے کوئی ایسی حرکت صادر جو اس کو پسند نہیں آئی لہٰذا وہ ساری محبتیں جو اس کے سینے میں تھیں یکدم نکل گئیں، اور علی الصباح

ہونے پر اس نے بھاگنے کا عزم مصمم کرلیا، انتظار میں ایک ایک گھڑی مشکل سے گذر رہی تھی تو آخر تنگ آ کر کہنے لگی: (أصبح ليلُ، أى: أدخل فى الصباح ياليلُ) یعنی اے رات تو جلدی گذر جا اور صبح کے وقت میں داخل ہو جا۔

اسی طرح (وافتد مخنوق) میں بھی مخنوق اسم جنس منادی ہے اور حرف نداء کو حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ اصل میں یہ (افتد نفسک یا مخنوقُ) تھا۔

اس کا قصہ اور شان ورود یہ ہے کہ سلیک بن سلکہ نامی آدمی ایک دن چت لیٹ کر سو رہا تھا کہ اتنے میں ایک ڈاکوں نے آ کر اس کا گلا دبایا اور کہا کہ (افتد مخنوق) یعنی اے گلا گھونٹے ہوئے آدمی اپنی جان کا فدیہ ادا کر، تا کہ تیری جان بچ جائے ورنہ تو تیری موت ہے۔

اسی طرح (أطرق كرا) میں بھی (كرا) اسم جنس منادی ہے اور حرف نداء کو حذف کیا گیا ہے اس لئے کہ اصل میں یہ (اخفض عنقک یا کروانُ) تھا۔

اس کا قصہ اور شان ورود کچھ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایک منتر مشہور تھا جس کے ذریعے کروان نامی پرندے کو پکڑا جاتا تھا، پورا منتر یوں تھا:

أطرق كرا أطرق كرا،

فإنَّ النُّعامة في القرى

وبغائكم في أرضنا

ما استنسرا ما استنسرا

یعنی اے کروان نامی پرندے تو خود ہی اپنا سر جھکا دے اور ہمارے ہاتھوں میں آ جا، ورنہ ہمارے لئے تیرا پکڑنا اور تجھے شکار کرنا کوئی مشکل بات نہیں ہے؛ اس لئے کہ تجھ سے بڑے پرندے یعنی شتر مرغ کو ہم نے شکار کر کے گاؤں بھی پہنچا دیا ہے، لہٰذا آپ کا مارنا بھی کوئی مشکل بات نہیں، تو اس کو سن کر کروان نامی پرندے جمع ہو جاتے تھے۔

غرض ان سب مقامات میں اسم جنس جو منادی بن رہا ہے اور یا حرف نداء کو حذف کیا گیا ہے، تو یہ تو (إلا مع اسم الجنس) والے قاعدے کے خلاف لازم آرہا ہے؟۔

صاحب کتابؒ نے ان سب کا جواب بڑا آسان کر کے دیدیا ہیں کہ (وشذ) کہ بھائی! یہ سارے شاذ ہیں۔

دوسرا جواب ہم یہ دے سکتے ہیں کہ جناب عالی! یہ جو قواعد وغیرہ بیان ہو رہے ہیں یہ فصحاء بلغاء علماء اور نحاۃ کے کلام کے لئے بیان ہو رہے ہیں، لہٰذا اگر آپ کو اس پر کوئی اشکال یا اعتراض ہو تو انہیں حضرات کے کلام میں سے کوئی کلام پیش کر کے تو آپ اعتراض کر سکتے ہیں، لیکن عشاق مجازی، ڈاکوؤں اور جادوگروں کا کلام پیش کر کے آپ اعتراض نہیں کر سکتے؛ کیونکہ ان دو فریقوں میں تو دور کی بھی کوئی مناسبت نہیں ہے۔

تیسری بات: منادی کا حذف کرنا

وقد یُحذف المنادی لقیام قرینة جوازاً: حرف نداء کے حذف کو بیان کرنے کے بعد عبارت مذکورہ میں خود منادی کے حذف کرنے کو بیان فرما رہے ہیں: کہ کبھی کبھار منادی کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ اس کے حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو مثلاً (ألا یا اسجدوا) جو کہ اصل میں (ألا یا قوم اسجدوا) تھا، تو (قوم) جو منادی تھا اس کو جوازاً حذف کیا؛ اس لئے کہ اس کے حذف کے بعد بھی (ألا یا اسجدوا) اس کے حذف پر دلالت کر رہا ہے، اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ حرف نداء کبھی فعل کے اوپر داخل نہیں ہوتا ہاں! اسم پر داخل ہو سکتا ہے، لیکن یہاں جب ہم نے دیکھا تو حرف نداء فعل پر داخل ہو کر نظر آرہا ہے اور یہ خلاف قاعدہ ہے لہٰذا اس سے معلوم یہ ہو رہا ہے کہ یہاں ضرور کوئی اسم محذوف ہوگا، اور اصل میں منادی بھی وہی اسم محذوف ہی بنے گا۔

درس (٦٢)

حذف فعل وجوبی کا تیسرا مقام یعنی مااضمر عاملہ کا بیان

والثالث: ما أضمر عامله على شريطة التفسير: وهو كل اسم بعده فعلٌ أو شبهه مشتغلٌ عنه بضميره أو متعلقه، لو سلِّط عليه هو أو مناسبه لنصبه، مثل: زيداً ضربته، وزيداً مررتُ به، وزيداً ضربتُ غلامَه، وزيداً حُبستُ عليه، يُنصب بفعلٍ مضمرٍ يُفسِّره مابعده، أى: ضربتُ وجاوزتُ وأهنتُ ولابستُ.

ترجمہ: اور تیسرا وہ اسم ہے جس کے عامل کو مقدر کر دیا گیا ہو تفسیر کی شرط پر، اور وہ (یعنی ما اضمر عاملہ) وہ اسم ہے جس کے بعد فعل یا شبہ فعل ہو، اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کو اعراب دینے سے اعراض کر رہا ہو؛ اس لئے کہ وہ یا تو اس کی ضمیر کو عمل دے رہا ہو یا اس کے متعلق کو، اگر فعل یا شبہ فعل کو خود یا اس کے مناسب کسی فعل کو ما اضمر عاملہ پر داخل کیا جائے تو وہ یقیناً اس کو نصب دے گا جیسے (زیداً ضربته، وزیداً مررتُ به، وزیداً ضربتُ غلامَه، وزیداً حُبستُ عليه)، اور نصب دیا جائے گا اس اسم کو ایسے فعل مقدر کے ذریعے جس کا مابعد اس کی تفسیر کرے یعنی (ضربتُ وجاوزتُ وأهنتُ ولابستُ)۔

تشریح: آج کے درس میں تمہید کے بعد تین باتیں ہوں گی:

(۱) مااضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی تعریف۔ (۲) مثالوں کی وضاحت۔

(۳) مااضمر عاملہ کا اعراب۔

تمہید: مفعول بہ کے بحث کے شروع میں صاحب کتاب نے فرمایا تھا کہ (ووجوباً فی أربعة مواضع) یعنی مفعول بہ کے فعل کو چار موقعوں پر حذف کرنا

واجب ہے، چنانچہ ان چار میں سے پہلے دو یعنی سماعی اور منادی کا ذکر تو ہو گیا، اب یہاں سے تیسرے مقام (ما اضمر عامله) کو بیان فرمارہے ہیں، یعنی مفعول بہ کے فعل کو اس شرط پر حذف کر دیا گیا ہو کہ آگے اس کی تفسیر آرہی ہو۔

پہلی بات: ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی تعریف

(وهو کل اسم بعده فعلٌ أو شبهه مشتغلٌ عنه بضمیره أو متعلقه، لو سلّط علیه هو أو مناسبه لنصبه) فرمارہے ہیں کہ ما اضمر عاملہ وہ اسم ہے جس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو لیکن فی الحال وہ مذکورہ اسم میں کوئی عمل نہیں کر رہا ہو؛ اس لئے کہ وہ فعل یا شبہ فعل یا تو مذکورہ اسم کی ضمیر میں عمل کر رہا ہوگا یا اس کے متعلق میں، لیکن وہی فعل یا شبہ فعل یا اس کا مناسب فعل ایسا ہو کہ اگر ان میں سے کسی ایک کو بھی ما اضمر عاملہ کے شروع میں لگا کر براہ راست اس کا عامل بنا دیا جائے تو ان میں سے ہر ایک اس کو اپنا معمول (مفعول بہ) بنا کر نصب دے سکتا ہو۔

دوسری بات: مثالوں کی وضاحت

زیداً ضربته سے زیداً حبستُ علیه: تک صاحب کافیہؒ نے ما اضمر عاملہ کی چار مثالیں بیان فرمائی ہیں، لیکن اتنی بات یاد رہے کہ صاحب کافیہؒ نے تعریف میں دو چیزوں کا ذکر فرمایا تھا یعنی فعل اور شبہ فعل کا، لیکن مثالیں ساری صرف فعل کی دی ہیں شبہ فعل کی کوئی مثال نہیں دی ہیں، لہٰذا ہر ایک کی مختصر وضاحت ملاحظہ ہو:

(۱) زیداً ضربته:

یہ اصل میں (ضربتُ زیداً ضربته) تھا، اس میں (زیداً) وہ اسم ہے جس کے فعل عامل کو حذف کر دیا گیا ہے اور اس کے لئے لگائی گئی شرط بھی موجود ہے کہ اس کے بعد جو (ضربتُ) فعل ہے یہ اس حذف شدہ فعل کی تفسیر کر رہا ہے، اور فی الحال (زیداً) میں عمل اس لئے نہیں کر رہا کہ یہ اسی زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو عمل دے رہا ہے، لیکن اگر اس کو اس

ضمیر سے فارغ کر کے (زیداً) کے شروع میں لگا دیا جائے تو یہ اس کو بھی اپنا معمول بنا کر نصب دے سکتا ہے جیسے ضربتُ زیداً۔

ایسے موقع پر مفعول بہ کے فعل کو حذف کرنا اس لئے واجب ہے کہ حذف نہ کرنے کی صورت میں مفسَّر اور مفسِّر دونوں کا جمع ہونا لازم آئے گا جو کہ فصحاء کے کلام میں ایک بڑا عیب شمار ہوتا ہے۔

(۲) زیداً مررتُ به:

یہ اصل میں (جاوزتُ زیداً مررتُ به) تھا، لہٰذا یہاں پر بھی (جاوزتُ) فعل کو حذف کر کے (مررتُ به) کے ذریعے اس کی تفسیر بیان کی گئی ہے، اور اس نے زید کی طرف لوٹنے والی ضمیر میں عمل کیا ہے، اب اگر اس کے مناسب فعل (جاوزتُ) کو اسی ما اضمر عاملہ یعنی (زیداً) کے شروع میں لگا دیا جائے تو یہ اس کو نصب دے گا جیسے (جاوزتُ زیداً)۔

یہاں براہ راست (مررتُ) کو مسلط نہیں کر سکتے؛ اس لئے کہ (مررتُ) کو یا تو حرف جر کے ساتھ مسلط کرینگے یا بغیر حرف جر کے، اگر حرف جر کے ساتھ مسلط کرینگے تو وہ مفعول بہ کا تقاضا تو کرے گا لیکن اس کو نصب نہیں دے سکے گا کیونکہ وہ تو اسی (باء) حرف جر کی وجہ سے مجرور ہوگا، اور اگر باء کے بغیر مسلط کرینگے تو پھر (مررتُ) فعل لازم ہے جو کہ مفعول بہ کا محتاج نہیں ہے، لہٰذا جب دونوں صورتوں میں اس کو نصب نہیں دے سکتا تو لازمی طور پر اس کا فعلِ مناسب نکالنا پڑے گا تا کہ وہ اس کو نصب دے سکے، اور وہ ہے (جاوزتُ زیداً، أی: مررتُ به)۔

(۳) زیداً ضربتُ غلامَه:

یہ تیسری مثال ہے جس میں بعد والا فعل مفعول بہ کے متعلق یعنی (غلام) میں عمل کر رہا ہے، اس کو اگر ماقبل والے اسم پر داخل کر دیا جائے تو یہ اس کو بھی نصب دے گا مثلاً (ضربتُ زیداً) لیکن فی الحال اس میں عمل اس لئے نہیں کر رہا کہ یہ اس کے متعلق یعنی (غلام) کے ساتھ عمل میں مشغول ہے اور اس کو نصب دے رہا ہے۔

(٤) زیداً خُبستُ علیه:

یہ بھی اس اسم کی مثال ہے جس کے بعد والا فعل اس اسم کی ضمیر میں عمل کر رہا ہو اور بعینہ اسی فعل کو ما قبل والے اسم پر مسلط نہیں کر سکتے اس لئے اس کو یا تو (علی) حرف جر کے ساتھ مسلط کیا جائے گا یا اس کے بغیر، اگر اس کے ساتھ ہی مسلط کیا جائے تو یہ اس کو نصب کے بجائے جر دے گا، اور اگر اس کے بغیر مسلط کیا جائے تو یہ اس کو نائب فاعل ہونے کی وجہ سے رفع دے گا، تو یہاں بھی اس کے مناسب اور ہم معنی فعل (لابستُ) کو اس پر مسلط کر دینگے تو یہ اس کو نصب دے گا جیسے (لابستُ زیداً أی: خُبستُ علیه)۔

تیسری بات: ما أضمر عامله کا اعراب

وینصب بفعلٍ مضمر یفسره ما بعده: اس عبارت میں ما اضمر عاملہ کا اعراب بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہ منصوب ہوگا اور عامل ناصب اس کا وہ تقدیری فعل ہوگا جس کی تفسیر ما بعد والا فعل کر رہا ہو، جیسے پہلی والی مثال میں فعل مقدر (ضربتُ) اور دوسری میں (جاوزتُ) اور تیسری میں (أهنتُ) اور چوتھی میں (لابستُ) ہے۔

درس (٦٣)

ما أضمر عامله کی اعرابی صورتیں

ویُختار الرفع بالابتداء عند عدم قرینةٍ خلافه، أو عند وجود أقوی منها کأما مع غیر الطلب، وإذا للمفاجأة.

ترجمه: اور مختار ہے رفع بوجہ ابتداء کے جب اس کے خلاف کوئی قرینہ نہ ہو، یا جب اس سے کوئی قوی تر قرینہ پایا جائے جیسے (أما) جب جملہ انشائیہ کے ساتھ نہ ہو اور

(إذا) مفاجاتیہ کے بعد ہو۔

تشریح: آج کے درس میں ما اضمر عاملہ کے اعراب کے اعتبار سے پہلا حکم بیان ہوگا: یعنی رفع اولی اور نصب جائز۔

پہلا حکم: رفع اولیٰ اور نصب جائز

کلام عرب میں کل تین مقامات ایسے ہیں جہاں اسم پر رفع پڑھنا اولی اور بہتر ہوتا ہے، لہٰذا مصنفؒ نے ان کو یہاں بیان فرمایا ہیں وہ ملاحظہ ہوں:

رفع اولیٰ کا پہلا مقام

بالابتداء عند عدم قرینة خلافه: پہلا مقام یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ کوئی اسم مبتدا واقع ہو رہا ہو اور ما اضمر عاملہ کے قبیل سے بھی بن رہا ہو اور دونوں قبیل سے ہونے پر باقاعدہ دلائل اور قرائن بھی موجود ہوں لیکن ما اضمر عاملہ والا قرینہ یا تو نسبتاً کمزور ہو یا زیادہ سے زیادہ مرفوع پڑھنے والے قرینے کے مساوی ہو، تو ایسے موقع پر اس کو مرفوع پڑھنا اولیٰ اور بہتر ہوگا، اور یہی مطلب ہے (عند عدم قرينةِ خلافه) کا، تو گویا کہ یہ عبارت اصل میں یوں ہے (عند عدم قرينة راجحةِ خلافه) جیسے (زيدٌ ضربته) اس کو مرفوع کا اور منصوب دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، مرفوع پڑھنے کی صورت میں (زيدٌ) کو مبتداء بنائینگے اور منصوب پڑھنے کی صورت میں اس کو ما اضمر عاملہ کے قبیل سے مان لیں گے، لیکن منصوب پڑھنے میں چونکہ (ضربت) فعل کا حذف لازم آتا ہے اور مرفوع پڑھنے میں کوئی حذف لازم نہیں آتا اس لئے مرفوع پڑھنا اولی اور مختار ہوا۔

رفع اولیٰ کا دوسرا مقام

او عند وجود أقوى منها: فرمار ہے ہیں کہ دوسرا مقام رفع کے مختار پڑھنے کا یہ ہے کہ کسی جملے میں اس اسم کے مرفوع اور منصوب پڑھنے کے قرائن بھی پائے جاتے ہوں

اور دونوں میں سے ہر ایک کے قرینے کے لئے وجہ ترجیح بھی حاصل ہو لیکن دونوں میں سے رفع کی ترجیح اُقوی اور زیادہ راجح ہو تو ایسے موقع پر بھی اس کو مرفوع پڑھنا مختار ہوگا۔

(کأما مع غیر الطلب وإذا للمفاجأة) اس عبارت میں اس قاعدے کے لئے دو صورتیں بیان فرمارہے ہیں:

(۱) ایک یہ کہ کوئی ایسا اسم ہو جس کے شروع میں (أما) ہو اور اس کے بعد جملہ خبریہ ہو انشائیہ نہ ہو تو ایسے اسم کو مرفوع پڑھا جائے گا جیسے (لقیتُ القومَ وأما زیدٌ فأکرمته)، ملاحظہ فرمائیں یہاں (زیدٌ، أما) کے بعد آیا ہے اس کو منصوب اور مرفوع دونوں طریقوں سے پڑھا جاسکتا ہے اور ہر ایک کے لئے قرینہ مصححہ اور مرجحہ دونوں موجود ہیں:

قرینہ مصححہ: مثلاً منصوب پڑھنے کا قرینہ مصححہ یہ ہے کہ اس کو ما اضمر عاملہ کے قبیل سے مان کر بعد والے فعل کو اس کے لئے تفسیر بنادی جائے۔

قرینہ مرجحہ: اور قرینہ مرجحہ یہ ہے کہ منصوب پڑھنے کے صورت میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مناسبت پیدا ہو جائیگی، وہ اس طرح کہ یہ دونوں جملہ فعلیہ بن جائینگے اور (أکرمتُ) فعل کا عطف (لقیت) فعل پر اور (زیداً) اسم کا عطف (القوم) اسم پر ہو جائے گا اور تقدیری عبارت یوں ہوگی (لقیت القومَ وأما أکرمتُ زیداً فأکرمته)، تو جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر اور جملہ اسمیہ کا جملہ اسمیہ پر آجائے گا۔

اور مرفوع پڑھنے کے لئے بھی دونوں قسم کے قرینے موجود ہیں:

قرینہ مصححہ: مثلاً قرینہ مصححہ یہ ہے کہ (زیدٌ) اسم علم ابتداء میں واقع ہوا ہے اور اس سے پہلے کوئی عامل لفظی موجود نہیں ہے، لہٰذا اس کو مبتدا بنا کر مرفوع پڑھا جائے۔

قرینہ مرجحہ: اور قرینہ مرجحہ یہ ہے کہ (أما) کے بعد اکثر و بیشتر مبتدا آتا ہے اور وہ چونکہ مرفوع ہوتا ہے اس لئے یہ بھی مرفوع ہوگا۔

اب ہم نے دونوں قسم کے قرائن میں موازنہ کیا تو مرفوع پڑھنے کا قرینہ اُقوی اور بہتر معلوم ہوا، اس لئے کہ منصوب پڑھنے کی صورت میں صرف معطوف اور معطوف علیہ کے درمیاں مطابقت مطلوبہ حاصل ہو جائیگی، جبکہ اس کے مقابلے میں اس کا برعکس بھی جائز ہے کیونکہ کلام عرب میں اس کی کافی مثالیں اور نمونے مل جاتے ہیں، اور اس صورت میں فعل کو بھی محذوف ماننا پڑ رہا ہے جبکہ عدم حذف حذف سے اولی اور بہتر ہے۔

لیکن مرفوع پڑھنے کی صورت میں دو چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں: ایک یہ کہ (امـــــا) کے بعد کبھی فعل نہیں آتا بلکہ اسم ہی آتا ہے جیسا کہ موجودہ صورت میں ہے، اور دوسری یہ کہ اس صورت میں کسی چیز کا حذف کرنا لازم نہیں آتا بلکہ جملے میں اس کے کل اجزاء موجود ہوتے ہیں، تو رفع کے قرائن اقوی ہو گئے اس لئے اس کا مرفوع پڑھنا ہی مختار اور پسندیدہ ہو گیا جیسے (لقیت القومَ واما زیدٌ فاکرمته)۔

رفع اولی کا تیسرا مقام

واذا لـلـمفاجاۃ: یہاں سے صاحب کتاب رفع مختار کی تیسری صورت کو بیان فرمارہے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ کوئی اسم (اِذا) مفاجاتیہ کے بعد واقع ہو تو بھی اس کو منصوب اور مرفوع دونوں طرح پڑھنا جائز تو ہوتا ہے اور دونوں کے اپنے اپنے قرائن بھی موجود ہوتے ہیں لیکن ایسی صورت میں بھی رفع کے قرائن اقوی ہونے کی وجہ سے اس کا مرفوع پڑھنا مختار اور اولی ہوگا جیسے (خرجتُ فإذا زیدٌ یضربه عمروٌ)۔

دیکھیں یہاں (زیدٌ) کے منصوب پڑھنے کا قرینہ مصححہ یہ ہے کہ یہاں (زیدٌ) کو ما اضمر عاملہ کے قبیل سے مان کر بعد والے (یـضـربـه) فعل کو اس کے لئے تفسیر بنادی جائے۔

اور قرینہ مرجحہ یہ ہے کہ اس صورت میں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مطابقت مطلوبہ حاصل ہو جائیگی، یعنی جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر اور جملہ اسمیہ کا جملہ

اسمیہ پر آجائے گا۔

اور رفع کے لئے قرینہ مصححہ یہ ہے کہ (زیدٌ) عوامل لفظیہ سے خالی ہے اور دوسرا یہ کہ اس پر (إذا) مفاجاتیہ داخل ہے، تو ان دونوں وجہوں سے اس کو مرفوع پڑھا جا سکتا ہے۔

اور قرینہ مرجحہ یہ ہے کہ (إذا) مفاجاتیہ اسم پر ہی داخل ہوتا ہے فعل پر کبھی داخل نہیں ہوتا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ نصب کی صورت میں فعل کا حذف کرنا لازم آتا ہے، جبکہ مرفوع پڑھنے کی صورت میں کوئی حذف لازم نہیں آتا، لہٰذا مرفوع پڑھنے کے قرائن اُقوی ہو گئے اس لئے اس کو مرفوع ہی پڑھنا اولی اور مختار ہوگا۔

درس (۶۴)

ما أضمر عامله کی اعرابی صورتیں

ويُختار النَّصب بالعطف على جملةٍ فعليةٍ للتناسب، وبعد حرف النفي والاستفهام، وإذا الشَّرطية وحيث، وفي الأمر والنهي؛ إذ هي مواقع الفعل، وعند خوف لبس المفسَّر بالصِّفة، مثل: ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾، ويستوي الأمران في مثل: زيدٌ قامَ وعمرواً أكرمته.

ترجمہ: اور مختار ہے نصب بوجہ عطف بر جملہ فعلیہ کے تناسب پیدا کرنے کے لئے، اور حرف نفی اور استفہام اور (إذا) شرطیہ اور (حیث) کے بعد اور اَمر اور نہی میں؛ اس لئے کہ یہ فعل کے مقامات ہیں، اور جب مفسَّر کا صفت کے ساتھ التباس کا خوف ہو جیسے ﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾ اور (زیدٌ قامَ وعمرواً أکرمته) جیسی ترکیب میں دونوں امر جائز ہے۔

تشریح: آج کے درس میں ما اضمر عاملہ کے اعراب کے اعتبار سے دوسرا اور تیسرا حکم بیان ہوگا:

دوسرا حکم: نصب اولیٰ اور رفع جائز

ويختار النصب بالعطف على جملة فعلية: صاحب کافیہؒ جب ما اضمر عاملہ کا اعراب کے اعتبار سے حکم اول (یعنی رفع مختار) کی صورتوں کا ذکر فرما چکے تو اس کا دوسرا حکم (یعنی نصب مختار کی آٹھ صورتیں) بیان فرما رہے ہیں:

پہلی صورت

ويختار النصب بالعطف على جملة فعلية: پہلی صورت یہ ہے کہ جس جملے میں ما اضمر عاملہ والا اسم واقع ہو اور اس کا عطف ماقبل میں جملہ فعلیہ پر پڑ رہا ہو تو ایسی صورت میں اس پر نصب کا پڑھنا مختار اور اولی ہوگا تاکہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مناسبت پیدا ہو جائے یعنی جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر آجائے گا جیسے (ضربتُ زيداً وعمرواً اكرمته)۔

غور فرمائیں یہاں قرینہ مصححہ للرفع بھی موجود ہے وہ اس طرح کہ (عمرو) کو مبتدا بنا کر (اکرمتہ) کو اس کی خبر بنا دی جائے۔

اور قرینہ مرجحہ بھی موجود ہے کہ اس صورت میں سلامت عن الحذف لازم آتا ہے۔

اسی طرح نصب کے لئے بھی قرینہ مصححہ پایا جاتا ہے کہ فعل محذوف کے لئے یہ مفعول بن جائے، اور قرینہ مرجحہ بھی پایا جاتا ہے کہ اس صورت میں جملہ فعلیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر آئے گا، لیکن یہ قرینہ مرجحہ للرفع والے قرینے سے افضل اور بہتر اس لئے ہے کہ اس صورت میں دونوں جملوں کے درمیان مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور یہاں مقصود بھی یہی ہوتی ہے، اسی لئے تو فرمایا (على جملةٍ فعليةٍ للتناسب)۔

بالفاظ دیگر یہ بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ عرب کے ہاں حذف کا عمل تو کثرت سے پایا جاتا ہے لیکن اس کے مقابلے میں معطوف اور معطوف علیہ کا فعلیت اور اسمیت میں تخالف کا عمل بہت ہی کم پایا جاتا ہے، یہاں تک کے امام رازیؒ نے تو تخالف کے عمل کو قبیح بتایا ہیں، اور یہ بات واضح ہے کہ سلامت عن القبیح سلامت عن الحذف سے بہتر اور اولی ہے، اس لئے اس صورت میں نصب اولی اور بہتر ہوا۔

دوسری تیسری اور چوتھی صورت

وبعد حرف النفي والاستفهام وإذا الشرطية: دوسری تیسری اور چوتھی صورتیں یہ بیان فرمارہے ہیں کہ ما اضمر عاملہ حرف نفی یا حرف استفہام یا (إذا) شرطیہ کے بعد واقع ہو تو بھی رفع اور نصب دونوں جائز ہونگے لیکن دونوں میں سے نصب اولی اور مختار ہوگا؛ اس لئے کہ ان تینوں میں سے ہر ایک فعل پر ہی داخل ہوتا ہے، لیکن یہاں جب ہم نے دیکھا تو یہ تینوں اسم پر داخل ہو گئے تھے، تو لازمی طور پر اس بات کا پتہ چلا کہ یہاں کوئی فعل محذوف ہوگا اور اسی کی وجہ سے مذکورہ اسم بنا بر مفعولیت کے منصوب ہوگا جیسے (ما زیداً ضربته) یہ اصل میں (ما ضربتُ زیداً) تھا، (ضربتُ) فعل کو حذف کر کے اس کی تفسیر بعد میں ذکر کی گئی ہے، اسی طرح (أزیداً ضربته) اصل میں (أضربتَ زیداً ضربته) تھا، اور (إذا زیداً ضربته أضربک) اس کی اصل عبارت (إذا ضربتَ زیداً أضربک) تھی۔

پانچویں صورت

ما اضمر عاملہ اگر (حیث) کے بعد واقع ہو تو بھی نصب مختار ہوگا؛ کیونکہ (حیث) شرط کے معنی کو متضمن ہے، اور حرف شرط فعل پر داخل ہوا کرتا ہے، جیسے (حیث زیداً تجده أکرمه) یہ اصل میں (حیث تجد زیداً أکرمه) تھا۔

چھٹی اور ساتویں صورت

وفي الأمر والنهي: چھٹی اور ساتویں صورت یہ ہے کہ ما اضمر عاملہ کے بعد امر یا نہی کا کوئی صیغہ واقع ہو تو بھی اس پر نصب پڑھنا اولی اور مختار ہوگا؛ اس لئے کہ اگر اس کو منصوب پڑھنے کے بجائے مرفوع پڑھا جائے تو لازمی طور پر مبتدا ہونے کی وجہ سے اس کو مرفوع کہا جائے گا اور یہ صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ مبتدا اپنے لئے خبر چاہے گا جبکہ ہمارے پاس صیغہ امر اور نہی کے علاوہ دیگر کوئی کلمہ ہے نہیں تا کہ اسے خبر بنادی جائے اور یہ دونوں جملہ انشائیہ ہونے کی وجہ سے خبر بن نہیں سکتے لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ اس کو مبتداء نہیں بنایا جاسکتا بلکہ اس کو ما اضمر عاملہ بنا کر منصوب ہی پڑھا جائے گا جیسے (زیداً اضربه وعمرواً لا تضربه) یہ اصل میں (اضرب زیداً ولا تضرب عمرواً) تھا۔

صورت نمبر ۲ سے لے کر صورت نمبر ۷ تک سب کے بارے میں صاحب کتابؒ فرما رہے ہیں کہ ان چھ صورتوں میں نصب مختار اس لئے ہے کہ (إذ هي مواقع الفعل) یعنی ان ساری صورتوں میں ما اضمر عاملہ سے پہلے فعل ہی آتا ہے اور اسی فعل (عامل ناصب) کی وجہ سے ما اضمر عاملہ والا اسم منصوب ہوتا ہے۔

چھٹی اور ساتویں صورت پر اشکال واقع ہوسکتا ہے کہ ان کو منصوب پڑھنے کی آپ نے جو وجہ بتائی ہیں اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کا منصوب پڑھنا صرف اولی اور مختار ہی نہیں بلکہ واجب ہے؛ کیونکہ اس کو مبتدا تو بنا نہیں سکتے؛ اس لئے کہ وہ اپنے لئے خبر کا تقاضا کرے گا حالانکہ امر اور نہی اس کے لئے خبر نہیں بن سکتے، لہٰذا جب اس کے مرفوع پڑھنے کی ایک ہی صورت تھی اور وہ بھی محال ہے تو لازمی طور پر اس کا منصوب پڑھنا ہی واجب ہوگیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک آپ کی بات صحیح ہے لیکن بات یہ ہے کہ امر اور نہی کا بلا واسطہ خبر بننا تو صحیح نہیں ہے لیکن اس میں تاویل کر کے پھر ان کو خبر بنانے میں کوئی حرج

نہیں ہے، مثلاً اگر (زیداً اضربه) کو (زیدٌ مقولٌ فی حقه اضرب) کی تاویل میں اور (عمرواً لا تضربه) کو (عمروٌ مقولٌ فی حقه لاتضرب) کی تاویل میں لے جائیں تو ان کو خبر اور ما اضمر عاملہ کو مبتدا بنا کر مرفوع پڑھنا جائز ہے۔

مرفوع پڑھنے کے لئے قرینہ مصححہ (یعنی تاویل کرنا) اگرچہ موجود ہے لیکن منصوب پڑھنے کی صورت میں تاویل کی ضرورت بھی نہیں پڑتی اس لئے ہم نے کہا کہ ان کو منصوب پڑھنا اولی اور مختار ہے۔

آٹھویں صورت

وعند خوف لبس المفسر بالصفة: آٹھواں مقام جہاں نصب مختار ہے وہ یہ ہے کہ مرفوع پڑھنے کی صورت میں کسی جگہ مفسَّر کا صفت کے ساتھ التباس لازم آ رہا ہو تو بھی التباس سے بچنے کے لئے اسے منصوب پڑھنا اولی اور مختار ہوگا جیسے ﴿إِنَّا كُلَّ شَىْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ﴾، دیکھئے ﴿كُلَّ شَىْءٍ﴾ کی ترکیب میں تین احتمالات ہیں:

(۱) (إن) مخففہ من المثقلہ حرف از حروف مشبہ بالفعل (نا) ضمیر منصوب متصل اس کا اسم، (کل) مضاف (شیء) مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مفعول بہ ہوا (خلقنا) فعل محذوف کے لئے، ﴿خلقنا﴾ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر (إنَّ) کی خبر، (إنَّ) اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

اس کے بعد مذکورہ ﴿خلقنا﴾ میں (خلق) فعل، (نا) ضمیر مرفوع متصل اس کا فاعل، (ھا) ضمیر اس کے لئے مفعول بہ جو راجع ہے ﴿کل شیء﴾ کی طرف، ﴿بقدر﴾ میں (باء) حرف جار اور (قدرٍ) مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق ہوا ﴿خلقنا﴾ فعل کے ساتھ، ﴿خلقنا﴾ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ مفسّرہ ہوا۔

(۲) ﴿كُلُّ شَىْءٍ﴾ مرفوع پڑھا جائے تو دو ترکیبیں بن سکتی ہیں:

ایک یہ کہ ﴿كُلُّ شَيْءٍ﴾ کو مبتداء بنایا جائے اور ﴿خلقناه بقدر﴾ پورے جملے کو اس کے لئے خبر، پھر مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر (إنَّ) کے لئے خبر، (إنَّ) اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو جائے گا۔

(۳) مرفوع پڑھنے کی صورت میں دوسری ترکیب یہ ہوسکتی ہے کہ ﴿کل﴾ مضاف، ﴿شیء﴾ موصوف، اور ﴿خلقناه﴾ جملہ فعلیہ اس کی صفت، موصوف اپنی صفت سے مل کر مضاف الیہ، مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتداء، اور ﴿بقدر﴾ جار مجرور اپنے متعلق سے مل کر مبتداء کے لئے خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر (إنَّ) کے لئے خبر، (إنَّ) اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو جائے گا۔

اب آیت مبارکہ کے معنی کی طرف دیکھئے: اس کا صاف اور بے غبار قسم کا معنی تو یہ بنتا ہے کہ یقیناً میں نے ہر چیز کو اپنے اندازے سے پیدا کیا ہے۔

غور کیا جائے تو اس میں دو باتیں بیان ہوئیں ہیں: ایک یہ کہ ہر چیز کے خالق اللہ تعالی ہے، اور دوسری یہ کہ تمام چیزیں اللہ تعالی نے اپنے اندازے سے پیدا فرمائی ہیں۔

اب اگر ﴿کل شیء﴾ کو منصوب پڑھا جائے جیسا کہ پہلی ترکیب میں بتایا گیا ہے تو معنی بھی صحیح بنتا ہے اور اس میں بیان کی گئیں دونوں باتیں بھی حاصل ہو رہی ہیں، اور اگر مرفوع پڑھا جائے اور بعد والے پورے جملے کو خبر بنا دیا جائے (جیسا کہ دوسری ترکیب میں بتایا گیا ہے) تو بھی معنی صحیح بنے گا (اس صورت میں معنی یہ بنے گا: یقیناً جو بھی کوئی چیز ہے اسے ہم نے اپنے اندازے سے بنائی ہے) اور اس میں بیان کی گئی دونوں باتیں بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔

لیکن مرفوع پڑھنے کی صورت میں اگر ﴿خلقناه﴾ کو صفت اور اس کے بعد صرف ﴿بقدر﴾ خبر بنا دی جائے تو پھر نہ تو معنی صحیح بنے گا اور نہ اس میں بیان کی گئیں دونوں باتیں حاصل ہوسکتی ہیں، اس صورت میں معنی یہ بنے گا: کہ یقیناً ہر ایسی چیز جو ہم نے بنائی ہے وہ اپنے اندازے سے بنائی ہے۔

اس سے اگر چہ یہ تو معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالی کی ہر بنائی ہوئی چیز اندازے سے ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہو رہا کہ ہر چیز اللہ تعالی نے بنائی ہے، لہٰذا یہ تو ایسا ہے جیسا معتزلہ سے ہم یوں کہہ رہے ہوں کہ تمہارا جو غلط عقیدہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالی نے نہیں بنائی بلکہ بعض چیزوں کے خالق خود انسان بھی ہے، اس پر دلیل ہماری طرف سے لو اور اسے ہمارے اور ہمارے مسلمان بھائیوں کے خلاف خوب استعمال کرتے رہو (نعوذ باللہ من ذلک)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ نصب پڑھنے کی صورت میں کوئی اشکال اور کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا بلکہ بات بالکل صاف سامنے آجاتی ہے، البتہ اگر مرفوع پڑھیں گے تو اس میں بھی اگر چہ ایک ترکیب صحیح تو ہے لیکن دوسری ترکیب جس کا معنی بالکل غلط بنتا ہے اُس کے ساتھ اِس کا التباس لازم آئے گا اور یہی مطلب ہے صاحب کتابؒ کے قول (وعند خوف لبس المفسّر بالصفة) کا، یعنی جس وقت مفسَّر کا صفت کے ساتھ التباس کا خوف ہو جیسا کہ دوسری ترکیب میں (خلقناه) جملہ تفسیر یہ ہے ماقبل ﴿خلقنا﴾ فعل کے لئے، اور تیسری ترکیب میں یہی ﴿خلقناه﴾ صفت بن رہی ہے (شیءٌ) محذوف کے لئے، تو عین ممکن ہے کہ قاری یا سامع پر یہ ترکیبیں ملتبس ہو جائیں گی اس لئے فرمایا کہ اس پر نصب پڑھنا مختار اور پسندیدہ ہے تاکہ التباس کا کوئی خطرہ ہی نہ رہے۔

تیسرا حکم: رفع اور نصب دونوں مساوی

ویستوی الأمران: یہاں سے ما اضمر عاملہ کا تیسرا حکم بیان فرمارہے ہیں کہ (زیدٌ قام اور عمروا اکرمته) جیسی ترکیب میں رفع اور نصب دونوں مختار ہونے میں برابر ہیں، یعنی متکلم کو اختیار ہے جس کو چاہے اسے اختیار کرے۔

اورفی مثل زید قام... إلخ: سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جہاں ما اضمر عاملہ کا عطف ایسے جملے پر ہو جس میں مبتداء کی خبر جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو۔

جملہ معترضہ کے طور پر یہ بات جان لو کہ جملے کی دو قسمیں ہیں: جملہ کبری اور جملہ

صغری۔

جملہ کبری کا مطلب یہ ہے کہ کسی جگہ پورے جملے کا عطف پورے جملے پر ہو۔

جملہ صغری کا مطلب یہ ہے کہ کسی جملے کا عطف دوسرے جملے کے ایک جزء پر ہو، تو مذکورہ عبارت میں (عمرو) کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھنا جائز ہے مرفوع پڑھنے کی صورت میں مابعد والے پورے جملے کا عطف ماقبل والے پورے جملے یعنی جملہ کبری پر ہوگا جیسے (زیدٌ قام وعمروٌ اکرمته) اس میں (زیدٌ) مبتدا اور (قام) اس کی خبر ہوگی، اور (عمروٌ) مبتداء اور (اکرمته) اس کی خبر ہوگی۔

اور منصوب پڑھنے کی صورت میں مابعد والے جملے کا عطف ماقبل والے جملہ صغری پر ہوگا جس کی محذوف عبارت اس طرح ہوگی: (زیدٌ قام واکرمتُ عمروا اکرمته)، اس میں (زیدٌ) مبتداء (قام) معطوف علیہ، اور (اکرمت عمروا اکرمته) معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مبتداء کے لئے خبر، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوجائے گا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

درس (٦٥)

ما أضمر عامله کی چوتھی صورت اور چند مستثنیات

ويجب النصب بعد حرف الشرط وحرف التحضيض، مثل: إن زيداً ضربته ضربك، وألا زيداً ضربته، وليس (أزيدٌ ذهب به منه، فالرفع، وكذلك ﴿وكل شيء فعلوه في الزبر﴾، ونحو: ﴿الزانية والزاني فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾، الفاء بمعنى الشرط عند المبرد، وجملتان عند سيبويه، وإلا فالمختار النصب.

ترجمہ: اور واجب ہے نصب ایسے اسم پر جب کہ وہ حرف شرط یا حرف تحضیض کے بعد ہو جیسے (إن زیداً ضربته ضربک اور ألا زیداً ضربته)، اور نہیں ہے (أزیدٌ ذُهب به) جیسی ترکیب اس باب سے، پس اس پر رفع واجب ہے، اور اسی طرح ﴿وکل شیء فعلوه فی الزبر﴾ بھی ما اضمر عاملہ کے باب سے نہیں ہے، اور ﴿الزانیة والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة﴾ جیسی ترکیب میں (فاء) شرط کے معنی میں ہے، امام مبرد کے ہاں، اور یہی آیت دو مستقل جملے ہیں امام سیبویہ کے ہاں ورنہ مختار نصب ہی ہوتا ہے۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں، پہلی مختصر سی ہے لیکن دوسری کافی تفصیلی ہے:

(۱) ما اضمر عاملہ کے اعراب کی چوتھی قسم۔

(۲) ما اضمر عاملہ سے چند صورتوں کی استثناء۔

پہلی بات: ما اضمر عامله کے اعراب کی چوتھی قسم

ویجب النصب بعد حرف الشرط وحرف التحضیض: اس عبارت میں ما اضمر عاملہ کے اعراب کی چوتھی قسم کو بیان فرما رہے ہیں وہ اس طرح کہ دو موقعوں پر ما اضمر عاملہ کو منصوب پڑھنا واجب ہے:

(۱) پہلا یہ کہ ما اضمر عاملہ حرف شرط کے بعد واقع ہو جیسے (إنْ زیداً ضربته ضربکَ) یعنی اگر تو نے زید کو مارا تو وہ بھی تجھے مارے گا۔

(۲) دوسرا یہ کہ ما اضمر عاملہ حرف تحضیض کے بعد واقع ہو جیسے (ألاَّ زیداً ضربته) یعنی تو نے زید کو کیوں نہیں مارا؟۔

فائدہ: حرف تحضیض کے متعلق ہم نے یہ قاعدہ پڑھا ہے کہ اگر یہ ماضی کے صیغے پر داخل ہو تو یہ ندامت پر دلالت کرتا ہے، جیسے مثال مذکورہ میں ہے، اور اگر مضارع پر

داخل ہو تو کسی کام پر برانگیختہ کرنے پر دلالت کرتا ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے: ﴿ومالكم ألا تقاتلوا فی سبيل الله﴾ یعنی کیا ہو گیا تمہیں اے مومنو! کہ قتال فی سبیل اللہ نہیں کرتے۔

ان دونوں موقعوں پر ما اضمر عاملہ کو منصوب پڑھنا اس لئے واجب ہے کہ قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ حرف شرط جو محض برائے شرط ہو اس کے بعد اور حرف تحضیض کے بعد فعل ہی آیا کرتا ہے اسم کبھی نہیں آتا، لہٰذا جہاں کہیں ان دونوں کے بعد اسم نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس اسم سے پہلے ضرور کوئی فعل حذف ہو چکا ہوگا جیسے صاحب کتابؒ نے اس کے لئے مثال دی ہیں (إن زيداً ضربته ضربکَ) اس میں محذوف عبارت نکال کر پوری عبارت یوں بن جائیگی: (إن ضربت زيداً ضربته ضربکَ)، اور دوسری مثال یہ دی ہیں: (ألا زيداً ضربته) یہ بھی اصل میں (ألا ضربت زيداً ضربته) تھا۔

لہٰذا ان دونوں موقعوں پر یہ بات بالکل طے شدہ ہے کہ یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے ہونگے، مبتدا اور خبر نہیں بن سکتے لہٰذا ان کو منصوب پڑھنا ہی واجب ہوگا۔

دوسری بات ما أضمر عامله سے چند صورتوں کی استثناء

پہلی صورت

وليس ازيدٌ ذُهبَ به منه: صاحب کتابؒ اس عبارت کے ذریعے ایک صورت کی استثناء اور ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں، اشکال یہ ہے کہ پچھلے درس میں تو یہ بات گذر گئی تھی کہ حرف نفی اور استفہام کے بعد اگر ما اضمر عاملہ آجائے تو اس کو مرفوع پڑھنا جائز تو ہے لیکن مرفوع پڑھنے کے بجائے اس کو منصوب پڑھنا اولی اور مختار ہے، لیکن یہاں جب استفہام کے بعد آیا تو آپ نے فرمایا کہ (فالرفع لازمٌ) یعنی اس صورت میں اس کو مرفوع پڑھنا ہی لازمی ہے اور منصوب بالکل نہیں پڑھا جائے گا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے؛ اس لئے کہ ما اضمر عاملہ کی تعریف میں ہم نے پڑھا تھا کہ (لو سلط علیہ ھو او مناسبہ لنصبہ) جبکہ یہاں پر ہم ایسا نہیں کر سکتے؛ کیونکہ پہلی بات تو اس میں یہ ہے کہ (ذُھب) فعل مجہول کو ہم (زیدٌ) پر داخل نہیں کر سکتے؛ اس لئے کہ وہ فعل لازم ہے، اور قاعدہ ہے کہ فعل لازم کا فعل مجہول نہیں آتا، اور فعل مجہول نہ آنے کی وجہ سے اس کا نائب فاعل بھی نہیں آسکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ہم (ذُھب) کو (زیدٌ) پر داخل کر کے اس کا عامل بنا بھی دیں تب بھی وہ (زیدٌ) کو نصب نہیں دے گا بلکہ نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اس کو رفع دے گا۔

یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ چلو ہم نے یہ مان لیا کہ فعل لازم کا مجہول اور نائب فاعل نہیں آتا تو اس کا ایک حل بھی تو ہے کہ اس کے معمول پر (باء) حرف جر داخل کیا جائے تو اس کے ذریعے فعل لازم فعل متعدی بن جائے گا (کما قرأناہ فی شرح مائۃ عامل)۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں (باء) کے ذریعے فعل لازم متعدی تو بن جائے گا لیکن وہ پھر بھی اپنے مفعول بہ کو نصب نہیں دے سکے گا؛ کیونکہ اس کے مفعول پر پہلے سے (باء) داخل ہے، اگر اس (باء) کو حذف کرتے ہیں تو فعل متعدی دوبارہ لازم بنتا ہے اور اگر باقی رہنے دیتے ہیں تو (باء) اس کو جر دیتی ہے۔

خلاصہ یہ نکل آیا کہ تینوں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں اس پر نصب نہیں آسکتا، لہٰذا اس کا مرفوع پڑھنا ہی واجب قرار پایا۔

دوسری صورت

دوسری صورت بیان فرما رہے ہیں کہ ﴿وکل شیء فعلوہ فی الزبر﴾ میں

﴿کلُّ﴾ بظاہر تو ما اضمر عاملہ لگ رہا ہے؛ اس لئے کہ اس کے بعد ایک فعل ہے جو ماقبل والے اسم کی طرف لوٹنے والی ضمیر کو عمل دے رہا ہے، اس سے یہ وہم پیدا ہو سکتا تھا کہ اگر اس فعل کو ﴿کل شیء﴾ پر داخل کیا جائے تو یہ اس کو بھی نصب دیدے گا، لیکن صاحب کتاب نے فرمایا کہ یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے، اس لئے اس کو مرفوع پڑھنا ہی واجب ہے۔

صاحب کتابؒ کے پاس اپنے اس دعوی پر (کہ یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے) دلیل یہ ہے کہ اگر ہم اس کو ما اضمر عاملہ کے قبیل سے مان لیں تو عبارت یوں بن جائیگی (وفعلوا کل شیء فعلوہ فی الزبر)، اس صورت میں ﴿کل شیء﴾ مضاف مضاف الیہ مل کر ﴿فعلوا﴾ کے لئے مفعول بہ بن جائے گا، اور ﴿فی الزبر﴾ جار مجرور کو اسی ﴿فعلوا﴾ کا متعلق بنائیںگے تو معنی کی خرابی لازم آئیگی؛ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ بنے گا: (کہ بندوں نے ہر چیز نامہ اعمال میں کیا ہے)، حالانکہ دار العمل اور محل عمل دنیا ہے نہ کہ نامہ اعمال۔

اور اگر ﴿فی الزبر﴾ کو ﴿شیء﴾ کے لئے صفت بنائیںگے تو معنی کی خرابی تو لازم نہیں آئیگی لیکن جو معنی مقصود ہے وہ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کے خلاف لازم آئے گا؛ کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ (جو بھی چیز صحیفوں میں ہے وہ بندوں نے کیا ہے)، تو یہ معنی اگر چہ صحیح ہے، مثلا صحیفوں میں واقعی صرف وہی چیزیں ہیں جو بندوں نے کئے ہیں، لیکن مقصد یہاں پر یہ ہے کہ (وکل شیء مفعولٌ لهم ثابتٌ فی الزبر) یعنی جو کام بھی بندے کرتے ہیں وہ نامہ اعمال میں لکھے جا رہے ہیں اور یہ مقصد ما اضمر عاملہ کی صورت میں حاصل نہیں ہو سکتا، لہذا اس کو مبتداء ہی بنایا جائے گا، اور مبتدا چونکہ مرفوع ہوتا ہے اس لئے ﴿کلُّ شیء﴾ کو بھی مرفوع پڑھنا ہی لازم اور واجب ہو گیا۔

تیسری صورت

ونحو ﴿الزانیه والزانی إلخ﴾ سے صاحب کتاب استثناء کی تیسری

صورت بیان فرمار ہے ہیں جو کہ بظاہر تو ما اضمر عاملہ کے قبیل سے ہو لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہو بلکہ مبتدا اور خبر واقع ہو رہے ہو، تو فرمایا کہ ﴿الزانیہ والزانی إلخ﴾ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس پر ما اضمر عاملہ کی تعریف صادق نہیں آتی؛ کیونکہ ہم نے ما اضمر عاملہ کی تعریف میں پڑھا تھا کہ (هو كل اسم بعده فعل أو شبهه مشتغل عنه بضميره أو متعلقه)، جبکہ یہاں پر ﴿فاجلدوا﴾ فعل امر نہ تو ﴿الزانية والزانی﴾ کی ضمیر میں عمل کر رہا ہے اور نہ اس کے متعلق میں، تو یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہوا۔

اب رہی یہ بات کہ اس کو مرفوع کیوں پڑھ رہے ہیں، تو اس میں امام مبردؒ اور امام سیبویہ صاحبؒ کا اختلاف ہے:

امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ اس کو مرفوع اس لئے پڑھ رہے ہیں کہ ﴿فاجلدوا﴾ فعل امر اس میں عمل نہیں کر سکتا؛ اس لئے کہ ﴿الزانية والزانی﴾ دونوں اسم فاعل کے صیغے ہیں، اور ان کے شروع میں (الف لام) بمعنی (الــذی) کے ہیں، اور ﴿زانیة اور زانی﴾ اس کے لئے صلہ ہیں لہٰذا معنی یوں بن جائے گا: (وہ عورت جو بدکاری کرے اور وہ مرد جو بدکاری کرے تو ان کی سزا یہ ہے کہ مارو ان میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے، تو جلدوا﴾ میں (فاء) جزائیہ ہے اور قاعدہ ہے کہ (فاء) جزائیہ اپنے مدخول کو اپنے ماقبل میں ل کرنے سے روکتی ہے، لہٰذا جب ﴿الزانية والزانی﴾ میں ﴿فاجلدوا﴾ عمل کر نہیں سکتا، اور اس کے علاوہ کوئی اور عامل ناصب بھی نہیں جو اس کو نصب دے سکے، اس لئے اس کا مرفوع پڑھنا لازم اور واجب ہو گیا۔

اور امام سیبویہ بھی اس کو مرفوع ہی پڑھتے ہیں لیکن مرفوع پڑھنے کی وجہ وہ وہی نہیں بتا رہے جو امام مبردؒ کے حوالے سے گذر گئی، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ ﴿الــــزانية والزانی﴾ ایک الگ جملہ ہے اور ﴿فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾ ایک الگ جملہ ہے، اور قاعدہ ہے کہ جس طرح ایک امام کا مقتدی دوسری جماعت کے امام

صاحب کو لقمہ نہیں دے سکتا تو اسی طرح ایک جملے کا جزء بھی کسی دوسرے جملے میں یا اس کے کسی جزء میں عمل نہیں کرسکتا۔

لہٰذا ﴿الزانية والزانى﴾ الگ جملہ ہے، جس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی: ﴿حكم الزانية والزانى فيما يُتلى عليكم﴾ اس میں ﴿حكم الزانية﴾ مضاف مضاف الیہ مل کر معطوف علیہ، واؤ حرف عطف اور ﴿الزانى﴾ معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا۔

اور ﴿فاجلدوا﴾ صیغہ امر ایک الگ جملہ ہے، جس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی: ﴿إن ثبت زناهما فاجلدوا كل واحد منهما مائة جلدة﴾، لہٰذا یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے نہیں ہے بلکہ دونوں الگ الگ جملے ہیں تو اس کو بھی مرفوع پڑھنا متعین ہوگیا۔

امام مبردؒ نے جو وجہ بیان فرمائی تھی وہ کچھ کمزور سی لگ رہی ہے؛ اس لئے کہ (فاء) کا مدخول کبھی کبھار اپنے ماقبل میں بھی عمل کر لیتا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وربَّک فكبر، وثيابَک فطهر، والرجزَ فاهجر﴾، دیکھیں یہاں تینوں جگہوں پر ہر فعل نے جس پر (فاء) داخل ہے اس کے باوجود بھی اپنے ماقبل والے اسم میں عمل کیا ہیں۔

یہاں اشکال واقع ہوسکتا ہے کہ جب (فاء) کا مدخول اپنے ماقبل میں عمل کرسکتا ہے تو پھر یہاں یعنی ﴿فاجلدوا﴾ نے کیوں نہیں کیا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کے بیشک یہاں بھی کرسکتا ہے لیکن قراء سبعہؒ میں سے کسی سے بھی اس کا منصوب پڑھنا مروی نہیں ہے، بلکہ مرفوع پڑھنے پر سب کا اتفاق ہے، اس لئے اس کو منصوب نہیں پڑھا جاسکتا، ورنہ فی نفسہ اس کے منصوب پڑھنے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔

وإلا فالمختار النصب: فرماتے ہیں کہ اگر امام مبردؒ اور امام سیبویہؒ میں سے

کسی کی رائے کو بھی قبول نہ کیا جائے اور قراء سبعہ کے اتفاق کو بھی تسلیم نہ کیا جائے تو پھر اس کو بر سبیل ما اضمر عاملہ منصوب پڑھنا ہی مختار ہوگا، لیکن یہ ہو نہیں سکتا کہ قراء سبعہ سارے کے سارے اور ائمہ نحو بھی سارے کے سارے کسی غلط بات پر متفق ہو جائے؛ کیونکہ حدیث مبارک میں ہے (لا تجتمع أمتي على الضّلالة)، اور دوسری جگہ ارشاد ہے (لم يكن الله ليجمع أمتي على الضلالة)، لہٰذا ان حضرات کا اتفاق بجا ہے اور اس کا مرفوع پڑھنا ہی اولی ہے۔

درس (٦٦)

حذف فعل وجوبی کا چوتھا مقام یعنی تحذیر کا بیان

الرَّابع التحذير: وهو معمولٌ بتقدير اتَّقِ تحذيراً مما بعده، أو ذكر المحذَّر منه مكرَّراً، مثل: إياك والأسد، وإياك وأن تحذفَ، والطريقَ الطريقَ، وتقول: إياك من الأسد، ومن أن تحذفَ، وإياك وأن تحذف بتقدير منْ، ولا تقول: إياك الأسد لامتناع تقدير من.

ترجمہ: چوتھا مقام تحذیر ہے اور وہ (اتق) فعل مقدر کا ایسا معمول ہوتا ہے جس کو مابعد سے ڈرانے کے لئے ذکر کیا جائے، یا محذر منہ کو مکرر ذکر کیا جائے جیسے (إياك والأسد، وإياك وأن تحذف اور الطريق الطريق) اور آپ یہ بھی کہہ سکتے ہو (إياك من الأسد ومن أن تحذف وإياك أن تحذف) (من) کو مقدر ماننے کے ساتھ، اور آپ یہ نہیں کہہ سکتے (إياك الأسد)؛ کیونکہ یہاں (من) کا مقدر ماننا ممتنع ہے۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) تحذیر کا لغوی اور اصطلاحی معنی۔

(۲) مقام تحذیر میں حذف فعل کا سبب اور حذف وجوبی کا قرینہ۔

(۳) باعتبار استعمال کے محذر منہ کی عقلی صورتیں۔

(۴) امثلہ کی وضاحت۔

پہلی بات: تحذیر کا لغوی اور اصطلاحی معنی

صاحب کتاب "مفعول بہ کے فعل عامل کے حذف وجوبی کو بیان فرمارہے ہیں جن میں سے تین مقامات کو تو بیان فرما چکے ہیں، اب یہاں سے چوتھا اور آخری مقام بیان فرمارہے ہیں، اور وہ ہے تحذیر، یہ باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے ڈرانا، یہ بات یاد رکھیں کہ اس معنی (یعنی ڈرانے) کے ضمن میں چار چیزیں آجاتی ہیں:

(۱) ڈرانے والا، اس کو محذِّر کہتے ہیں۔

(۲) ڈرایا جانے والا، اس کو محذَّر کہتے ہیں۔

(۳) جس چیز سے ڈرایا جائے، اس کو محذَّر منہ کہتے ہیں۔

(۴) نفس ڈرانا، اس کو تحذیر کہتے ہیں، جیسے سب کی مثال (حذّر سعیدٌ بکراً من الأسد) یہاں سعید محذِّر اور بکر محذَّر اور اسد محذَّر منہ اور سعید کا بکر کو ڈرانا تحذیر ہے۔

اور اصطلاحی معنی صاحب کتاب نے اس کے دو بیان فرمائے ہیں:

(۱) **هو معمولٌ بتقدير اتَّقِ تحذيراً مما بعده**: یعنی تحذیر وہ اسم منصوب ہے جو (اتّق یا بعّد) فعل مقدر کا ایسا معمول ہو جس کو اپنے مابعد سے ڈرایا گیا ہو چاہے وہ اسم حقیقی ہو یا اسم تاویلی۔

تعریف کی اس صورت میں مفعول محذَّر اور اس کا مابعد محذَّر منہ ہوگا جیسا اسم حقیقی کی مثال (إياك والأسد)، اور اس اسم تاویلی کی مثال (وإياك وأن تحذف)۔

(۲) **أو ذكر المحذَّر منه مكرَّراً، مثل: الطريقَ الطريقَ**: یعنی تحذیر وہ اسم منصوب ہے جو (اتّق یا بعّد) فعل مقدر کا ایسا معمول ہو جو مکرر آیا ہو جیسے الطريقَ الطريقَ۔

تعریف کی اس صورت میں محذَّر منہ خود ہی معمول ہوگا جو مکرر آیا ہے، اور محذّر مخاطب ہوگا۔

دوسری بات: مقام تحذیر میں حذف فعل کا سبب اور حذف وجوبی کا قرینہ

مقام تحذیر میں فعل یعنی عامل ناصب کو وقت کی تنگی اور فرصت کے نہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے، کیونکہ تحذیر کا استعمال ایسی صورت میں ہوا کرتا ہے جہاں کوئی موذی چیز قریب الوقوع ہو اور متکلم کو یہ خطرہ ہو کہ اگر میں اپنے کلام میں فعل ناصب کو بھی ذکر کرونگا تو محذَّر یعنی مخاطب اس موذی چیز سے بچ نہیں سکے گا، اس لئے فعل ناصب کو حذف کر کے صرف محذَّر منہ کے ذکر پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

اور اگر اس موذی چیز کا وقوع انتہائی قریب ہو چکا ہو تو چونکہ اس صورت میں بنسبت پہلی صورت کے وقت زیادہ تنگ ہوتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں محذَّر کو بھی حذف کر کے صرف محذَّر منہ کو مکرر لا کر ذکر کیا جاتا ہے تاکہ تحذیر میں خوب مبالغہ ہو اور مخاطب اپنے آپ کو اس خطرے سے بچا سکے۔

یہ تو ہو گیا فعل ناصب کے حذف کرنے کا سبب، رہی یہ بات کہ ایسے مقام پر فعل کا حذف کرنا واجب کیوں ہے؟ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو ایسے مقام پر قرینہ موجود ہوتا ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ایسے موقع پر فعل ناصب کا قائمقام بھی موجود ہوتا ہے، قرینہ تو مقام تحذیر ہے جو فعل محذوف پر دلالت کرتا ہے، اور فعل محذوف کا قائمقام مفعول بہ یعنی محذَّر یا محذَّر منہ ہوتا ہے۔

تیسری بات: باعتبار استعمال کے محذر منہ کی عقلی صورتیں

وتقول: إياک من الأسد: اس عبارت میں صاحب کتابؒ نے محذر منہ کی

چار صورتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے پہلی تین کو جائز اور آخری کو نا جائز قرار دیا ہیں۔

صاحب کتاب نے تو کل چھ صورتوں کی مثالیں دی ہے لیکن اگر عقلی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کی آٹھ صورتیں بن سکتی ہیں؛ اس لئے کہ محذر منہ یا تو اسم حقیقی ہوگا یا اسم تاویلی، پھر ان دونوں کا استعمال یا تو (مــــن) کے ساتھ ہوگا یا (واؤ) کے ساتھ، یہ کل چار ہوگئیں، پھر (مــــن) اور (واؤ) یا تو مذکور ہونگے یا محذوف، اس طرح یہ کل آٹھ صورتیں ہو گئیں۔

ان میں سے پانچ جائز اور تین نا جائز ہیں: یعنی (واؤ) کا حذف کرنا اسم حقیقی اور تاویلی دونوں میں نا جائز ہے، مثلاً (إیـاک الأسدَ) اور (إیـاک أن تـحذفَ) دونوں نا جائز ہیں، اور (من) کا حذف کرنا اسم حقیقی سے نا جائز ہے جیسے (إیـاک الأسد)، بالفاظ دیگر اس کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اسم حقیقی سے چاہے (مــن) ہو یا (واؤ) دونوں کا حذف کرنا نا جائز ہے، اسی طرح (واؤ) کا حذف کرنا چاہے اسم حقیقی سے ہو یا اسم تاویلی سے یہ بھی نا جائز ہے، ان کے علاوہ باقی پانچ صورتیں ہیں جو کہ جائز ہیں۔

چوتھی بات: اُمثلہ کی وضاحت

پہلی مثال: تحذیر کی تعریف بیان کرنے کے بعد صاحب کتابؒ نے اس کی مثالیں پیش فرمائی ہیں، سب سے پہلی مثال (إیــاک والأسـدَ) دی ہیں، یہ اصل میں (اتـقک والأسـدَ) تھا، لیکن قاعدہ یہ ہے کہ ضمیر فاعل اور ضمیر مفعول جب ایک ہی ساتھ ہوں اور ان سے مراد بھی ایک ہی ذات ہو تو ایسا کرنا افعال قلوب میں جائز ہے جیسے (علـمتُنی فاضلاً)، لیکن افعال قلوب کے علاوہ میں ایسا کرنا نا جائز ہے، لہٰذا جہاں کہیں اس طرح دونوں جمع ہو کر آجائیں تو اس کا حل یہ ہے کہ ان دونوں ضمیروں کے درمیان میں کلمہ (نـفـسَ) لا کر اس کو ضمیر مفعول کی طرف مضاف کر دیا جائے، اس کے ذریعے سے دونوں ضمیروں کے درمیان فصل اور جدائی آجائی گی اور جواز کی ایک صورت بن جائی گی۔

لفظ(نفسؔ)لانے کے بعد عبارت یوں بن جائیگی(اتق نفسک من الأسد والأسد من نفسک) مقام تحذیر میں واقع ہونے کی وجہ سے(اتق) فعل ناصب کو وجوبی طور پر حذف کیا تو(نفسک من الأسد والأسد من نفسک) رہ گیا، پھر(نفسؔ) کو جس وجہ سے لایا گیا تھا وہ وجہ باقی نہیں رہی اس لئے کہ حذف فعل کے ساتھ ضمیر فاعل بھی نہیں رہی، لہٰذا اس کو بھی حذف کیا تو(کَ من الأسد والأسدَ من نفسک) رہ گیا، پھر جب فعل نہیں رہا تو اس کے متعلقات کو بھی حذف کردیا تو(کَ والأسد) رہ گیا، اس کے بعد کاف ضمیر متصل کو ضمیر منفصل کے ساتھ تبدیل کیا تو(إیاک والأسدَ) بن گیا۔

دوسری مثال

صاحب کتابؒ نے تحذیر کی تعریف اول کی دوسری مثال یہ دی ہیں(إیاک وأن تحذف) جو کہ اصل میں(بعّد نفسک من أن تحذف وأن تحذف من نفسک) تھا، اس میں بھی مذکورہ بالا طریقے سے تعلیل کرکے(إیاک وأن تحذف) رہ گیا ہے۔

تیسری مثال

الطریق الطریق: یہ تعریف کی قسم ثانی کی مثال ہے جس میں محذر منہ مکرر ذکر کیا گیا ہے یہ اصل میں(اتق الطریق اتق الطریق) تھا، مقام تحذیر میں واقع ہونے کی وجہ سے فعل ناصب کو حذف کرکے(الطریق الطریق) رہ گیا، ان دونوں میں سے پہلا (الطریق) محذر منہ ہے اور دوسرا والا اس کی تاکید ہے، اسی طرح(الصبی الصبی) اور (الجدار الجدار) بھی ہیں۔

چوتھی مثال

(وتقول: إیاک من الأسد ومن أن تحذف) یہ چوتھی مثال ہے جس سے

صاحب کتاب ؒ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ جس طرح تحذیر کی قسم اول کی دونوں مثالوں میں محذر منہ کو (واؤ) مذکور کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے اسی طرح اس کو (مــن) مذکور کے ساتھ استعمال کرنا بھی جائز ہے۔

پانچویں مثال

وإياک أن تحذف بتقدير من: اس مثال کے ذریعے پہلی قسم کے نوع ثانی کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ جس طرح متن میں ہم نے اس کی مثال دی ہیں یعنی بغیر (من) کے، تو وہ جس طرح بغیر (من) کے جائز ہے اسی طرح (من) کے ساتھ بھی جائز ہے، بلکہ اس کی اصل صورت (مــن) کے ساتھ تھی لیکن (مــن) جارہ کو برائے تخفیف حذف کر کے (إيــاک أن تــحــذف) بنادیا گیا تھا، کیونکہ جہاں کہیں (مــن) حرف جار اور (أن) حرف ناصب دونوں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو اہل عرب ان میں سے اکثر طور پر (مــن) کو حذف کر دیتے ہیں۔

چھٹی مثال

ولا تــقــول إيــاک الأسد: یہاں سے یہ فرمارہے ہیں کہ تحذیر کی قسم اول کی پہلی مثال میں (من) کو مقدر ماننا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ ماقبل میں تیسری بات کے ضمن میں یہ بات گذری ہے کہ اسم حقیقی سے چاہے (من) ہو یا (واؤ) دونوں کا حذف کرنا ناجائز ہے۔

عدم جواز کی دو صورتیں تو یہ ہو گئیں ان کے علاوہ ایک صورت یہ بھی ہے کہ (واؤ) کا حذف کرنا چاہے اسم تاویلی سے ہو یا اسم حقیقی سے یہ بھی ناجائز ہے، تو جواز کی پانچ اور عدم جواز کی تین صورتیں ہو گئیں۔

☆☆☆

درس (٦٧)

تیسرے منصوب یعنی مفعول فیہ کا بیان

المفعول فيه: هو ما فُعل فيه فعلٌ مذكورٌ من زمانٍ أو مكانٍ. وشرط نصبه تقدير (في)، وظروف الزمان كلها تقبل ذلك، وظروف المكان إن كان مبهماً قبل ذلك، وإلا فلا.

ترجمہ: مفعول فیہ وہ اسم ہے جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو وہ اسم چاہے ظرف زمان ہو یا مکان، اور اس کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے (في) مقدر ہو، اور ظروف زمان چاہے محدود ہوں یا مبہم دونوں (في) کو قبول کرتے ہیں، اور ظروف مکان اگر مبہم ہوں تو (في) کو قبول کرتے ہیں اگر محدود ہوں تو قبول نہیں کرتے۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) مفعول فیہ کی تعریف اور اس کی قسمیں۔

(۲) مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط۔

(۳) صاحب کتاب اور جمہور علماء نحو کا اختلاف۔

(۴) تقدیر فی کے جواز اور عدم جواز کے مواقع۔

پہلی بات: مفعول فیہ کی تعریف اور اس کی قسمیں

بھائی ہم منصوبات کے بحث میں چل رہے ہیں، چنانچہ ان میں سے دو تو ہم نے پورے بسط اور تفصیل کے ساتھ پڑھ لئے ہیں، اب صاحب کتاب تیسرا منصوب یعنی مفعول فیہ کو بیان فرمارہے ہیں لہٰذا (**هو ما فعل فيه فعل مذكورٌ**) سے اس کی تعریف کر کے فرمارہے ہیں کہ مفعول فیہ وہ اسم منصوب ہے جس میں ماقبل والا فعل یعنی اسی مفعول

فیہ کا عامل واقع ہو چکا ہو، چاہے وہ اسم ظرف مکان میں سے ہو یا ظرف مکان میں سے۔

اور مفعول فیہ چونکہ فعل کے وقوع کے خاطر بمنزلہ برتن کے ہوا کرتا ہے اس لئے اس کو ظرف بھی کہتے ہیں اور ظرف کی دو قسمیں ہیں ظرف زمان اور ظرف مکان، یعنی اگر وہ اسم ایسا ہو کہ کسی زمانے کا نام ہو اور اسی زمانے کے بارے میں اس میں کچھ بتایا جا رہا ہو تو اسے ظرف زمان کہتے ہیں، اور اگر کسی جگہ کے بارے میں اس میں بتایا جا رہا ہو تو اسے ظرف مکان کہتے ہیں، یہی مطلب ہے صاحب کتابؒ کی اس عبارت (من زمانٍ أو مكانٍ) کا، اس میں گویا کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں بھی بیان ہو گئیں۔

دوسری بات: مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط

وشرط نصبه تقدير في: اس عبارت میں صاحب کتابؒ نے مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے لئے ایک شرط بیان فرمائی ہیں وہ یہ کہ اس سے پہلے (في) مقدر ہوگا، جیسے (صمتُ شهراً) یہ اصل میں (صمتُ في شهر) تھا، لیکن مفعول فیہ میں اگر کلمہ (في) لفظوں میں مذکور ہو تو وہ منصوب نہیں ہوگا بلکہ وہ اسی (في) کی وجہ سے مجرور ہوگا جیسے (صليتُ في المسجدِ)، تو گویا کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہو گئیں ایک مفعول فیہ تقدیر (فی) کے ساتھ جو مجرور ہوگا، اور دوسرا مفعول فیہ ذکر (فی) کے ساتھ جو منصوب ہوگا۔

تیسری بات: صاحب کتابؒ اور جمہور علماء نحوؒ کا اختلاف

جیسا کہ ماقبل میں مفعول فیہ کی دو قسمیں بیان ہو گئیں یعنی ایک مفعول فیہ تقدیر (فی) کے ساتھ، اور دوسرا مفعول فیہ ذکر (فی) کے ساتھ، تو صاحب کتاب کے ہاں یہ دونوں مفعول فیہ ہی کی قسمیں ہیں البتہ دونوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم منصوب ہوگی اور دوسری مجرور ہوگی، جبکہ جمہور علماء نحو کے ہاں پہلی قسم تو مفعول فیہ ہے لیکن دوسری قسم کو مفعول فیہ کہنا صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ اصل میں حرف جر کے واسطے مفعول بہ بنے گا، لہذا ان کے ہاں مفعول فیہ کے منصوب ہونے کے لئے گویا کہ کوئی شرط ہے ہی نہیں کیونکہ ان کے ہاں

مفعول فیہ کی ایک ہی صورت ہے یعنی تقدیر (فی) کے ساتھ اور ایک ہی اعراب ہے یعنی اس کا منصوب ہونا۔

اور صاحب کتاب نے یہ شرط اس لئے لگائی کہ ان کے ہاں مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں منصوب اور مجرور، ان میں سے مفعول فیہ منصوب کے لئے تقدیر (فی) کی شرط لگائی اور یہ پہلی قسم بنے گی اور جہاں (فی) لفظوں میں مذکور ہو تو وہ مجرور ہوگی اور دوسری قسم بنے گی۔

چوتھی بات: تقدیر (فی) کے جواز اور عدم جواز کے مواقع

وظروف الزمان کلها تقبل ذلک: فاضل مصنفؒ نے اس عبارت میں تقدیر (فی) کے جواز اور عدم جواز کے مواقع بیان فرمائے ہیں، لیکن اس سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ ظروف زمان اور مکان دونوں میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں معلوم اور مبہم، اس کی قدرے تفصیل ملاحظہ ہو:

ظروف زمان معلوم: یعنی وہ اسماء جو ایسے اوقات پر دلالت کریں جن کی ابتداء اور انتہاء دونوں معلوم ہوں جیسے یومٌ، لیلٌ، أسبوعٌ، شهرٌ وغیرہ۔

ظروف زمان مبهم: یعنی وہ اسماء جو ایسے اوقات پر دلالت کریں جن کی ابتداء اور انتہاء دونوں معلوم نہ ہوں جیسے وقتٌ، حینٌ اور دهرٌ وغیرہ۔

ظروف مکان معلوم: یعنی وہ اسماء جو ایسے مکان اور جگہ پر دلالت کریں جن کے حدود یعنی ابتداء اور انتہاء دونوں معلوم ہوں جیسے مسجدٌ، مدرسةٌ اور بیتٌ وغیرہ۔

ظروف مکان مبهم: یعنی وہ اسماء جو ایسے مکان اور جگہ پر دلالت کریں جن کے حدود یعنی ابتداء اور انتہاء دونوں معلوم نہ ہوں اس کی تفسیر مستقل طور پر ان شاء اللہ آگے آرہی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ بات سمجھ لیں کہ ظروف زمان چاہے معلوم ہوں یا مبہم اور

معرفہ ہوں یا نکرہ سب کے سب تقدیر (فی) کو قبول کرتے ہیں اور یہ سب اسی کی وجہ سے منصوب ہونگے جیسے (سِرتُ دھراً وخرجتُ یوماً)، یہ دونوں نکرہ کی مثالیں ہیں، اور (سِرتُ حینَ قعودِکَ اور خرجتُ یومَ الجمعة) یہ معرفہ کی مثالیں ہیں اور سب میں (فی) مقدر ہے اور یہ سب بھی اسی تقدیر (فی) کی وجہ سے سب منصوب ہیں، اس کے بجائے یہاں اگر (فی) لفظوں میں مذکور ہوتا تو یہ سب مجرور ہوتے۔

(الملاحظہ) ظرف زمان مبہم اس لئے تقدیر (فی) کو قبول کرتا ہے کہ یہ فعل کا ایک جزء ہوتا ہے کیونکہ فعل کے تین اجزاء ہوتے ہیں:

(۱) اشتقاق من المصدر۔ (۲) نسبت الی الفاعل۔ (۳) نسبت الی الزمان۔

اور زمانہ چونکہ ظرف زمان ہی ہوتا ہے اور فعل میں پایا جاتا ہے جبکہ کلمہ (فی) بھی ظرفیت کے لئے آتا ہے، تو گویا کہ یہ فعل کے تین اجزاء میں سے ایک جزء بن گیا اور جب فعل کا جزء بن گیا تو فعل کے جزء ہونے میں یہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو گیا لہٰذا جس طرح فعل کی نسبت مفعول مطلق کی طرف کسی حرف جر کے واسطے کے بغیر ہوتی ہے اسی طرح مفعول فیہ کی طرف بھی فعل کی نسبت (فی) مذکور کے بغیر ہوگی اور جس طرح مفعول مطلق منصوب ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی منصوب ہوگا۔

اور رہا ظرف زمان معلوم تو وہ اگرچہ فعل کے مفہوم کا جزء نہیں ہوتا لیکن پھر بھی ظروف زمان مبہم کے ساتھ زمانے پر دلالت کرنے میں ان کے مشابہ ہیں اس لئے وہ بھی تقدیر (فی) کو قبول کرتے ہیں۔

وظروف المکان إن کان مبھماً قبل ذلک وإلا فلا یہاں سے صاحب کتاب مفعول فیہ میں سے ظروف مکان کا حکم بیان کر رہے ہیں وہ یہ کہ ظروف مکان اگر مبہم ہوں تو چاہے وہ نکرہ ہوں یا معرفہ ان میں (فی) کو مقدر مان کر انہیں منصوب پڑھنا جائز ہوگا جیسے (قمتُ أمامَ المسجد)۔

ان کا تقدیر (فی) کو قبول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی ظروف زمان مبہم کے ساتھ مبہم ہونے میں مشابہت پائی جاتی ہے، تو جیسے وہاں جائز تھا بھی جائز ہوگا۔

رہے ظروف مکان معلوم تو وہ تقدیر (فی) کو اس لئے قبول نہیں کرتے کہ اُن میں (فی) لفظوں میں مذکور ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ مجرور ہوا کرتے ہیں جیسے (جلستُ فی الغرفة).

اس کے علاوہ ان میں تقدیر (فی) کے عدم جواز کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ظرف زمان مبہم کے ساتھ اس کی مشابہت تو ہے نہیں البتہ ظرف زمان معلوم اور ظرف مطان مبہم کے ساتھ ان کی مشابہت تو ہے لیکن وہ چونکہ خود کسی اور چیز پر محمول ہو کر تقدیر (فی) کے قابل بن جاتے ہیں اب اگر کسی اور چیز کو اٹھا کر اس پر اس کا حمل ڈالیں تو گویا کہ ایک ہی چیز کا محمول اور محمول علیہ اور محتاج اور محتاج الیہ بننا لازم آتا ہے اور خود ایک مستعار چیز سے استعارہ لازم آئے گا جو کہ نامناسب ہے۔

درس (٦٨)

اسماء مبہمہ کی تفسیر اور دیگر ضروری باتیں

وفُسّر المبهم بالجهات الستّ، وحمل عليه (عند) و(لدى) وشبههما؛ لإبهامهما، ولفظ (مكان) لكثرته، وما بعد (دخلتُ) على الأصح، وينصب بعامل مضمر وعلى شريطة التفسير

ترجمہ: اور مبہم کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ کی گئی ہے، اور انہیں ظروف مکان مبہمہ پر (عند) اور (لدی) اور اس جیسے دوسرے کلمات کو ان میں ابہام کے پائے جانے کی وجہ سے اور لفظ (مکان) کو کثرت استعمال کی وجہ سے محمول کیا گیا ہیں، اور (دخلتُ) کے مابعد والا اسم بھی صحیح تر قول کے مطابق انہیں ظروف مکان مبہمہ پر محمول کیا

گیا ہے، اور کبھی کبھار اس کو نصب دیا جائے گا اس عامل مقدر کی وجہ سے جس کی بعد میں تفسیر نہ ہو اور کبھی کبھار اس عامل مقدر کی وجہ سے بھی جس کی بعد میں تفسیر آرہی ہو۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسماء مبہمہ کی تفسیر مع اسماء محمولہ۔

(۲) مابعد دخلت میں جمہورؒ اور دیگر بعض علماءؒ کا اختلاف۔

(۳) مفعول فیہ کے عامل ناصب کو حذف کرنا۔

پہلی بات: اسماء مبہمہ کی تفسیر اور دیگر اسماء محمولہ

وفُسّر المبهم بالجهات الستّ: ماقبل میں ظرف مکان مبہم کا تقدیر (فــــی) کے اعتبار سے حکم بیان ہو گیا تھا، لیکن یہ تو ہمیں معلوم ہو کہ اسماء مبہمہ ہیں کیا؟ تو عبارت مذکورہ میں انہیں اسماء مبہمہ کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں، تو فرمایا کہ اکثر متقدمین نے اسماء مبہمہ کی تفسیر جہات ستہ کے ساتھ فرمائی ہیں یعنی (الخلف، القدام، الفوق، التحت، اليمين، الشمال) ان کے علاوہ دیگر وہ اسماء جو ان کے ہم معنی ہوں تو وہ بھی انہیں کی طرح اسماء مبہمہ میں داخل ہونگے جیسے (قَبْلُ) اور (قُبْلُ) جو (أمامَ) کے معنی میں ہیں، اور (وراءُ) اور (دُبْرُ) اور (دُبُرُ) جو (خلفُ) کے معنی میں ہیں، اور (یسارُ، شمالُ) کے معنی اور (علوُ، فوقُ) کے معنی اور اسی طرح (سِفلُ، تحتُ) کے معنی میں ہے لہٰذا یہ سارے کے سارے تقدیر (فی) کو قبول کرتے ہیں۔

وحمل عليه (عند ولدى) وشبههما؛ لإبهامهما، ولفظ (مكان) لكثرته: اس عبارت سے صاحب کتاب ظروف مکان مبہمہ کے محمولات کو بیان فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی ایک اشکال کا جواب بھی دے رہے ہیں:

اشکال یہ ہے کہ جناب عالی آپ نے فرمایا کہ اسماء مبہمہ کی تفسیر جہات ستہ کے اسماء کے ساتھ کی گئی ہے جبکہ (عـنـد ولـدى) اور اس جیسے دوسرے اسماء مثلاً

(دونَ اور سوی) وغیرہ اسماء نہ تو ظروف مکان مبہم میں شمار ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ جہات ستہ میں سے تو ہیں نہیں، اور نہ ظروف مکان محدود میں، اس لئے کہ وہ تو منصوب ہی استعمال ہوتے ہیں، تو آپ نے اسماء مبہمہ کی تفسیر صرف جہات ستہ کے ناموں کے ساتھ کیوں فرمائی، اس کے علاوہ کسی اور چیز سے کر لیتے تا کہ اس میں یہ دونوں بھی داخل ہو جاتے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسماء بے شک مذکورہ اسماء ستہ میں سے تو نہیں ہیں لیکن ان کو ظروف مکان مبہم پر حمل کر دیا گیا ہیں اس لئے کہ وصف ابہام میں یہ اور وہ دونوں شریک ہیں۔

ولفظ مکان لکثرته: یہاں بھی ماقبل والا اشکال واقع ہوگا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک یہ بھی اگر چہ ان میں داخل نہیں ہے لیکن چونکہ کثرت استعمال کی وجہ سے یہ تخفیف کا تقاضا کر رہا ہے، اور تخفیف (فی) کو مقدر ماننے میں زیادہ ہے بنسبت اس کو ذکر کرنے میں جیسے (جلستُ مکانکَ) لہٰذا اس کو بھی ظرف مکان مبہم پر محمول کر کے اس میں بھی (فی) کو مقدر مان لیں گے۔

وما بعد دخلتُ على الأصح: فرما رہے ہیں کہ (دخلتُ) اور اس جیسے بعض دیگر افعال (مثلاً نزلتُ، سکنتُ وغیرہ) کے مابعد والے اسم کو بھی صحیح تر قول کے مطابق کثرت استعمال کی وجہ سے ظرف مکان مبہم پر محمول کیا جائے گا اور اس میں بھی تقدیر (فی) جائز ہوگا جیسے (دخلتُ الدارَ، ونزلتُ البیتَ، وسکنتُ القریة)، یہ بات یاد رہے کہ (دخلتُ) سے ہر وہ فعل مراد ہے جس کا مفعول فیہ مفعول بہ کے مشابہ ہو جیسا کہ نزلتُ اور سکنتُ کی مثالیں گذر گئیں۔

دوسری بات: جمہور اور دیگر بعض علماء نحو کا اختلاف

لفظ (مکانٌ) اور مابعد (دخلتُ) دونوں کو کثرت استعمال کی وجہ سے ظرف

مکان مبہم پر محمول کیا گیا ہیں، لیکن دونوں میں فرق یہ ہے کہ لفظ (مکانً) کا مفعول بہ ہونا تو متفق علیہ ہے، البتہ مابعد (دخلتُ) کے مفعول بہ ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، جس کی طرف صاحب کتابؒ نے (علی الأصح) فرما کر اشارہ کیا ہے۔

اختلاف کی تفصیل یہ ہے کہ بعض علماء نحو کے ہاں (دخلتُ) کا مابعد مفعول بہ ہوتا ہے دلیل ان کی یہ ہے کہ جس طرح فعل متعدی اپنا پورا معنی دینے میں اپنے مابعد والے اسم کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح (دخلتُ) بھی اپنا پورا معنی دینے میں اپنے بعد والے اسم کا محتاج ہوتا ہے، اور محتاج الیہ مفعول بہ ہو سکتا ہے نہ کہ مفعول فیہ۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ مفعول بہ پہلے ہوتا ہے اور مفعول فیہ بعد میں، لہٰذا (دخلتُ الدارَ) میں (الدارَ) مفعول بہ بنائے جائے گا نہ کہ مفعول فیہ۔

اس کے برخلاف جمہور علماء نحوؒ کے ہاں (دخلتُ) کا مابعد مفعول فیہ ہوا کرتا ہے، اپنے اس دعوی پر یہ حضرات تین دلائل پیش کرتے ہیں:

پہلی دلیل

سب سے پہلے ایک قاعدے کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں کہ (ہر وہ فعل جس کا مصدر (فُعولٌ) کے وزن پر ہو تو وہ فعل لازم ہوتا ہے)، اور (دخلتُ) فعل کا مصدر بھی (دُخولٌ) بروزن (فُعولٌ) آتا ہے تو لازمی طور پر (دخلتُ) فعل لازم ہوگا اور فعل لازم کے لئے دیگر مفاعیل تو آسکتے ہیں لیکن مفعول بہ نہیں آسکتا۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل ان کی یہ ہے کہ بالفرض اگر اس کو ہم مفعول فیہ نہ بھی مانیں تب بھی اس کا مابعد مفعول بہ تو بن ہی نہیں سکتا کیونکہ قاعدہ اور اصول یہ ہے کہ مفعول بہ پر اگر (فـــی) داخل کیا جائے تو اس کا معنی یا تو بدل جاتا ہے یا بالکل خراب ہو جاتا ہے جیسے (ضربتُ زیداً) میں اگر زید پر (فی) داخل کر کے (ضربتُ فی زید) کہا جائے تو اس کا

کوئی معنی نہیں بنے گا، اور اس کے برخلاف (دخلتُ) کے مابعد پر اگر (فی) داخل کیا جائے تو معنی کی تبدیلی یا خرابی تو درکنار اس کا معنی اور بھی واضح ہو جاتا ہے جیسے (دخلت الدارَ) سے (دخلت فی الدارِ)۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل ان کی یہ ہے کہ (دخلتُ) کے ہم مثل اور قریب المعنی جو دیگر افعال ہیں ان کا مابعد تو بالاتفاق مفعول فیہ ہوتا ہے، لہٰذا قریب المعنی ہونے کی وجہ سے اس کا مابعد بھی مفعول فیہ ہوگا۔

رہی بعض علماءِ نحو کی پیش کردہ دلیل تو اس کا جواب یہ ہے کہ بالکل یہ بات ہم بھی مانتے ہیں کہ مفعول فیہ کا درجہ مفعول بہ کے بعد ہوتا ہے لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ یہ فعل متعدی میں ہوا کرتا ہے نہ کہ فعل لازم میں، اور (دخلتُ) کا فعل لازم ہونا ہم نے اوپر ثابت کر دیا ہے۔ (کما فی تقریر الکافیۃ)۔

تیسری بات: مفعول فیہ کے عامل ناصب کو حذف کرنے کی دو صورتیں

وینصبُ بعامل مضمر: یہاں سے صاحب کتاب مفعول فیہ کے عامل ناصب کو حذف کرنے کی دو صورتیں بیان فرما رہے ہیں:

پہلی صورت

پہلی صورت یہ ہے کہ کبھی کبھار اس کے عامل کو حذف کر کے بدون شریطۃ التفسیر اس کے ذریعے سے مفعول فیہ کو نصب دیا جاتا ہے، یعنی اس کا جو عامل ناصب ہوگا وہ کبھی کبھار حذف کر دیا جائے گا لیکن اس کے بعد اس حذف شدہ فعل کی کوئی تفسیر مذکور نہیں ہوگی جیسے کوئی سوال کرے کہ (متی سرتَ؟) وہ جواب میں کہے کہ (یومَ الجمعۃ)، یہ اصل

میں (سرتُ یوم الجمعة) تھالہٰذا شروع میں جو عامل ناصب (سرتُ) ہے اس کو حذف کر کے (یومَ الجمعة) کہا جاتا ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس حذف شدہ عامل کی کوئی تفسیر بعد میں نظر نہیں آ رہی اور پھر بھی (یومَ الجمعةِ) منصوب ہے۔

دوسری صورت

وعلی شریطة التفسیر: اور کبھی کبھار اس کے عامل کو حذف تو کر دیا جاتا ہے لیکن اس شرط پر کہ بعد میں اس کی تفسیر ذکر کریں گے جیسے (سرتُ یومَ الجمعة) سے عامل ناصب (سرتُ) کو حذف کر کے اس کی تفسیر بعد میں لا کر (یومَ الجمعة سرتُ فیه) کہا جائے۔

درس (٦٩)

چوتھے منصوب مفعول لہ کا بیان

المفعول له: هو ما فعل لأجله فعلٌ مذكورٌ، مثل: ضربته تأديباً، وقعدتُ عن الحرب جبناً، خلافاً للزجاج؛ فإنه عنده مصدرٌ، وشرط نصبه تقدير اللام، وإنما يجوز حذفها إذا كان فعلاً لفاعل الفعل المعلَّل به ومقارناً له في الوجود.

ترجمہ: منصوبات میں سے ایک مفعول لہ بھی ہے یہ وہ اسم ہے جس کی وجہ سے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے (ضربته تأديباً) میں (تأديباً) اور (قعدتُ عن الحرب جبناً) میں (جبناً)، اختلاف ہے اس میں امام زجاجؒ کا؛ اس لئے کہ ایسا اسم ان کے ہاں مصدر یعنی مفعول مطلق میں شمار ہوتا ہے، اور اس کے منصوب ہونے کی شرط (لام) کا مقدر ہونا ہے، اور اس (لام) کا حذف کرنا تب جائز ہے جب یہ معلل بہ فعل کے فاعل کا فعل ہو

اور وجود میں بھی اس کے مقارن ہو۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) مفعول لہ کی تعریف اور فوائد وقیود۔

(۲) جمہور علماء نحو اور امام زجاجؒ کا اختلاف۔

(۳) مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط۔

(۴) صاحب کافیہؒ اور جمہور علماء نحوؒ کا اختلاف۔

(۵) حذف لام کے جائز ہونے کی صورتیں۔

پہلی بات: مفعول لہ کی تعریف اور فوائد وقیود

المفعول له: منصوبات میں سے چوتھی قسم مفعول لہ ہے تحقیق اس کی یہ ہے کہ اس کے شروع میں داخل ہونے والا (الف لام) بمعنی (الذی) اسم موصول کے ہیں اور اس کا صلہ خود (مــفــعــولٌ) بن رہا ہے پھر موصول اور صلہ دونوں مل کر یہ صفت بن جائیگے (الاسم) موصوف محذوف کے لئے ،اور (لہ) میں لام اجلیہ ہے، تو عبارت یوں بن جائیگی: (الاسم الذی فُعل الفعل لأجله) یعنی وہ اسم جس کے خاطر ماقبل والا فعل کیا گیا ہو۔

اور اصطلاحی معنی صاحب کافیہؒ اپنی عبارت میں یوں بیان فرماتے ہیں (هــو مــا فُــعل لأجـلـه فعل مذكورٌ) یعنی مفعول لہ وہ اسم ہے جس کے حاصل کرنے کے لئے یا جس کے پہلے سے پائے جانے کی وجہ سے فعل مذکور (یعنی اس سے پہلے والا فعل) کیا جائے ، جیسے (ضـربـتـه تأديباً) اس میں ادب سکھانے کے لئے ماقبل والا فعل (ضـرب) کیا گیا ہے، اور (قـعـدتُ عـن الحرب جبناً) میں (جبـنـاً) یعنی بزدلی کی وجہ سے ماقبل والا فعل (قعدتُ) اختیار کیا گیا ہے۔

فوائد وقیود

فاضل مصنفؒ کی عبارت (هو ما فُعل لأحله فعل مذكورٌ) میں (هو) ضمیر کا

مرجع (مفعول لہ) ہے جو کہ معرَّف ہے، اور (مافُعل الفعل.... إلخ) اس کی تعریف ہے، پھر تعریف میں (مـــا) جنس ہے جو کہ معرف (یعنی مفعول لہ) اور غیر معرف (یعنی دیگر مفاعیل) کو بھی شامل ہے، (فعل الفعل لأجله) فصل ہے، اس کی وجہ سے سارے دیگر مفاعیل اس تعریف سے خارج ہو گئے۔

دوسری بات: جمہور علماء نحو اور امام زجاجؒ کا اختلاف

خلافاً للزجاج: مفعول لہ کے بارے میں جمہور علماء نحو کا مذہب یہ ہے کہ مفاعیل خمسہ میں سے باقاعدہ ایک مستقل قسم ہوگی البتہ امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ یہ کوئی مستقل قسم نہیں ہے بلکہ اصل میں یہ مفعول مطلق ہے جس کی اصل عبارت یوں تھی (أدَّبته بالضرب تأديباً) اور (جبنت في القعود عن الحرب جبناً)، تو اصل میں (تأديباً) اور (جبناً) تقدیر عامل یعنی فعل محذوف (یعنی أدبته اور جبنتُ) کے لئے مفعول مطلق بن رہے ہیں۔

اور دوسری صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اس کو مضاف محذوف کے ساتھ ملا کر مفعول مطلق بنا دیا جائے مثلاً (ضربته تأديباً) کی محذوف عبارت یوں ہو: (ضربته ضربَ تأديبٍ)، اور (قعدت عن الحرب جبناً) کی محذوف عبارت اس طرح ہو: (قعدت عن الحرب قعودَ جبنٍ)۔

لیکن اگر دیکھا جائے تو علامہ زجاجؒ نے جو یہاں تاویل کر کے محذوف عبارت نکالی ہے اور پھر اس پر مفعول مطلق کا حکم لگایا ہیں تو یہ کچھ کمزور سی بات لگ رہی ہے؛ اس لئے کہ تاویل کر کے ایک قسم کو دوسری قسم بنا دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پہلی قسم بالکلیہ ختم ہو کر بعینہ دوسری قسم بن جائیگی، ورنہ تاویل کا یہ دروازہ اگر کھولا جائے اور اس کو صحیح مانا جائے تو بہت ساری مأول صورتیں اپنی اصل صورتیں چھوڑ کر مأول إلیہ والی صورت کی طرف منتقل ہو جائیگی، مثلاً حال اور ذوالحال کی مثالیں لیجئے (جاء نی سعيدٌ راكباً) اور (زرتُ

بكراً مسروراً) ان میں تاویل کر کے عبارت یوں بن سکتی ہے: (جاء نبي سعيدٌ في وقتَ الركوب) اور (زرتُ بكراً وقتَ سروره) لیکن اس کے باوجود اس کو کوئی بھی مفعول فیہ نہیں کہتا بلکہ اُسی طرح حال اور ذوالحال ہی کہتے ہیں۔

فائدہ: امام زجاجؒ کی اسم گرامی ابراہیم بن محمد بن سری بن سہل ہے اور کنیت ابو اسحاق ہے، ولادت کی تاریخ تو معلوم نہیں البتہ وفات ان کی جمادی الأخری ۳۱۰ھ یا ۳۱۶ھ کو جمعہ کے دن بمقام بغداد ہوئی، اسی ۸۰ سال سے کچھ زیادہ عمر ملی، حنبلی المسلک تھے، شروع میں یہ شیشہ گری کا کام کرتے تھے اور عربی میں شیشے کو زجاج ہی کہتے ہیں اسی وجہ سے یہ امام زجاج کے لقب سے مشہور ہوئے، اس کے بعد تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے اور تمام علوم دینیہ خاص کر علوم عربیہ میں ایسی مہارت حاصل کی کہ اپنے زمانے سے تا حال علوم عربیہ میں امام کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔

تیسری بات: مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط

تیسری بات جو صاحب کتابؒ نے (وشرط نصبه تقدير اللام) والی عبارت میں ارشاد فرمائی ہیں وہ یہ ہے کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے (لام) مقدر ہو جیسے (ضربته تأديباً)، لیکن اگر (لام) مذکور ہو تو پھر مفعول لہ منصوب نہیں ہوگا بلکہ اسی (لام) حرف جر کی وجہ سے مجرور ہوگا جیسے (ضربته للتأديب)۔

چوتھی بات: صاحب کتاب اور جمہور علماء نحو کا اختلاف

مفعول لہ کے منصوب ہونے کے لئے صاحب کتاب کے ذکر کردہ شرط سے اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ ان کے یہاں مفعول لہ کی بھی مفعول فیہ کی طرح دو قسمیں ہیں: ایک مفعول لہ تقدیر لام کے ساتھ اور دوسرا مفعول لہ ذکر لام کے ساتھ، پہلی قسم منصوب اور دوسری مجرور بحرف الجر ہوگی، تو تقدیر لام کی شرط لگانا یہ صحت مفعول فیہ کے لئے شرط نہیں بلکہ اس کے صحت نصب کے لئے شرط ہے، لہٰذا صاحب کتابؒ کے ہاں یہ دونوں قسمیں مفعول لہ کی

ہوں گی پہلی تو اس لئے کہ اس پر مفعول لہ کی تعریف بھی صادق آتی ہے اور لفظاً منصوب بھی ہے، اور دوسری قسم اس لئے کہ اس پر بھی مفعول لہ کی تعریف صادق آرہی ہے اور لفظاً اگرچہ منصوب نہیں ہے لیکن محلاً تو منصوب ہے۔

اور جبکہ جمہور علماء نحوؒ کے ہاں پہلی صورت تو مفعول لہ کی ہے اور اس میں لام کے مقدر ہونے کی شرط صحت نصب کے لئے نہیں بلکہ صحت مفعول لہ کے لئے ہے، کیونکہ جب اس کا مفعول لہ ہونا ثابت ہو جائے گا تو اس کا منصوب ہونا خود بخود ثابت ہو جائے گا، رہی دوسری صورت تو وہ ان کے ہاں مفعول لہ نہیں ہوتا بلکہ حرف جر کے واسطے سے مفعول بہ ہوتا ہے۔

پانچویں بات: حذف لام کے جائز ہونے کی صورتیں

وإنما يجوز حذفها.... إلخ: اس عبارت میں فاضل مصنفؒ نے مفعول لہ سے قبل تقدیر لام کے لئے تین شرائط بیان فرمائی ہیں:

(۱) پہلی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ مصدر ہو اور اعراض کے قبیل سے ہو اعیان کے قبیل سے نہ ہو جیسے (ضربته تأديباً)، اور جہاں یہ شرط نہ ہو تو وہاں لام کو حذف نہیں کیا جائے گا جیسے (جئتک للسمن) یہاں (السمن) نہ تو مصدر ہے اور نہ اعراض کے قبیل سے ہے۔

(۲) **إذا كان فعلاً لفاعل الفعل المعلل به:** دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور معلل بہ فعل کا فاعل ایک ہی ہو جیسے (ضربته تأديباً)، معلل بہ فعل سے مراد وہ فعل ہے جس کی علت بعد میں آنے والے مفعول لہ کے ذریعے بتائی گئی ہو جیسے مثال مذکور میں (ضربَ) فعل معلل بہ ہے اور (تأديباً) کے ذریعے اس کی علت بیان کی گئی ہے، اور (ضربَ) اور (تأديباً) کا فاعل ایک ہی ہے؛ کیونکہ مارنے والا اور ادب سکھانے والا ایک ہی آدمی ہے۔

جہاں دونوں کا فاعل الگ الگ ہو تو وہاں لام کو مقدر نہیں مانا جاسکتا جیسے (جئتک لمجیئک إیایَ) یہاں فعلِ معلل بہ (جئتکَ) کا فاعل متکلم اور مفعول لہ (لمجیئک) کا فاعل مخاطب ہے۔

(۳) **ومقارناً له في الوجود:** تیسری شرط یہ بیان فرمارہے ہیں کہ فعل مذکور اور مفعول لہ دونوں کا زمانہ ایک ہو جیسے (ضربته تادیباً) میں مارنا اور ادب سکھانا دونوں ایک ہی زمانے میں ہوتے ہیں یہ نہیں ہوتا کہ مارنے کا عمل تو ابھی ہوا اور ادب سکھانے کے لئے بعد میں کوئی اور عمل کرنا پڑے گا۔

جہاں دونوں کا زمانہ ایک نہ ہو تو وہاں لام کا حذف کرنا جائز نہیں ہوگا جیسے (أکرمتک الیومَ لوعدی بذلک أمسِ) یعنی آج میں نے آپ کا اکرام کیا اس لئے کہ کل گذشتہ میں نے آپ سے اس کا وعدہ کیا تھا، ملاحظہ فرمائیں یہاں پہلی دونوں شرطیں تو پائیں جاتی ہیں لیکن تیسری نہیں پائی جاتی اس لئے لام کو حذف نہیں کیا گیا۔

تینوں شرائط کا خلاصہ یہ ہے کہ مفعول لہ اگر مصدر نہ ہو یا اس کا اور اس کے عامل کا زمانہ ایک نہ ہو یا دونوں کا فاعل ایک نہ ہو تو اس سے لام کا حذف کرنا جائز نہیں ہوگا۔

الملاحظه: صاحب کتابؒ اپنی عبارت میں کلمہ (حذفها) لے کر آئے ہیں لیکن مراد اس سے (تقدیرها) ہے کیونکہ حذف اور تقدیر میں بڑا فرق ہے۔

درس (۷۰)

پانچویں منصوب: مفعول معہ کا بیان

المفعول معه: هو مذكورٌ بعد الواو لمصاحبة معمول فعل لفظاً أو معنىً، فإن كان الفعل لفظاً وجاز العطف فالوجهان، مثل: جئتُ أنا وزيدٌ وزيداً، وإلا تعين النصب، مثل: جئتُ وزيداً، وإن كان

معنیً وجاز العطف تعین العطف، نحو: ما لزیدٍ وعمروٍ؟، وإلا تعین النصب، مثل: مالکَ وزیداً؟، وما شأنک وعمرواً؟؛ لأن المعنی: ما تصنع؟.

ترجمہ: مفعول معہ وہ اسم ہے جو واؤ کے بعد مذکورہ ہوتا کہ معلوم ہو کہ وہ فعل کے معمول کے ساتھ مصاحب ہے خواہ فعل لفظی ہو یا معنوی، پس اگر فعل لفظی ہو اور عطف جائز ہو تو اس میں دونوں صورتیں جائز ہیں جیسے (جئت أنا وزیدٌ وزیداً) وگرنہ نصب متعین ہوگا جیسے (جئتُ وزیداً)، اور اگر فعل معنوی ہو اور عطف جائز ہو تو عطف ہی متعین ہوگا جیسے (ما لزید وعمرو) وگرنہ نصب ہی متعین ہوگا جیسے (مالک وزیداً، وما شأنک وعمروا) اس لئے کہ اس کا معنی (ما تصنع؟) ہے۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) مفعول معہ کی تعریف مع فوائد وقیود۔

(۲) مفعول معہ کی صورتیں اور ہر ایک کی علامات۔

پہلی بات: مفعول معہ کی تعریف مع فوائد وقیود

المفعول معه: اس کی تحقیق یہ ہے کہ (المفعول) میں (الف لام) بمعنی (الذی) کے ہیں، (مفعولٌ) صیغہ صفت اور (معه) اس کا نائب فاعل، صیغہ صفت اپنے نائب فاعل سے مل کر صلہ ہوا موصول کے لئے، موصول اپنے صلہ سے مل کر (الاسم) موصوف محذوف کے لئے صفت بنا، موصوف اپنی صفت سے مل کر مبتدا ہوا، لہٰذا اس اعتبار سے اس کی عبارت یوں ہوگی: (الاسم الذی فُعِلَ فعلٌ لمصاحبته)۔

اور اصطلاحی معنی خود صاحب کتاب اپنی عبارت میں بیان فرمارہے ہیں کہ (هو مذکورٌ بعد الواو لمصاحبة معمول فعل لفظاً أو معنیً) یعنی مفعول معہ وہ اسم ہے جو واؤ بمعنی مع کے واقع ہو، اور مقصد اس کا ایسی واؤ کے بعد ذکر کرنے کا یہ ہوتا ہے کہ ما قبل

والا فعلِ عامل چاہے فعل لفظی ہو یا فعل معنوی اس کے معمول کے ساتھ اس کی مصاحبت (یعنی ایک ہی ساتھ فاعلیت یا مفعولیت میں شریک ہونا) پائی جائے جیسے (جاء البردُ والجبات)، یہاں فعل لفظی (جاءَ) عامل ہے اور (البرد) اس کا معمول یعنی فاعل ہے، اور (واؤ، مع) کے معنی میں ہے، اس کے بعد (الجبات) فاعلیت میں (البرد) فاعل کا مصاحب اور شریک ہے، اسی طرح (استوی الماءُ والخشبةُ) میں بھی (الماء اور الخشبة) فاعلیت کے معنی میں شریک ہیں، اور مفعول کی مثال (کفاکَ وزیداً درھمٌ) اس میں (کفاکَ) کا کاف اور (زیداً) یہ دونوں مفعولیت کے معنی میں شریک ہیں۔

اسی طرح فعل معنوی کی مثال (مالک وزیداً) یہ اصل میں (ما تصنع وزیداً) تھا، لہٰذا یہاں بھی (تصنع) کے اندر (أنتَ) ضمیر فاعل اور (زیداً) دونوں فاعلیت کے معنی میں شریک ہیں۔

فائدہ: فعل کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی، فعل لفظی وہ ہے جو باقاعدہ طور پر لفظوں میں مذکور ہو اور اس میں فعل کی علامات پائیں جارہی ہوں، اور فعل معنوی وہ کلمہ ہے جو نہ تو لفظوں میں ہو اور نہ تقدیر میں بلکہ انداز کلام اور گفتگو سے ہی معلوم ہو رہا ہو جیسے (مالک وزیداً) میں گذر گیا کہ (مالک) سے (ماتصنع) فعل نکالا گیا؛ اس لئے جہاں کہیں جار اور مجرور حرف استفہام کے ساتھ آجائیں تو وہ فعل پر دلالت کرتے ہیں؛ کیونکہ یہی جار ماقبل والے فعل کے معنی کو اپنے مابعد والے اسم تک پہنچانے کے لئے آیا کرتا ہے، مزید یہ بھی کہ حرف استفہام اکثر و بیشتر فعل پر داخل ہوتا ہے تو ان وجوہات کی بناء پر یہاں (تصنع) فعل نکالا گیا ہے۔

دوسری بات: مفعول معہ کی صورتیں اور ہر ایک کی علامات

(فإن کان الفعل) سے لیکر آخر یعنی (لأن المعنی ماتصنع) تک کی عبارت میں صاحب کتابؒ نے چار صورتیں بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین صورتوں میں

(واؤ) کے مابعد کو مفعول معہ بنایا جاسکتا ہے دوصورتوں میں وجوبی طور پر اور ایک میں جوازی طور پر۔

پہلی صورت

فإن كان الفعل لفظاً وجاز العطف فالوجهان: اس عبارت میں پہلی صورت یہ بیان کی گئی ہے کہ مفعول معہ کا فعلِ عامل اگر لفظی ہو اور (واؤ) کے مابعد کا ماقبل والے اسم (یعنی فعل کی معمول) پر عطف بھی جائز ہو یعنی عطف سے کوئی چیز مانع نہ ہو تو اس کو دو وجہوں سے پڑھنا جائز ہے، پہلی یہ کہ اس کو مفعول معہ بنا کر منصوب پڑھا جائے جیسے (جئت أنا وزيداً)، اور دوسری یہ کہ اس کو معطوف بنا کر ماقبل والے اسم پر اس کا عطف ڈالا جائے جیسے (جئت أنا وزيدٌ) اس صورت میں بنا بر فاعلیت یہ مرفوع ہوگا۔

یہاں عطف کے جواز کی وجہ یہ ہے کہ ماقبل میں (ت) ضمیر متکلم مرفوع متصل کی تاکید (أنا) ضمیر منصوب منفصل کے ساتھ لائی گئی ہے جو کہ عطف کے جواز کے لئے ضروری ہے۔

دوسری صورت

وإلا تعين النصب: دوسری صورت یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر واؤ کے مابعد کا واؤ کے ماقبل پر عطف جائز نہ ہو یعنی کوئی مانع موجود ہو تو ایسی صورت میں اس کو صرف ایک ہی طریقے سے پڑھا جاسکتا ہے یعنی اس کو مفعول معہ بنا کر منصوب پڑھنا جیسے (جئت وزيداً) اس صورت میں عطف کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر (ت) ضمیر مرفوع متصل کی تاکید کسی ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ نہیں لائی گئی ہے جو کہ شرط ہے عطف کے جواز کے لئے۔

تیسری صورت

وإن كان معنىً وجاز العطفتعين العطف: تیسری صورت بیان کرتے

ہوئے صاحب کتاب فرمارہے ہیں کہ مفعول معہ کا عامل اگر فعل معنوی ہو اور (واؤ) کے ما بعد کا ماقبل والے اسم یعنی فعل معنوی کے معمول پر عطف جائز ہو یعنی کوئی مانع موجود نہ ہو تو اس کا عطف ہی متعین ہو جائے گا جیسے (ما لزيدٍ وعمرو)، وجہ اس کی یہ ہے کہ فعل معنوی ایک پوشیدہ اور کمزور عامل ہے جبکہ اس کے مقابلے میں (لام) حرف جر لفظی اور قوی عامل ہے تو ایک قوی عامل کے ہوتے ہوئے کمزور عامل کو عمل دینا زیب نہیں دیتا، لہٰذا (واؤ) کے مابعد کا (لزیدٍ) پر عطف ڈالکر مجرور ہی پڑھا جائے گا۔

چوتھی صورت

وإلاّ تعين النصب: فرمارہے ہیں کہ اگر عامل فعل معنوی ہو لیکن کسی مانع کی وجہ سے ماقبل پر اس کا عطف ڈالنا صحیح نہ ہو تو اس کو مفعول معہ بنا کر منصوب ہی پڑھا جائے گا جیسے (مالک وزیداً)، اس میں عامل اگرچہ معنوی اور کمزور ہے لیکن اس کے مقابلے میں کوئی اور عامل نہیں ہے تو اسی کو عمل دیا جائے گا۔

عطف کے عدم جواز کی وجہ یہاں پر یہ ہے کہ یہ ایک قاعدہ ہے کہ مجرور پر کسی چیز کا عطف ڈالنا تب صحیح ہوتا ہے کے معطوف پر اسی حرف جر کا اعادہ کیا جائے جو مجرور پر داخل ہے لیکن یہاں (مالک وزیداً) میں (لکَ) پر تو حرف جر داخل ہے لیکن آگے (زیدٌ) پر کوئی حرف جر داخل نہیں ہے لہٰذا عطف ناجائز ہوا، یہ مجرور بحرف الجر کی مثال تھی اور مجرور بالمضاف کی مثال: (ما شأنک وعمرواً) ہے، یہاں (عمرواً) کا اگر ماقبل پر عطف ڈالنا چاہے تو اس کے معطوف علیہ میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ (شأن) مضاف پر عطف ڈالا جائے، اور دوسرا یہ کہ (کاف) ضمیر مخاطب مضاف الیہ پر عطف ڈالا جائے، اور یہ دونوں غلط ہیں؛ اس لئے کہ اگر (شأن) مضاف پر اس کا عطف ڈالیں گے تو مقصود کے خلاف لازم آئے گا یعنی معنی خراب ہو جائے گا؛ کیونکہ مقصود ہمارا دونوں کی شان معلوم کرنا ہے جبکہ اس صورت میں معنی یوں بنتا ہے کہ آپ کی شان کیسی ہے اور عمرو کی ذات کیسی ہے۔

اور اگر (کاف) ضمیر خطاب پر ڈالیں گے تو بھی ناجائز ہے؛ اس لئے کہ اوپر ہم نے قاعدہ پڑھ لیا کہ مجرور پر عطف تب جائز ہوگا جب معطوف پر بھی اس حرف جر کا اعادہ کیا جائے لیکن یہاں پر عامل جار (شأن) مضاف ہے لیکن آگے اس کا کوئی اعادہ نہیں کیا گیا تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ عطف ناجائز ہے، لہٰذا بنا بر مفعول معہ ہونے کہ (عمرواً) کو منصوب پڑھا جائے گا۔

لأن المعنى ما تصنع؟: اس عبارت سے صاحب کتابؒ مذکورہ مثالوں میں فعل کے معنوی ہونے کی دلیل پیش فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ (مالک وزیداً) کا معنی ہے (ما تصنع وزيداً)، اور (ما لعمرو وزيد) کا معنی ہے (ما يصنع عمروٌ وزيدٌ)۔

اس پر ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ جب پہلی والی مثالوں میں بھی فعل معنوی ہے اس لئے کہ وہ بھی تو (تصنع) کا معنی دے رہا ہے اور یہاں آخری مثال میں بھی فعل معنوی ہے تو کیا وجہ ہے کہ آپ (ما تصنع؟) کو صرف (ما شأنکَ؟) کے ساتھ خاص کررہے ہو؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی مثالوں میں تو ایسے قرائن موجود تھے جو فعل پر دلالت کررہے تھے؛ کیونکہ ان دونوں میں جار مجرور تھے اور جار مجرور اپنے لئے متعلق ضرور چاہتے ہیں تو ان کا اپنے لئے متعلق کا تقاضا کرنا فعل مقدر پر دلالت کررہا تھا بخلاف اس آخری مثال کے کہ اس میں ایسی کوئی چیز دال نہیں تھی جو فعل کے موجودگی پر دلالت کرتی۔

فائدہ: ان شاء اللہ آپ حضرات شرح جامی پڑھ لینگے کہ مفعول معہ کے عامل میں علماء نحو کے کئی اقوال ہیں، چنانچہ پہلا قول شیخ عبد القادر رحمہ اللہ ہے کہ یہی (واؤ بمعنی مع) خود مفعول معہ میں عامل ہے۔

دوسرا قول امام اخفش رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ عامل تو پیچھے والا فعل ہوتا ہے لیکن وہ مفعول معہ میں عمل نہیں کرتا بلکہ وہ (واؤ بمعنی مع) میں عمل کرتا ہے لیکن عمل کا ظہور اسم میں نہیں ہوسکتا بلکہ مابعد والے اسم یعنی مفعول معہ میں ہوسکتا ہے اس لئے عمل کا ظہور اسی

اسم میں ہوگا جیسا کہ (إلّا) کا اعراب مابعد والے اسم یعنی مستثنیٰ پر ہوا کرتا ہے۔

اور تیسرا قول جمہور علماء نحو رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ مفعول معہ میں عامل وہی پیچھے والا فعل ہی ہے لیکن بواسطہ (واؤ بمعنی مع) کے۔

درس (۷۱)

چھٹے منصوب: حال کا بیان

الحال ما يبين هيئة الفاعل أو المفعول به لفظاً أو معنىً، نحو: ضربتُ زيداً قائماً، وزيدٌ في الدار قائماً، وهذا زيدٌ قائماً، وعاملها الفعل، أو شبهه، أو معناه.

ترجمہ: حال وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی حالت کو بیان کرے چاہے وہ (فاعل یا مفعول بہ) لفظی ہوں یا معنوی جیسے (ضربتُ زيداً قائماً، وزيدٌ في الدار قائماً، وهذا زيدٌ قائماً) اور اس کا فعل یا تو فعل ہوتا ہے یا شبہ فعل یا معنیٰ فعل۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) حال کی تعریف مع فوائد وقیود۔ (۲) مثالوں کی وضاحت۔

(۳) حال کے عامل کی تفصیل۔

پہلی بات: حال کی تعریف مع فوائد وقیود

مفاعیل خمسہ کے بیان سے فارغ ہو کر صاحب کتابؒ یہاں سے اس کے ملحقات بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ ملحقات کل سات ہیں: (۱) حال۔ (۲) تمیز۔ (۳) مستثنیٰ۔ (۴) خبر کان وأخواتها۔ (۵) اسم إنّ وأخواتها۔ (۶) اسم لائے نفی جنس۔ (۷) خبر ما ولا مشابہ بلیس۔

ان میں سے سب سے پہلے حال کے بارے میں فرمایا کہ (الحال) اس سے پہلے (ومنها) جار مجرور خبر مقدم مقدر ہے اور (الحال) اس کے لئے مبتداء مؤخر ہے، (منها) کی ضمیر (منصوبات) کی طرف بھی راجع کر سکتے ہو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ منصوبات میں سے چھٹا منصوب حال ہے، اور (ملحقات) کو مقدر نکال کر اس کی طرف بھی راجع کر سکتے ہو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ ملحقات میں سے پہلا والا حال ہے۔

حال کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ (الحال ما يبين هيئة الفاعل أو المفعول به لفظاً أو معنىً) یعنی حال وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول کی حالت کو بیان کرے چاہے وہ فاعل اور مفعول لفظوں میں مذکور ہوں یا مقدر ہوں۔

عبارت میں (لفظاً اور معنىً) یہ دونوں (الفاعل أو المفعول به) سے تمیز واقع ہو رہے ہیں اس لئے دونوں منصوب ہیں۔

دوسری بات: مثالوں کی وضاحت

حال کی تعریف کے بعد صاحب کتابؒ نے اس کے لئے تین مثالیں پیش فرمائی ہیں:

پہلی مثال

ضربتُ زيداً قائماً: یہاں (قائماً، ضربتُ) کی ضمیر فاعل سے یا (زيداً) مفعول بہ سے حال واقع ہو رہا ہے، اور یہ دونوں لفظوں میں مذکور ہیں کسی تقدیری عبارت نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسری مثال

• زيدٌ في الدار قائماً: یہ فاعل معنوی کی مثال ہے کیونکہ یہاں (قائماً، زيدٌ) سے حال واقع ہو رہا ہے اور (زيدٌ) لفظی طور پر فاعل تو ہے نہیں بلکہ لفظی طور پر تو وہ

مبتداء واقع ہو رہا ہے ہاں معنوی طور پر وہ فاعل بن سکتا ہے؛ کیونکہ یہاں ہم (کَانَ) فعل یا (کائنٌ) صیغہ اسم فاعل مقدر نکالیں گے جن دونوں کے اندر (ھو) ضمیر فاعل ہے جو کہ راجع ہے اسی (زیدٌ) کی طرف، تو گویا کہ یہ فاعل معنوی ہوا، تقدیری عبارت یوں ہوگی: (زیدٌ حاصلٌ فی الدار قائماً، یازیدٌ حصلَ فی الدار قائماً).

تیسری مثال

هذا زیدٌ قائماً: یہ مفعول معنوی کی مثال ہے اس لئے کہ اس کی تقدیری عبارت یہ بنے گی (أشیر إلی زیدٍ قائماً)، یہاں (قائماً، زیدٌ) سے حال واقع ہو رہا ہے اور معنوی طور پر مفعول بہ ہے۔

انصاف کی بات یہ ہے کہ صاحب کافیہؒ نے جو حال کی تعریف بیان فرمائی ہے اس میں کافی تکلفات کرنی پڑتی ہیں جیسا کہ آخری دو مثالوں میں آپ کو اس کا اندازہ ہوا ہوگا، جبکہ اس کے مقابلے میں جمہور علماء نحوؒ نے جو تعریف بیان فرمائی ہیں وہ بالکل بے غبار قسم کی تعریف ہے اس میں (لفظاً اور معنیً) کی قیدیں بھی لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی اور مذکورہ مثالیں بھی فوری طور پر سمجھ میں آجاتی ہیں، ان کے ہاں حال کی تعریف یہ ہے کہ حال وہ اسم یا جملہ ہے جو فاعل، مفعول، مبتداء، خبر اور جار مجرور میں سے کسی ایک کی حالت کو بیان کرے۔

اب مذکورہ تعریف کو سامنے رکھ کر مثالیں ملاحظہ ہوں: (ضربتُ زیداً قائماً) میں فاعل یا مفعول کی حالت بیان ہو رہی ہے، اور (زیدٌ فی الدار قائماً) میں مبتداء کی حالت بیان ہو رہی ہے، اور (هذا زیدٌ قائماً) میں خبر کی حالت بیان ہو رہی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب۔

فوائد و قیود

عبارت بالا میں (الحال) معرّف اور (ما) سے لے کر (لفظاً أو معنیً) تک

پوری عبارت اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں (مــا) جنس ہے جس میں سارے منصوبات شامل ہو رہے تھے، لیکن (هيئة) فصل اول لگا کر تمیز کو خارج کر دیا؛ اس لئے کہ تمیز کسی چیز کی ہیئت کو نہیں بلکہ اس کی ذات کو بیان کرتی ہے جیسے (عندی عشرون درهماً) یہاں (درهماً، عشرون) کی ذات کو بیان کرنے کے لئے لایا گیا ہے اس کے بعد (الفاعل اور المفعول به) فصل ثانی کی قید لگا کر اس سے باقی منصوبات کو بھی خارج کر دیا۔

تیسری بات: حال کے عامل کی تفصیل

وعاملها الفعل أو شبهه أو معناه: صاحب کتابؒ اس عبارت میں حال کے عامل کی تین صورتیں بیان فرما رہے ہیں:

پہلی صورت

عاملها الفعل: فرمایا کہ یا تو حال کا عامل فعل لفظی ہوگا جیسا کہ پہلی مثال (ضربتُ زیداً قائماً) میں گذر گیا، اس میں جو (ضربتُ) فعل لفظی ہے یہ (قائماً) حال میں عمل کر رہا ہے۔

دوسری صورت

أو شبهه: یا اس کا عامل شبہ فعل کی صورت میں ہوگا جیسا کہ دوسری مثال (زیدٌ فی الدار قائماً) میں گذر گیا، یہ اصل میں (زیدٌ کائنٌ فی الدار قائماً) تھا، تو (کائنٌ) جو شبہ فعل ہے یہ (قائماً) حال میں عمل کر رہا ہے۔

یاد رہے کہ شبہ فعل چھ چیزوں کو کہتے ہیں: (۱) اسم فاعل۔ (۲) اسم مفعول۔ (۳) صفت مشبہ۔ (۴) اسم تفضیل۔ (۵) مصدر۔ (۶) اسم فعل۔

تیسری صورت

أو معناه: فرماتے ہیں کہ یا اس کا عامل فعل معنوی کی صورت میں ہوگا جیسا کہ

تیسری مثال (هذا زيدٌ قائماً) میں گزر گیا ہے، اس جملے میں لفظی طور پر فعل تو کوئی نہیں البتہ (هذا) اسم اشارہ سے معنوی طور پر (أشير) فعل ہم نے نکالا، اور وہی فعل (قائماً) حال میں عمل کر رہا ہے۔

درس (۷۲)

حال کے لئے ایک ضروری قاعدہ

وشرطها أن تكون نكرةً وصاحبها معرفةً غالباً، وأرسلها العراكَ، ومررت به وحده، ونحوه متأولٌ، فإن كان صاحبها نكرةً وجبَ تقديمها.

ترجمہ: اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو اور ذوالحال معرفہ ہو اکثر طور پر، اور (أرسلها العراكَ، ومررت به وحده) جیسی مثالوں میں تاویل کی گئی ہے، اور اگر ذوالحال نکرہ ہو تو اس کا مقدم کرنا واجب ہوگا۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) حال کے لئے ایک ضروری قاعدہ۔

(۲) مذکورہ قاعدے پر اشکال اور اس کا جواب۔

(۳) حال کا ذوالحال پر مقدم کرنا۔

پہلی بات: حال کے لئے ایک ضروری قاعدہ

وشرطها أن تكون نكرةً: یہاں سے حال اور ذوالحال کے لئے باعتبار تعریف اور تنکیر کے ایک قاعدہ بیان فرما رہے ہیں، قاعدہ یہ ہے کہ حال ہمیشہ کے لئے نکرہ ہوگا اور ذوالحال اکثر معرفہ ہوگا اور کبھی کبھار نکرہ بھی واقع ہو سکتا ہے جس کی پوری تفصیل بعد

میں آرہی ہے۔

حال کے لئے نکرہ ہونے کی شرط اس لئے لگائی تا کہ حالت نصبی میں اس کا صفت کے ساتھ التباس لازم نہ آئے مثلاً اگر یہ شرط نہ لگائی جائے اور یہ کہا جائے کہ (ضربتُ زیداً القائمَ) تو پتہ نہیں چلے گا کہ (القائم، زیدٌ) کے لئے صفت ہے یا حال لیکن علمائے عرب وعلماء نحو نے جب اس کے لئے نکرہ ہونے کی شرط لگائی تو اب التباس کوئی نہیں ہوگا اور دونوں میں فرق بالکل واضح طور پر محسوس ہوگا وہ اس طرح کہ (ضربتُ زیداً قائماً) آپس میں حال اور ذوالحال ہونگے جبکہ (ضربتُ زیداً القائمَ) موصوف اور صفت ہونگے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسم کے لئے معرفہ اور نکرہ میں سے اصل اس کا نکرہ ہونا ہے یہاں ضرورت اصل نکرہ کے ذریعے سے پوری ہورہی ہے اور خوب اچھے طریقے سے پوری ہورہی ہے تو فرع (معرفہ) کی طرف جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حال کی خبر کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے؛ کیونکہ جس طرح خبر محکوم بہ ہوتا ہے اسی طرح حال بھی محکوم بہ ہوا کرتا ہے، اور محکوم بہ کے لئے اصل یہ ہے کہ وہ نکرہ ہو، اور ذوالحال کے لئے معرفہ ہونے کی شرط لگائی؛ اس لئے کہ یہ مبتداء کی طرح محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ چونکہ معرفہ ہوا کرتا ہے لہٰذا یہ بھی معرفہ ہوگا۔

دوسری بات: مذکورہ قاعدے پر اشکال اور اس کا جواب

وأرسلها العراكَ ومررت به وحده: یہاں سے ایک اشکال کا جواب دے رہے ہیں، اشکال یہ ہے کہ ابھی آپ نے قاعدہ بیان فرمایا کہ حال ہمیشہ نکرہ ہوگا اور اس پر تین دلائل بھی پیش فرمائے حالانکہ حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ جو ایک صحابی ہے اور فصیح وبلیغ عرب ہے بلکہ عربی زبان کے بڑے پائے کے شاعر بھی ہے اس نے جو ایک شعر کہا ہے:

وأرسلها العراکَ ولم یذدها　　ولم یشفق علی نغض الدّخال

ترجمہ اس کا یہ ہے کہ اس حمار وحشی نے مادہ گدھیوں کو پانی پینے کے لئے بھیج دیا درانحالیکہ وہ ازدحام کے ساتھ گئیں اور نہ تو ان کو ازدحام سے روکا اور نہ اس کو یہ خطرہ گذرا کہ ازدحام کی وجہ سے یہ پیاسی رہ جائے گی۔

مذکورہ شعر کی تحقیق

مشہور صحابی حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تفریحاً کسی پہاڑی کی طرف تشریف لے گئے تھے وہاں دیکھا کہ پہاڑ کے دامن میں ایک چشمے پر کچھ مادہائے گور خر دیگر عام گدھیوں کے ساتھ پانی پینے کے لئے پہنچی ہوئیں ہیں اور ایک گورِخر بلند مقام پر کھڑا ان کو دیکھ رہا ہے جس سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ ان کی حفاظت کے لئے کھڑا ہے یعنی اگر کسی شکاری وغیرہ کا کھٹکا ہو تو یہ ان کو آگاہ کر دے، حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے اس عجیب منظر کو دیکھ کر یہ شعر کہا:

وأرسلها العراکَ ولم یذدها　　ولم یشفق علی نغض الدّخال

محل استشهاد: دیکھئے مذکورہ شعر میں (العراک، أرسلها) کی (هاء) ضمیر سے حال واقع ہو رہا ہے اس کے باوجود یہ معرفہ ہے، اسی طرح (مررتُ به وحده) میں (وحده، به) کی ضمیر سے حال واقع ہونے کے باوجود اسم ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ ہے، لہٰذا بے ادبی معاف ہو یا تو آپ کا پیش کردہ قاعدہ صحیح نہیں ہے یا یہ مثالیں غلط ہیں۔

اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے صاحب کافیہ نے دریا بکوز کی طرح ایک ہی کلمہ میں صاحب اشکال کو خاموش کر دیا کہ (متأولٌ) یعنی جناب عالی یہ دونوں بھی اور اس جیسے ہر وہ کلمہ جو کہ حال بن رہا ہو لیکن بظاہر وہ معرفہ ہو تو اس میں تاویل کی ہوئی ہوتی ہے، تاویل میں قدرے تفصیل ہے:

امام ابوعلی صاحب فرماتے ہیں کہ جناب عالی! ہم نے قاعدہ پیش کیا ہے حال اور ذوالحال کے لئے اور آپ اس پر اشکال کر رہے ہو مفعول مطلق کی مثال کے ذریعے، یہ کہاں کا انصاف ہے؛ کیونکہ آپ نے جو مثال پیش فرمائی ہے اس کا حال اور ذوالحال کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ پہلی مثال میں (العراکَ، تعترکُ) فعل مقدر کے لئے مفعول مطلق بن رہا ہے، اور دوسری مثال میں بھی (وحدہ، ینفرد) کے لئے مفعول مطلق من غیر لفظہ بن رہا ہے، لہٰذا اگر آپ نے ہمارے قاعدے پر اشکال کرنا ہو تو حال اور ذوالحال کی مثالیں دے کر اس پر اشکال کرو۔

امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ جناب محترم! (العراک اور وحدہ) اگرچہ لفظاً معرفہ ہیں لیکن حقیقۃً یہ دونوں نکرہ ہیں؛ اس لئے کہ (العراک، معترکۃً) کے معنی میں ہے، اور (وحدہ، منفردۃ) کے معنی میں ہے اور (معترکۃ اور منفردۃ) دونوں نکرہ ہیں۔
فالآن ما ھو جوابکم فھو جوابنا۔

تیسری بات: حال کا ذوالحال پر مقدم کرنا

فإن کان صاحبھا نکرۃ وجب تقدیمھا: اس عبارت میں مذکورہ قاعدے کا بقایا حصہ پورا کر رہے ہیں وہ یہ کہ جس طرح ہم نے قاعدہ بیان کرتے ہوئے یہ کہا تھا کہ ذوالحال اکثر طور پر معرفہ ہوگا اور کبھی کبھار نکرہ بھی واقع ہو سکتا ہے، اب فرما رہے ہیں کہ جب ذوالحال نکرہ واقع ہو جائے تو وہاں حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے اس لئے کہ اگر ایسی حالت میں حال اور ذوالحال کو اپنی ہی ترتیب پر باقی رکھیں گے تو حالت نصبی میں التباس بالصفت کی خرابی لازم آئی گی، مثلاً اگر کوئی کہے کہ (ضربتُ رجلاً مجرَّداً عن ثیابہ) تو متکلم کی نیت اگرچہ یہ ہے کہ (مجرَّداً، رجلاً) سے حال واقع ہو رہا ہے لیکن دیکھنے اور سننے والے تو اس کی نیت پر مطلع نہیں ہیں بلکہ وہ تو ظاہری الفاظ کو دیکھ رہے ہیں اور ظاہر میں (مجرَّداً، رجلاً) کے لئے جس طرح حال واقع ہو سکتا ہے، ایسے ہی یہ اس کے

لئے صفت بھی واقع ہو سکتی ہے اور غالب بھی یہی لگ رہا ہے، لہٰذا حالت نصبی میں قاعدے کی رو سے حال کو مقدم رکھا جائے گا اور حالت رفعی میں اگرچہ التباس کا کوئی خطرہ نہیں لیکن طرداللباب یہاں بھی حال کو مقدم رکھا جائے گا۔

لہٰذا جیسے نکرہ محضہ کی صورت میں تخصیص پیدا کرنے کے لئے خبر کی تقدیم واجب ہوتی ہے اسی طرح ذوالحال میں تخصیص پیدا کرنے کے لئے حال کو مقدم کرنا واجب ہوگا جیسا کہ مشہور اصول ہے (التقديم ما حقه التأخير يفيد الحصر والاختصاص)۔

درس (۷۳)

حال کو ذوالحال پر مقدم کرنے کی دو صورتیں

ولا يتقدم على العامل المعنوي بخلاف الظرف، ولا على المجرور على الأصحّ، وكل ما دلَّ على هيئةٍ صحَّ أن يقع حالاً، مثل: هذا بسراً أطيب منه رُطباً.

ترجمہ: اور مقدم نہیں ہوگا حال عامل معنوی پر بخلاف ظرف کے، اور نہ اس ذوالحال پر جو مجرور ہو حرف جر کے ساتھ صحیح تر قول کی بناء پر، اور ہر وہ اسم جو کسی ہیئت پر دلالت کرے اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے جیسے (هذا بسرا أطيب منه رطباً)۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) تقدیم حال کے عدم جواز کی پہلی صورت۔

(۲) مذکورہ حالت سے ایک استثنائی صورت۔

(۳) تقدیم حال کے عدم جواز کی دوسری صورت۔

(۴) صاحب کافیہ کا جمہور علماء نحو پر رد۔

پہلی بات: تقدیم حال کے عدم جواز کی پہلی صورت

ولا یتقدم علی العامل المعنوی: یہاں سے (علی الأصح) والی عبارت تک تقدیم حال کی عدم جواز کی دو صورتیں اور جواز کی ایک استثنائی صورت بیان فرما رہے ہیں۔

پہلی صورت یہ ہے کہ حال اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوسکتا؛ اس لئے کہ عامل معنوی ایک ضعیف عامل ہے اپنے مابعد میں تو عمل کرسکتا ہے لیکن اپنے ماقبل میں نہیں کرسکتا جیسے یہ کہنا تو جائز ہوگا (ھذا زیدٌ قائماً) لیکن (ھذا) اسم اشارہ جو عامل معنوی ہے اس پر (قائماً) حال کو مقدم کرکے (قائماً ھذا زیدٌ) کہنا جائز نہیں ہوگا۔

لیکن جہاں التباس کا خطرہ ہو تو وہاں تقدیم جائز ہے جیسے (زیدٌ قائماً کعمرو قاعداً) یہاں (کاف تشبیہ) جو عامل معنوی ہے اس پر (قائماً) کو مقدم کیا گیا ہے اس لئے کہ اگر مقدم نہ کیا جائے اور (زیدٌ کعمرو قائماً قاعداً) کہا جائے تو التباس پیدا ہوگا اور پتہ نہیں چلے گا کہ ان میں سے کونسا اسم کونسے اسم کے لئے حال بن رہا ہے۔

دوسری بات: مذکورہ حالت سے ایک استثنائی صورت

بخلاف الظرف: یہاں سے جواز کی ایک استثنائی صورت بیان فرمارہے ہیں کہ اگر حال کا عامل ظرف ہو تو ظرف اگرچہ عامل معنوی ہے لیکن اس پر حال کو مقدم کیا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ (یسع فی الظرف ما لا یسع فی غیرہ لکثرۃ ورودہ فی الکلام) یعنی ظرف کے کثرت وقوع کی وجہ سے اس میں ان چیزوں کی وسعت ہے جو اس کے غیر میں نہیں ہوتی، لیکن یہ بات یاد رہے کہ ظرف پر حال کا مقدم کرنا کوئی اتفاقی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس میں امام سیبویہ اور امام اخفش رحمہما اللہ کا اختلاف ہے:

امام سیبویہ فرماتے ہیں کہ ظرف عامل معنوی ہے اور اوپر یہ بات گذری ہے کہ عامل معنوی کمزور قسم کا عامل ہے لہٰذا اس پر حال کو مقدم نہیں کیا جاسکتا جیسے (زیدٌ قائماً فی

الدار) کہنا ناجائز ہے۔

اور امام اخفش صاحب فرماتے ہیں کہ اگر حال سے پہلے مبتداء ہو تو پھر ایسی صورت میں حال کا مقدم کرنا تو جائز ہے جیسے (زیدٌ قائماً فی الدار) اس کی تقدیری عبارت یوں ہوگی (زیدٌ ثبت فی الدار قائماً) اس صورت میں (قائماً، ثبت) کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے جو (زیدٌ) کی طرف راجع ہے، اور حال سے پہلے مبتداء کی شرط اس لئے لگائی تا کہ اس کی وجہ سے ظرف کو تقویت مل جائے؛ کیونکہ وہ خود ضعیف عامل ہے۔

دوسری وجہ جو اس سے زیادہ قوی لگ رہی ہے وہ یہ ہے کہ حال اگرچہ ظرف پر مقدم ہو لیکن اس حال سے پہلے مبتداء ہو تو وہاں ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ حال ظرف پر مقدم ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ من کل الوجوہ اس پر مقدم ہے؛ کیونکہ یہی ظرف مبتدائے مذکور کی خبر بن رہی ہے اور خبر کا رتبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ مبتداء کے ساتھ متصل ہوتی ہے، جبکہ یہاں حال ظرف پر اگرچہ لفظاً تو مقدم ہے لیکن رتبۃً مقدم نہیں ہے بلکہ رتبہ تو حال کا خبر کے بعد ہے اور عامل ضعیف کا عمل اپنے ماقبل میں تب مانع ہوتا ہے جبکہ وہ من کل الوجوہ یعنی لفظاً ورتبۃً دونوں اعتبار سے مؤخر ہو جیسے (قائماً زیدٌ فی الدار یا قائماً فی الدار زیدٌ) یہ باتفاق امام سیبویہ وامام اخفش رحمہما اللہ کے ناجائز ہے، امام سیبویہ تو وہی وجہ بتائینگے کہ ظرف عامل ضعیف ہے اور امام اخفش کے ہاں اس لئے کہ اس صورت میں ظرف من کل الوجوہ مؤخر ہے۔

تیسری بات: تقدیم حال کے عدم جواز کی دوسری صورت

ولا علی المجرور علی الأصح: دوسری صورت جہاں حال کو ذوالحال پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ ذوالحال اگر مجرور ہو چاہے مجرور بحرف الجر ہو یا مجرور بالمضاف ہو دونوں صورتوں میں صحیح تر قول کے مطابق حال کو ذوالحال پر مقدم نہیں کیا جاسکتا؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ حال کو مقدم کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو جار اور

مجرور دونوں پر مقدم کیا جائے مثلاً (مررت برجلٍ راکباً سے مررتُ راکباً برجلٍ)، یہ اس لئے ناجائز ہے کہ جس طرح مجرور کو حرف جر پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح مجرور کے تابع کو بھی اس پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ حال کو صرف ذوالحال مجرور پر مقدم کیا جائے اور حرف جر اس سے پہلے ہو جیسے (مررت برجلٍ راکباً سے مررت براکباً رجلٍ) یہ بھی اس لئے ناجائز ہے کہ ایسی صورت میں حرف جر اور مجرور کے درمیان فاصلہ لازم آجائے گا جس کی وجہ سے یہ مجرور منفصل بن جائے گا جبکہ ہم نے نحو میر میں یہ بات پڑھی ہیں کہ حروف جارہ کمزور قسم کے عامل ہیں ان کے ساتھ مجرور متصل تو آسکتا ہے لیکن منفصل نہیں آسکتا۔

اسی طریقے سے ذوالحال مجرور بالمضاف ہو تو وہاں بھی حال کو اس پر مقدم نہیں کیا جاسکتا؛ اس لئے کہ یہاں بھی تقدیم حال کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ حال کو مضاف اور مضاف الیہ دونوں پر مقدم کیا جائے جیسے (جاء تنی ضاربة زید مجرّداً عن الثیاب کو جاء تنی مجردا عن الثیاب ضاربة زید) پڑھا جائے۔

اس کے عدم جواز کی وجہ وہی ہے جو بیان ہوگئی کہ حال ذوالحال کا تابع ہوتا ہے اور متبوع یہاں پر مضاف الیہ واقع ہو رہا ہے تو جس طرح خود مضاف الیہ کا مضاف پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح اس پر اس کے تابع کا مقدم کرنا بھی جائز نہیں ہے، لہٰذا (مجردا عن الثیاب جو زیدٌ) سے حال واقع ہو رہا ہے تو جس طرح (زیدٌ کا ضاربة) پر مقدم کرنا ناجائز ہے اسی طرح (مجردا عن الثیاب) کا (زیدٌ) پر مقدم کرنا بھی ناجائز ہے۔

اور تقدیم کی دوسری صورت یہ ہے کہ حال کو صرف ذوالحال یعنی مضاف الیہ پر مقدم کیا جائے اور مضاف اپنی جگہ پر رہے تو یہ بھی اس لئے ناجائز ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان فصل لازم آئے گا جیسے (جاء تنی ضاربة زید مجرّداً عن الثیاب کو

جاء تنی ضاربة مجردا عن الثیاب زیدٍ) پڑھا جائے۔

بعض علمائے کوفیین کے ہاں ذوالحال اگر حرف جر کے ذریعے مجرور ہوتو حال کو اس پر مقدم کیا جاسکتا ہے دلیل ان کی قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے ﴿وما أرسلناک إلا کافة للناس بشیرا ونذیرا﴾ یہاں ﴿کافة، للناس﴾ مجرور سے حال واقع ہو رہا ہے اور اس سے مقدم ہے۔

جمہور علمائے نحو نے اس کے دو جوابات دیے ہیں:

ایک یہ کہ ﴿کافةً﴾ بے شک حال ہے لیکن ﴿للناس﴾ سے نہیں ہے بلکہ ﴿أرسلناک﴾ کی ضمیر خطاب سے حال ہے، اور وہ اس پر مقدم ہے لہٰذا کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔

دوسرا یہ کہ ﴿کافةً﴾ حال نہیں ہے بلکہ مصدر محذوف کی صفت ہے اور اصل عبارت یوں ہے ﴿وما أرسلناک إلا رسالةً کافة للناس﴾ لہٰذا اس صورت میں بھی کوئی اشکال باقی نہیں رہا۔ (کما فی تقریر الکافیة)۔

چوتھی بات: صاحب کافیہ کا جمہور علماءِ نحو پر رد

وکل مادل علی هیئة صحّ أن یقع حالاً: اس عبارت سے صاحب کافیہ جمہور علماءِ نحو پر رد فرما رہے ہیں؛ کیونکہ انہوں نے حال کے لئے اسم مشتق کی شرط لگائی ہیں اور جو اسم غیر مشتق حال واقع ہو اس کو مشتق کے تاویل میں لیتے ہیں۔

تو فرمایا کہ اس طرح شرط لگانا صحیح نہیں ہے بلکہ ہر وہ اسم جو کسی حالت پر دلالت کر رہا ہو اس کا حال واقع ہونا صحیح ہے چاہے وہ اسم مشتق ہو یا نہ ہو جیسے (هذا بسراً أطیب منه رطباً) غور فرمائیں یہاں (بسراً) اور (رُطباً) دونوں اسم جامد ہونے کے باوجود حال واقع ہو چکے ہیں؛ کیونکہ (بسر) اس نیم پختہ کھجور کو کہتے ہیں جس میں قدرے ترشی باقی ہو، تو گویا کہ اس کی دلالت نیم پختگی پر ہوگئی، اور (رطب) اس پختہ کھجور کو کہتے ہیں جس میں

مٹھاس ہی مٹھاس ہو اور ترشی بالکل نہ ہو، تو گویا کہ اس کی دلالت پختگی پر ہوگئی، تو کسی چیز کا پختہ یا نیم پختہ ہونا یہ دونوں حالتیں ہیں اور ان حالتوں پر (رطباً اور بسراً) دلالت کررہے ہیں باوجود یکہ یہ دونوں اسم جامد ہیں، لہٰذا صاحب کتاب کے پیش کردہ قاعدے (وکل ما دل علی هیئة..إلخ) کے تحت ان دونوں کا حال واقع ہونا صحیح ہوگیا۔

(هذا) اسم اشارہ کا مشارہ الیہ (تمرٌ) ہے اس کے بعد (بسراً، أطیبُ) کی ضمیر مستتر یعنی (هو) سے حال واقع ہورہا ہے اور (رطباً، منه) کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہورہا ہے اور ان دونوں ذوالحال میں (أطیب) صیغہ اسم تفضیل عامل ہے، پہلے (هو) ضمیر میں؛ اس لئے کہ وہ اس کا فاعل ہے اور دوسرے (منه) کی ضمیر مجرور میں؛ اس لئے کہ وہ مفعول بہ ہے، اور قاعدہ ہے کہ ذوالحال کا عامل حال میں بھی عمل کرتا ہے یعنی دونوں کا عامل ایک ہوا کرتا ہے لہٰذا (بسرا اور رطباً) میں بھی یہی (أطیب) صیغہ اسم تفضیل عامل بنا، یہی امام سیبویہ اور محققین علماء نحو کا قول ہے۔

یہاں ایک اشکال واقع ہوسکتا ہے کہ جناب عالی ماقبل میں ہم نے یہ قاعدہ پڑھا تھا کہ (ولا یتقدم علی العامل المعنوی) اور وجہ اس کی یہ بتائی تھی کہ عامل معنوی ضعیف ہوتا ہے جو اپنے مابعد میں تو عمل کرسکتا ہے لیکن ماقبل میں نہیں کرسکتا، تو اسم تفضیل بھی تو ایک ضعیف عامل ہے لہٰذا یہاں بھی تقدیم حال جائز نہیں ہونا چاہئے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جناب محترم! وہ قاعدہ بالکل ایک مسلمہ قاعدہ ہے لیکن اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے؛ کیونکہ اس کے لئے بھی ایک مستقل قاعدہ ہے کہ ایک ہی چیز کے اگر مختلف اعتبارات سے دو حال بن رہے ہوں تو ہر حال کا اپنے ذوالحال سے متصل ہونا ضروری ہوگا، مثال مذکور میں مختلف اعتبار سے ایک ہی مشارٌ الیہ (کھجور کے خوشے) سے دو حال واقع ہورہے ہیں؛ کیونکہ مشارٌ الیہ مفضَّل ہے تو اس اعتبار سے (بسراً) اس کا حال ہے، اور مفضَّل علیہ بھی ہے تو اس اعتبار سے (رطباً) اس کا حال ہے، لہٰذا (بسراً) کو (هذا) کے ساتھ اور (رطباً) کو (منه) کی ضمیر مجرور کے ساتھ متصل رکھا گیا تو لازمی طور پر

(بسراً کو أطیبُ) پر مقدم کردیا گیا۔

درس (۷۴)

حال کا جملہ خبر یہ ہونا اور اس میں رابطہ کی صورتیں

وقد تكون جملةً خبريةً، فالاسمية بالواو والضمير، أو بالواو، أو بالضمير على ضعفٍ، والمضارع المثبت بالضمير وحده، وما سواهما بالواو والضمير، أو بأحدهما.

ترجمہ: اور کبھی ہوتا ہے حال جملہ خبر یہ بھی، پس جملہ اسمیہ (اگر حال واقع ہو تو رابطہ) واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ یا صرف واؤ یا صرف ضمیر کے ساتھ ہوگا لیکن یہ ضعیف ہے، اور مضارع مثبت (جب حال واقع) ہو تو رابطہ صرف ضمیر کے ساتھ ہوگا، اور ان دونوں (یعنی جملہ اسمیہ اور مضارع) کے علاوہ رابطہ واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ یا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ہوگا۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) حال کا جملہ خبر یہ کی صورت میں آنا۔

(۲) جملہ اسمیہ کی صورت میں رابطہ کی صورتیں۔

(۳) مضارع مثبت کی صورت میں رابطہ کی صورتیں۔

(۴) ان دونوں کے علاوہ میں رابطہ کی صورتیں۔

پہلی بات: حال کا جملہ خبر یہ کی صورت میں آنا

وقد تكون جملةً خبريةً: صاحب کتاب حال مفردہ کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب یہاں اس حال مرکبہ کو بیان فرمارہے ہیں تو فرمایا کہ (**وقد تكون جملة**

خبریة) یعنی حال کی اصل اور کثرت استعمال والی صورت تو یہ ہے کہ وہ مفرد ہو لیکن کبھی جملہ کی صورت میں بھی آسکتی ہے لیکن خلاف الأصل اور قلیل الاستعمال والی صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حال جملہ کی صورت میں ہو تو اسی طرح حال بھی جملہ کی صورت میں آسکتا ہے۔

اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جس طرح مفرد کلمہ کسی کیفیت پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ بھی کیفیت پر دلالت کر سکتا ہے، اور ابھی ماقبل میں ہم نے یہ قاعدہ پڑھا تھا کہ (و کل ما دلَّ علی هیئةٍ صحَّ أن یقع حالاً)۔

یاد رہے کہ صاحب کتاب نے (جملة) کے ساتھ (خبریة) کی قید لگائی ہے اس کے ذریعے گویا کہ جملہ انشائیہ سے احتراز فرمایا؛ کیونکہ حال بمنزلہ خبر اور صفت کے ہوتا ہے لہٰذا جیسے خبر اور صفت جملہ انشائیہ کی صورت میں نہیں آسکتے ایسے ہی حال بھی جملہ انشائیہ کی صورت میں نہیں آسکتا۔

پھر جملہ خبریہ عام ہے چاہے اسمیہ ہو یا فعلیہ دونوں حال واقع ہو سکتے ہیں: اسمیہ کی مثال (جاء نی زیدٌ وغلامه راکبٌ) اس میں (وغلامه راکبٌ) پورا جملہ اسمیہ (زیدٌ) فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے، اور جملہ فعلیہ کی مثال (جاء نی زیدٌ ویرکب غلامه) اس میں (ویرکب غلامه) پورا جملہ فعلیہ (زیدٌ) فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

دوسری بات: جملہ اسمیہ کی صورت میں رابطہ کی صورتیں

فالاسمیة بالواو....: جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ حال جملہ کی صورت میں آسکتا ہے تو حال کا جملہ کی صورت میں آنا اس کے پانچ احتمالات ہو سکتے ہیں:

(۱) حال جملہ اسمیہ کی صورت میں ہو۔

(۲) حال جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو اور فعل ماضی مثبت ہو۔

(۳) حال جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو اور فعل ماضی منفی ہو۔

(۴) حال جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو اور فعل مضارع مثبت ہو یہی صورت

صاحب کافیہ نے ذکر فرمائی ہے۔

(۵) حال جملہ فعلیہ کی صورت میں ہو اور فعل مضارع منفی ہو۔

یہ تو ہو گئے پانچ احتمالات، اس کے علاوہ میرے عزیزو! آپ حضرات کو یاد ہو گا کہ نحو میر میں ہم نے پڑھا تھا کہ حال جب جملہ کی صورت میں ہو تو اس میں ذوالحال کی طرف کسی عائد اور رابطہ کا ہونا ضروری ہے، اور عائد صرف دو ہیں:

(۱) واؤ۔(۲) ضمیر۔ تو رابطہ دو ہیں اور احتمالات کل پانچ ہیں اب ہم نے دو کو پانچ پر تقسیم کرنا ہے، تو فرماتے ہیں کہ (فالاسمية بالواو والضمير، أو بالواو، أو بالضمير على ضعف) یعنی حال اگر جملہ اسمیہ کی صورت میں ہو تو رابطہ اور عائد کی تین صورتیں ہیں:

(۱) بیک وقت واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ جملہ اسمیہ میں استقلال قوی ہوتا ہے کیونکہ ایک تو وہ اپنا معنی دینے میں کسی اور کلمے کا محتاج نہیں ہوتا اور دوسرا یہ کہ اس کے معنی میں دوام اور استمرار ہوتا ہے، لہٰذا استقلال کے قوی ہونے کی وجہ سے ہر دیکھنے والا اس کو ایک مستقل اور غیر مربوط جملہ سمجھے گا لیکن جب ہم عائد لگائینگے اور عائد بھی قوی ہو (اور وہ تب ہی ہو سکتا ہے جب وہ واؤ اور ضمیر دونوں کی صورت میں ہو) تو پھر ہر کوئی سمجھے گا کہ یہ کوئی مستقل جملہ نہیں ہے بلکہ اس واؤ اور ضمیر کے ذریعے یہ ماقبل کے ساتھ ایک مربوط جملہ ہے جیسے (جاء ني زيدٌ وأبوه قائمٌ)، جملہ اسمیہ میں عائد کی بہتر اور افضل صورت یہی ہے۔

(۲) أو بالواو: دوسری صورت یہ ہے کہ عائد صرف (واؤ) کی صورت میں ہو یہ بھی جائز ہے؛ اس لئے کہ (واؤ) آتا ہے معطوف کے شروع میں اور وہ اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ مابعد والے جملے کا ماقبل والے جملے کے ساتھ باقاعدہ ربط ہے جیسے (جئتك والشمس طالعة) اور ایک حدیث میں بھی ہے (كنتُ نبيا وآدم بين الماء والطين)۔

(۳) او بـالـضمير على ضعف: تیسری صورت یہ ہے کہ عائد صرف ضمیر کی صورت میں ہو اس کے متعلق صاحب کتاب نے فرمایا کہ یہ اگرچہ جائز تو ہے لیکن ہے ضعیف صورت؛ اس لئے کہ ضمیر عام طور پر کلام کے شروع میں نہیں ہوتی بلکہ اس کے آخر میں ہوتی ہے اور ایسی حالت میں وہ فوری طور پر دلالت نہیں کر سکتی کہ یہ جملہ ماقبل والے اسم کے ساتھ مربوط ہے بلکہ یہ ایک الگ ہی جملہ شمار کیا جاتا ہے جیسے (کَلَّمْتُهُ فُوْهُ إِلىَ فِيَّ) یعنی میں نے اس سے بات کی درانحالیکہ اس کا چہرہ میرے چہرے کی طرف تھا، لیکن اگر کہیں ضمیر شروع میں ہو تو وہاں عائد صرف ضمیر کی صورت میں لانا بھی جائز ہے جیسے (جاء نی زیدٌ هو راکبٌ)۔

تیسری بات: مضارع مثبت کی صورت میں رابطہ کی صورتیں

والمضارع المثبت بالضمير وحده: احتمالات خمسہ میں سے احتمال رابع کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ جب جملہ مضارع مثبت کی صورت میں ہو تو اس میں رابطہ اور عائد کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے کہ وہاں صرف ضمیر لائی جائی گی؛ وجہ اس کی جیسا کہ اس کے نام سے بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ مضارع کی مشابہت ہے اسم فاعل کے ساتھ تعداد حروف اور حرکات وسکنات اور عمل میں، تو جس طرح اسم فاعل حال واقع ہو تو عائد کے لئے صرف ضمیر کافی ہوتی ہے اسی طرح مضارع مثبت بھی جب حال واقع ہو تو اس میں بھی ربط کے لئے صرف ضمیر کافی ہوگی جیسے (جاء زیدٌ یسرع)۔

چوتھی بات: ان دونوں کے علاوہ میں رابطہ کی صورتیں

وما سواهما بالواو والضمير: احتمالات خمسہ میں سے اول اور رابع کو الگ بیان فرما کر بقایا تین کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ حال اگر ماضی مثبت یا منفی یا مضارع منفی کی صورت میں ہو تو عائد کے لئے جملہ اسمیہ کی طرح تین صورتیں ہیں:

(۱) بـالـواو والـضمير: یعنی عائد کے لئے واو اور ضمیر دونوں کا لانا بھی جائز

ہے۔

(۳،۲) او باحدهما: یعنی دونوں میں سے کسی ایک کالانا بھی جائز ہے، یعنی یا تو صرف واؤلائی جائے، یا صرف ضمیر لائی جائے بلا کسی ضعف کے۔

اس لئے کہ جملہ کی یہ تینوں صورتیں اگر چہ مستقل تو ہوتی ہیں لیکن مستقل ہونے میں قوی نہیں ہوتیں، یعنی اپنا معنی دینے میں اگر چہ کسی اور چیز کی محتاج نہیں ہوتیں لیکن اس کے معنی میں دوام اور استمرار نہیں ہوتا، لہٰذا استقلال میں قوی نہ ہونے کی وجہ سے عائد چاہے واؤ اور ضمیر دونوں کی شکل میں ہو یا صرف واؤ یا صرف ضمیر کی شکل میں ہو ہر صورت میں ماقبل کے ساتھ مربوط ہونے پر دلالت کرسکتا ہے، اس طرح کل نو صورتیں بن جاتی ہیں؛ کیونکہ حال یا تو ماضی مثبت کی صورت میں ہوگا یا ماضی منفی کی صورت میں، یا مضارع منفی کی صورت میں، پھر ان میں سے ہر ایک میں عائد یا تو واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ ہوگا یا صرف واؤ کے ساتھ یا صرف ضمیر کے ساتھ ہوگا، تو کل نو صورتیں ہوگئیں جس کی تفصیل درج ذیل جدول میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

جدول

حال کی حالت	رابطہ	امثلہ
مضارع منفی	واؤ اور ضمیر دونوں	جاء نی زید ومایتکلم غلامه
ایضاً	صرف ضمیر	جاء نی زید مایتکلم غلامه
ایضاً	صرف واؤ	جاء نی زید ومایتکلم عمرو
ماضی مثبت	واؤ اور ضمیر دونوں	جاء نی زید وقد خرج غلامه
ایضاً	صرف ضمیر	جاء نی زید قد خرج غلامه
ایضاً	صرف واؤ	جاء نی زید وقد خرج عمرو

ماضی منفی	واؤاور ضمیر دونوں	جاء نی زید وما خرج غلامه
ایضاً	صرف ضمیر	جاء نی زید ما خرج غلامه
ایضاً	صرف واؤ	جاء نی زید وما خرج عمرو

(تقریر کافیہ ص:۱۹۵)

درس (۷۵)

جملہ حالیہ پر (قد) کا آنا اور حال کے عامل کو حذف کرنا

ولا بدَّ في الماضي المثبت من (قد) ظاهرةً أو مقدرةً، ويجوز حذف العامل، كقولك للمسافر: راشداً مهدياً، ويجب في المؤكدة، مثل: زيدٌ أبوك عطوفاً، أي: أحقه، وشرطها أن تكون مقررةً لمضمون جملة اسمية.

ترجمہ: اور ضروری ہے ماضی مثبت میں (قد) لگانا، چاہے ظاہر ہو یا مقدر، اور جائز ہے حال کے عامل کو حذف کرنا جیسے مسافر کو آپ کا یہ کہنا (راشداً مهديا) اور واجب ہے حذف عامل حال مؤکدہ میں جیسے (زيدٌ أبوك عطوفاً) یعنی (أحقه)، اور حال مؤکدہ کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کے لئے تاکید ہو۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) ماضی مثبت میں لفظ (قد) کا آنا۔ (۲) عامل حال کو جوازاً حذف کرنا۔

(۳) عامل حال کو وجوباً حذف کرنا۔

(۴) حذفِ عاملِ حال مؤکدہ کے لئے شرط۔

پہلی بات: ماضی مثبت میں لفظ (قد) کا آنا

ولابدَّ في الماضي المثبت من قد: ماضی مثبت کی صورت میں جب جملہ حال واقع ہوتو اس کے شروع میں (قد) کا لانا ضروری ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ ماضی گذرے ہوئے زمانے پر دلالت کرتا ہے اور حال موجودہ زمانے پر، لہٰذا ماضی کے شروع میں (قد) لگائیںگے تاکہ اس کو ماضی قریب کے معنی میں کردے تو اس کا اور حال کا زمانہ قریب ہوجائے گا۔

اس کے بعد فرمایا کہ (ظاهرةً كان أو مقدرةً) یعنی (قد) کا آنا چاہے لفظوں میں ہو یا مقدر ہو دونوں طرح جائز ہے لیکن لانا بہر حال ضروری ہے جیسے (قد) ظاہر ہو اس کی مثال ﴿قال أنى يكون لي غلام وقد بلغني الكبر وامرأتي عاقر﴾ اور (جاءني زيدٌ قد خرج غلامه)، اور (قد) مقدرہ کی مثال ﴿أو جاؤكم قد حصرت صدورهم﴾۔

یاد رہے کہ ماضی مثبت کے شروع تو (قد) آئے گا جس کی تفصیل گذر گئی لیکن ماضی منفی کے شروع میں نہیں آسکتا؛ اس لئے اس کے شروع میں جو (ما) ہوتا ہے وہ صدارت کلام کو چاہتا ہے پھر اگر ہم اس کے شروع میں (قد) لگادیں گے تو (ما) کا صدارت کلام فوت ہوجائے گا۔

دوسری بات: عامل حال کو جوازاً حذف کرنا

ويجوز حذف العامل: پیچھے ہم نے پڑھا تھا کہ (وعاملها الفعل أو شبهه أو معناه) جس کی تفصیل گذر گئی ہے، یہاں سے فرمارہے ہیں کہ کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو تو اس عامل کو حذف کرنا جائز ہے۔

قرینہ حالیہ کا مطلب یہ ہے کہ محذوف کی حذف ہونے پر متکلم یا مخاطب کی حالت دلالت کررہی ہو جیسے کوئی سفر پر جارہا ہو اور اسے کوئی (راشداً مهدياً) کہدے، یہ اصل میں (اذهب راشدا مهديا) تھا، اس میں (راشداً اور مهدياً) دونوں (اذهب) کی

ضمیر فاعل سے حال واقع ہو رہے ہیں اور عامل ان میں خود (اذھب) ہے اس کو قرینہ حالیہ کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اور وہ ہے مخاطب کا سفر پر روانہ ہونا، لہٰذا اس کی پوری عبارت یہ بنے گی (اذھب حال کونک راشدا مھدیا، أی: مدلولاً علی الطریق المستقیم الموصل إلی المقصد).

اور قرینہ مقالیہ کا مطلب یہ ہے کہ محذوف کے حذف ہونے پر متکلم یا مخاطب کا کوئی قول دلالت کر رہا ہو جیسے کوئی سوال کرے (کیف جئت؟) آپ اس کے جواب میں کہے (راکباً) یہ اصل میں (جئتُ راکباً) تھا (جئتُ) عامل کو قرینہ مقالیہ یعنی سوال سائل کی وجہ سے حذف کر دیا گیا، اسی طرح ﴿أیحسب الإنسان أن لن نجمع عظامه بلی قادرین علی أن نسویَ بنانه﴾ میں بھی ﴿قادرین﴾ ضمیر متکلم سے حال واقع ہے جس کا عامل ﴿نجمع﴾ کو حذف کر دیا گیا ہے۔

تیسری بات: عامل حال کو وجوباً حذف کرنا

ویجب فی المؤکدة : صاحب کتاب فرما رہے ہیں کہ عام طور پر حال کے عامل کو حذف کرنا تو جائز ہے لیکن اگر حالِ مؤکدہ ہو تو اس کے عامل کو حذف کرنا واجب ہے ،حالِ مؤکدہ کا مطلب یہ ہے کہ حال کا ذوالحال کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہو کہ عام طور پر وہ اس سے جدا نہ ہو سکتا ہو، یا آسان الفاظ میں یوں سمجھ لیں کہ حالِ مؤکدہ وہ ہے جو اس معنی کی تاکید کرے جو جملہ سابقہ سے سمجھ میں آ رہا ہو جیسے (زیدٌ أبوک عطوفاً) یہاں (عطوفاً، أبوک) سے حال واقع ہو رہا ہے، اس کے معنی ہے (مہربانی) اور مہربانی کا معنی عام طور پر والد صاحب میں موجود ہوتا ہے اس سے کبھی جدا نہیں ہوتا (إلا ما شاء الله) اس لئے یہاں (عطوفاً) کو حالِ مؤکدہ بنائیں گے اور اس کا عامل جو (أحقه) صیغہ واحد متکلم باب نصر ینصر یا باب افعال سے ہے اس کو وجوبی طور پر حذف کر دیا گیا ہے۔

چوتھی بات: حذفِ عاملِ حالِ مؤکدہ کے لئے شرط

وشرطها أن تکون مقررة لمضمون جملة اسمیة: فرماتے ہیں کہ

حال مؤکدہ کے عامل کے حذف وجوبی کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کوئی نیا معنی ثابت نہیں کر رہا ہو بلکہ ماقبل والے جملہ اسمیہ کے مضمون کو ہی ثابت کر رہا ہو جیسے مثال مذکور میں (زیدٌ أبوک عطوفا) میں (زیدٌ أبوک) جملہ اسمیہ ہے، اور عطوفیت یعنی مہربانی پہلے سے اس سے سمجھ آ رہی تھی پھر (عطوفاً) نے آ کر اس میں اور بھی تاکید پیدا کردی، چونکہ یہاں یہ شرط پائی جا رہی تھی اس لئے اس کے عامل (أحقه) کو وجوبی طور پر حذف کر دیا گیا ہے۔

صاحب کافیہ نے جو یہ قید لگائی ہے (مقررة لمضمون جملة) تو اس سے ﴿إنا أرسلناك رسولا﴾ جیسی ترکیبیں خارج ہوگئیں؛ کیونکہ اس میں ﴿رسولا﴾ حال مؤکدہ ہے لیکن پورے مضمون جملہ سے حال نہیں بلکہ صرف ﴿أرسلناك﴾ سے حال واقع ہو رہا ہے اس لئے اس کے عامل کو حذف نہیں کیا گیا۔

اسی طرح دوسری قید (اسمية) کے ذریعے اس سے ﴿شهد الله أنه لا إله إلا هو والملائكة وأولو العلم قائماً بالقسط﴾ جیسی ترکیبیں خارج ہوگئیں؛ کیونکہ ﴿قائماً﴾ حال مؤکدہ تو ہے اور پورے جملے کے مضمون کو بھی ثابت کر رہا ہے لیکن یہ جملہ اسمیہ نہیں ہے بلکہ فعلیہ ہے اس لئے اس کے عامل کو بھی حذف نہیں کیا گیا۔ والله أعلم بالصواب۔

درس (٧٦)

ساتویں منصوب: تمیز کا بیان

التمييز ما يرفع الإبهام المستقر عن ذات مذكورة أو مقدرة، فالأول عن مفرد مقدار غالباً، إما في عددٍ، نحو: عشرون درهماً وسيأتي، وإما في غيره، نحو: رطلٌ زيتاً، ومنوان سمناً، وقفيزان براً، وعلى التمرة مثلها زبداً.

ترجمہ: تمیز وہ اسم منصوب ہے جو ختم کرے ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے اس ابہام کو جو اس میں پختہ اور راسخ ہو چکا ہو پس پہلا والا (جو ذات مذکورہ سے ابہام دور کرے) وہ اکثر طور پر مفرد مقدار سے ابہام دور کرتا ہے، مقدار یا تو عدد میں ہوگا جیسے (عشرون درهماً) اور عنقریب اس کا مزید بیان آگے آئے گا، اور یا یہ مقدار عدد کے علاوہ کسی اور چیز میں ہوگا جیسے (رطلٌ زيتاً، ومنوان سمناً، وقفيزان برّاً، وعلى التمرة مثلها زبداً)۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) تمیز کی تعریف اور اس میں فوائد و قیود۔ (۲) تمیز کی قسمیں۔

(۳) پہلی قسم کی تفصیل۔ (۴) عن مفرد مقدار کی تفصیل۔

(۵) ایک اشکال اور اس کا جواب۔

پہلی بات: تمیز کی تعریف

التمييز ما يرفع الإبهام المستقر عن ذات مذكورة أو مقدرة: یعنی تمیز وہ اسم ہے جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے ایسا ابہام دور کر دے جو ان دونوں کے معنی موضوع لہ میں پختہ اور مضبوط ہو چکا ہو یا بالفاظ دیگر یہ سمجھ لو کہ تمیز وہ اسم ہے جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے وضعی ابہام کو دور کر دے۔

تعریف میں فوائد اور قیود

التمييز ما يرفع الإبهام المستقر عن ذات مذكورة أو مقدرة: اس عبارت میں (التمییز) معرَّف ہے، اور (ما) سے لیکر (أو مقدرة) تک یہ پوری عبارت اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں لفظ (ما) جنس ہے اور (يرفع الإبهام) فصل اول، اور (المستقر) فصل ثانی، اور (عن ذات مذكورة أو مقدرة) فصل ثالث ہے۔

تو (ما) جنس کی وجہ سے تمام اسماء اس تعریف میں شامل ہو گئے، (يرفع

(الإبھام) فصل اول کی وجہ سے وہ اسماء جو بدل بن رہے ہوں وہ خارج ہو گئے؛ کیونکہ بدل مبدل منہ سے ابہام دور کرنے کے لئے نہیں آتا بلکہ اسے چھوڑنے اور مراد نہ لینے کے لئے آتا ہے جیسے (جاء نی زیدٌ عمروٌ) آیا میرے پاس زید، نہیں نہیں بلکہ عمرو آیا، تو یہاں یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ متکلم نے اپنے کلام میں عمرو کے ذریعے زید سے ابہام دور نہیں کیا بلکہ اسے چھوڑ کر اس کے بدلے عمرو کو مراد لیا ہے۔

(المستقر) فصل ثانی کی وجہ سے وہ صفت خارج ہو گئی جو اپنے متبوع مشترک سے ابہام دور کرے یعنی اس کے کئی معانی آتے ہوں مثلاً لفظ (عینٌ) ہے اس کا معنیٰ چشمہ بھی ہے اور آنکھ بھی اور باندی اور گھٹنہ بھی، لیکن ان میں سے کوئی بھی ایک جب آپ ذکر کرینگے تو متبوع سے ابہام دور ہو جائے گا جیسے (رأیتُ عیناً جاریۃً) میں (جاریۃٌ) نے آکر باندی کی تعیین کر کے اس میں تعدد وضع کی وجہ سے جو ابہام تھا اسے دور کر دیا، لیکن ابہام وضعی دور نہیں کیا ہے؛ کیونکہ اصل وضع کے اعتبار سے اس میں کوئی ابہام نہیں تھا بلکہ اس میں جو ابہام تھا وہ صرف اس کے متعدد معانی کی وجہ سے تھا۔

اسی طرح (رأیتُ أبا حفص عمر) میں (عمر) بھی اس قید کے ذریعے خارج ہو گیا؛ کیونکہ یہاں عمر اگرچہ ابہام کو دور تو کر رہا ہے لیکن ابہام وضعی کو نہیں؛ کیونکہ (ابو حفص) کے موضوع لہ میں ابہام کوئی نہیں بلکہ وہ تو ذات معینہ کے لئے وضع کیا گیا تھا صرف یہ کہ وہ ذات ابو حفص کے ساتھ مشہور نہیں تھی تو عدم اشتہار کی وجہ سے اس میں ابہام پیدا ہوا جس کو عمر نے دور کر دیا، خلاصہ یہ کہ یہاں جو ابہام تھا وہ اصل وضع کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ عدم اشتہار کی وجہ سے تھا۔

عن ذات مذکورۃ: یہ فصل ثالث ہے اس کی وجہ سے حال اور صفت دونوں خارج ہو گئے کیونکہ وہ بھی اگرچہ ابہام کو دور کرتے تو ہیں لیکن ابہام ذاتی کو نہیں بلکہ ابہام وصفی کو دور کرتے ہیں جیسے (جاء نی زیدٌ راکباً) میں (راکباً) نے (زیدٌ) سے ابہام ذاتی کو دور نہیں کیا؛ کیونکہ زید کی ذات میں کوئی ابہام نہیں تھا وہ تو ایک معین شخص ہے بلکہ اس نے ابہام

وصفی کو دور کر دیا ہے؛ کیونکہ زید میں وصف کے اعتبار سے ابہام تھا کہ زید آیا تو ہے لیکن پتہ نہیں پیدل چل کر آیا ہوگا یا گاڑی میں سوار ہو کر آیا ہوگا؟ تو (راکباً) نے آکر اس ابہام کو دور کر لیا۔

اسی طرح (جاء نی رجلٌ عالمٌ) میں ذات رجل میں کوئی ابہام نہیں تھا بلکہ اس کے وصف میں ابہام تھا تو (عالمٌ) نے آکر اس ابہام کو دور کر لیا۔

دوسری بات: تمیز کی قسمیں اور اس کی وضاحت

تمیز کی تعریف میں صاحب کتاب نے (ذات مذکورة أو مقدرة) فرمایا تھا تو اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تمیز کی دو قسمیں ہیں:

(۱) وہ جو ذات مذکورہ سے ابہام دور کرے جیسے (عندی رطلٌ زیتاً) یہاں (زیتاً) نے (رطلٌ) سے ابہام دور کیا ہے جو کہ مذکور ہے۔

(۲) وہ جو ذات مقدرہ سے ابہام دور کرے جیسے (طاب زیدٌ نفساً) اس میں (نفساً) نے ذات مقدرہ یعنی (شیءٌ) سے ابہام دور کیا ہے اور وہ مذکور نہیں ہے لہٰذا محذوف عبارت نکال کر پوری عبارت یہ ہوگی (طاب شیء منسوبٌ إلی زید نفساً)۔

فائدہ: یہاں تمیز کی تعریف میں تین چیزیں ذکر کی گئیں ہیں: (۱) ذات۔ (۲) مذکورة۔ (۳) مقدرة۔

ذات سے مراد وہ اسم ہے جو ممکنات اربعہ یعنی تنوین، نون تثنیہ، نون جمع یا نون مشابہ بنون الجمع اور اضافت میں سے کسی ایک کے ذریعے وہ تمام ہو رہا ہو۔

اور (مذکورة) کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسم مبہم ماقبل والی عبارت میں مذکور ہو۔

اور (مقدرة) کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسم مبہم ماقبل والی عبارت میں مذکور نہ ہو بلکہ محذوف ہو اور آگے اس کی تفصیل آ رہی ہو۔

تیسری بات: پہلی قسم کی تفصیل

صاحب کتاب تمیز کی تعریف اور تعریف کے ضمن میں اس کی قسموں کی طرف

اشارہ کر کے جب فارغ ہو گئے تو یہاں سے ان دونوں قسموں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ (فالأول عن مفرد مقدار غالباً) یعنی تمیز کی پہلی قسم جو ذات مذکورہ سے ابہام دور کرتی ہے وہ ذات مذکورہ اور ممیز اکثر طور پر مفرد ہوا کرتی ہے، مفرد کا مطلب یہ ہے کہ وہ ممیز جملہ یا شبہ جملہ نہیں ہوگا۔

اور (مقدار) اس چیز کو کہتے جس سے مختلف چیزوں کا اندازہ لگایا جا سکے، اور ایسی کل پانچ چیزیں ہیں جن کے ذریعے اشیاء کا اندازہ معلوم ہو: عدد، کیل، وزن، مساحت اور مقیاس، جس کو کسی صاحب ذوق شاعر نے اپنے شعر میں بیان فرمایا ہے:

پنج اند جانِ مَن تو مقادیر راشناس

کیل است ووزن وعدد وذراع است وهم مقیاس

(غالباً) کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ کبھی کبھار یہی مفرد تمیز غیر مقداری چیزوں سے بھی ابہام کو دور کر دیتی ہے جیسے (خاتمٌ حدیداً) اس میں (خاتمٌ) ذات مذکورہ کو (مذکورۃ) کے معنی میں لیکر اگر چہ مفرد تو ہے لیکن مقدار کی مذکورہ پانچ قسموں میں سے کوئی قسم نہیں ہے اور پھر بھی ان سے ابہام دور کیا ہے۔

چوتھی بات: عن مفرد مقدار کی تفصیل

إما فی عدد: یہاں سے صاحب کتاب (عن مفردِ مقدارٍ) کی تفصیل اور اس کی بعض قسموں کی مثالیں بیان فرمارہے ہے، تو فرمایا کہ (إما فی عدد) یعنی وہ مقدار یا تو عدد کے ضمن میں ہوگا جیسے (عشرون درهماً) یہ مشابہ بنون جمع کی مثال ہے؛ کیونکہ (عشرون) نون جمع کے ساتھ تمام ہوا ہے، اور صاحب حاشیہ فرماتے ہیں کہ یہاں (عشرون) کے ذریعے مثال دے کر دو چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا: ایک یہ کہ (عشرون) مشابہ بنون جمع کے ساتھ تمام ہوا ہے اور دوسرا یہ کہ (درهماً) نے عدد سے ابہام دور کر دیا ہے؛ کیونکہ پہلے اس کا مصداق معلوم نہیں تھا کہ درہم مراد ہیں یا دینار یا کوئی

اور چیز، لیکن جب (درھماً) کہا تو سارے احتمالات ختم ہو کر صرف دراہم متعین ہو گئے، اس کے بجائے (احد عشر درھماً) یا کوئی اور مثال دیدیتے تو اس میں صرف عدد کی وضاحت تو ہو جاتی لیکن نون جمع کے ساتھ تمام ہونے کی اس میں کوئی وضاحت نہ ہوتی۔

وسیاتی: فرمارہے ہے کہ عدد کی تمیز کا ذکر پوری تفصیل اور بسط کے ساتھ ان شاء اللہ تعالی اسماء عدد کے بحث میں آنے والا ہے۔

واما فی غیرہ: جیسا کہ اوپر ہم نے کہا کہ (اما فی عدد) سے صاحب کتاب (عن مفرد مقدار) کی تفصیل بیان فرمارہے ہے، اور (اما فی عدد) کے ضمن میں اس کی ایک صورت اور مثال بیان ہو گئی، اب یہاں سے اس کی دوسری صورت بیان فرمارہے ہے کہ وہ مفرد مقداری یا غیر عدد کے ضمن میں ہوگا اس کے لئے صاحب کتاب نے چار مثالیں پیش فرمائی ہے:

پہلی مثال: تمیز از مفرد مقداری وزنی

رطلٌ زیتاً: اس کی پوری عبارت (عندی رطلٌ زیتاً) ہے یعنی میرے پاس ایک رطل ہے از روئے زیتون کے، یہاں (زیتاً) نکرہ ہے جو ایسی مقدار سے ابہام دور کر رہا ہے جو مقدار وزن اور تول کے ذریعے معلوم کی جاتی ہے۔

تمیز از مفرد مقداری وزنی کی دوسری مثال

منوان سمناً: اس اصل عبارت (عندی منوان سمناً) ہے یعنی میرے پاس دو سیر ہیں از روئے گھی کے، یہ مفرد مقداری وزنی کی دوسری مثال ہے اس میں (منوان، من) کا تثنیہ ہے جو اسم تام مبہم ممیّز ہے اور ایسی مقدار ہے جس کو تول کر معلوم کیا جاتا ہے اس میں ابہام تھا تو (سمناً) نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔

تیسری مثال: تمیز از مفرد مقداری کیلی

قفیزان برا: یہ اصل میں (عندی قفیزان برا) تھا یعنی میرے پاس دو قفیز ہیں از روئے گندم کے، اس میں بھی (قفیزان، قفیزٌ) کا تثنیہ ہے جو ایک خاص قسم کا پیمانہ ہے اس میں ابہام تھا کہ تو (براً) آکر اس کو ختم کر دیا۔

چوتھی مثال: تمیز از مفرد مقداری قیاسی

علی التمرۃ مثلها زبداً: یعنی کھجور پر اس کی مثل ہے از روئے مکھن کے، اس میں (زبداً) اسم نکرہ ہے اور ایسی مقدار سے ابہام دور کر رہا ہے جو اندازے سے معلوم ہوتی ہے جیسے اس مثال میں (مثلها) اسم تام مبہم ہے اور ایسی مقدار ہے جس کو اندازے سے معلوم کیا جاتا ہے، تو (زبداً) نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا۔

پانچویں بات: ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پہنچ کر بعض طلبہ کو اشکال ہو سکتا ہے کہ صاحب کتاب نے (مفردِ مقدارٍ) کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس کی دو صورتیں یعنی (اما فی عددٍ واما فی غیرہ) بیان فرمائی تو انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ دونوں کے لئے ایک جیسی مثالیں پیش فرما لیتے یہ کیا بات ہے کہ پہلی صورت یعنی (اما فی عددٍ) کے لئے تو صرف ایک ہی مثال پیش فرمائی اور دوسری صورت یعنی (اما فی غیرہ) کے لئے چار مثالوں کی ڈھیر لگا دی؟ حالانکہ اس کے لئے بھی اگر ایک ہی مثال دیدیتے تو ممثل لہ کی وضاحت ہو جاتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب کتاب نے اس طرح کر کے دو فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا، ایک یہ کہ تمیز کا عامل اسم تام ہوتا ہے اور اسم کی تمامیت کی کئی صورتیں ہیں تو ان مثالوں کے ضمن میں وہ تمام صورتیں خود بخود آگئیں، مثلاً اسم یا تو تنوین سے تام ہوتا ہے جس کی طرف صاحب کتاب نے (رطلٌ زیتاً) والی مثال دے کر اشارہ فرمایا، یا نون تثنیہ

سے تام ہوتا ہے جس کی طرف (منوان سمناً) اور (قفیزان برا) والی مثالوں کے ذریعے اشارہ فرمایا، یا اضافت سے تمام ہوتا ہے جس کی طرف (علی التمرة مثلها زبداً) والی مثال دے کر اشارہ فرمایا، اور کبھی نون جمع اور مشابہ بنون جمع سے تمام ہوتا ہے جس کی طرف (عشرون درهماً) والی مثال کے ذریعے اشارہ فرمایا۔

صاحب کافیہ نے مشابہ بنون الجمع سے اسم کے تمام ہونے کی مثال دیدی لیکن نون جمع حقیقی سے تمام ہونے کی کوئی مثال نہیں دی؟ یہ اس لئے کہ یہ بات خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے کہ جب مشابہ بنون جمع کے ذریعے کوئی اسم تام ہوسکتا ہے تو نون جمع حقیقی سے بدرجہ اولی تمام ہوگا جس کی مثال یہ ہے ﴿قل هل ننبئكم بالأخسرين اعمالا﴾۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ان مثالوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ غیر عدد کی کئی صورتیں اور کئی اعتبارات ہیں یعنی کبھی تو وہ وزن کی صورت میں ہوتا ہے جیسے پہلی دو مثالوں سے اس کی طرف اشارہ فرمایا، اور کبھی کیل کی صورت میں ہوتا ہے جس کی طرف تیسری مثال کے ذریعے اشارہ فرمایا، اور کبھی مقیاس کی صورت میں ہوتا ہے جس کی طرف چوتھی مثال کے ذریعے اشارہ فرمایا۔

پہلے فائدے پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب عالی! آپ نے کثرت امثلہ کی علت جو بیان فرمائی کہ اس سے ان چیزوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود تھا جن سے اسم تام ہوتا ہے تو اتنا سمجھ میں آگیا لیکن اسم صرف ان چیزوں سے تام تو نہیں ہوتا بلکہ ان کے علاوہ الف لام کے ذریعے بھی تام ہوسکتا ہے لہٰذا مناسب تو یہ تھا کہ صاحب کافیہ ایک اور مثال بھی پیش کر کے اس کی طرف بھی اشارہ فرمالیتے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کے تام ہونے سے مراد وہ اسم ہے جو تمیز کو نصب دے سکے اور معرف باللام تمیز کو نصب نہیں دے سکتا؛ کیونکہ اسم تام کی مشابہت ہوتی ہے فعل کے ساتھ، اور مذکورہ اشیاء اربعہ کی مشابہت ہے فاعل کے ساتھ اور ان کے بعد تمیز کی مشابہت ہے مفعول بہ کے ساتھ، تو جس طرح فعل اپنے فاعل پر تام ہوتا ہے اور اس کے

بعد اگر مفعول ہو تو اس کو نصب دیتا ہے بالکل اسی طرح اسم ممیز اشیاء مذکورہ کے ذریعے تام ہو کر اسم تمیز کو نصب دیتا ہے لیکن الف لام چونکہ اسم کے شروع میں ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی مشابہت فاعل کے ساتھ نہیں ہو سکتی تو مشابہت کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ تمیز کو نصب نہیں دے سکتا، اس لئے صاحب کتاب نے اس کا ذکر نہیں فرمایا۔

فائدہ: (فالأول عن مفردِ مقدارٍ) میں (مقدارٍ) (مقدَّرٌ) کے معنی میں ہے؛ کیونکہ تمیز مقدار سے ابہام دور نہیں کرتی بلکہ مقدرات سے ابہام دور کرتی ہے؛ اس لئے کہ (عشرون، قفیزان، منوان، اور رطلٌ) مخصوص معانی کے لئے وضع کئے گئے ہیں جن میں ابہام کوئی نہیں، البتہ ان کے مصداق میں ابہام ہوتا ہے کہ مثلاً (عشرون) کا مصداق کیا ہے اور (قفیزان) کا مکیل کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

درس (۷۷)

تمیز سے متعلق تین اہم مسائل

فیفرد إن کان جنساً إلا أن یقصد الأنواع، ویُجمع فی غیرہ، ثم إن کان بتنوین أو بنون التثنیة، جازت الإضافة، وإلا فلا، وعن غیر مقدارٍ، مثل: خاتمٌ حدیداً، والخفض أکثر.

ترجمہ: پھر اسم تمیز اگر جنس ہو تو ہمیشہ کے لئے اسے مفرد لایا جائے گا لیکن ہاں! اگر جنس تو ہو لیکن اس سے مختلف انواع کا ارادہ کیا جائے تو پھر اسے ضمیر کے مطابق لایا جائے گا، اور جنس کے علاوہ میں اس کو جمع لایا جائے گا، پھر (دیکھیں گے) اگر تمیز تنوین یا نون تثنیہ سے تام ہو رہا ہو تو اس کی اضافت جائز ہوگی، اور اگر ان دونوں سے تام نہ ہو تو پھر اس کی اضافت جائز نہیں ہوگی، اور اسی طرح تمیز اس مفرد سے بھی ابہام دور کرتی ہے جو مقدار نہ ہو جیسے (خاتمٌ حدیداً) لیکن ایسی صورتوں میں تمیز اکثر مجرور ہوتی ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تمیز سے متعلق تین اہم مسائل کا ذکر ہوگا۔

پہلا مسئلہ: تمیز کا مفرد تثنیہ اور جمع ہونا

فیفرد إن کان جنساً: فاضل مصنفؒ غیر عدد کی تمیز کے متعلق فرمارہے ہیں کہ وہ کب مفرد ہوگا اور کب تثنیہ اور کب جمع؟ تو فرمایا کہ (فیفرد إن کان جنساً) یعنی غیر عدد کی تمیز اگر جنس ہو تو اس کو مفرد لایا جائے گا اگر چہ اسم تام یعنی ممیز تثنیہ یا جمع کیوں نہ ہو؛ کیونکہ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر یکساں ہوتا ہے بشرطیکہ وہ تاء وحدت سے خالی ہو جیسے (عندی رطلٌ زیتاً، عندی رطلان زیتاً، اور عندی أرطال زیتاً)۔

إلا أن یقصد الأنواع: اس عبارت میں مذکورہ قاعدے سے ایک استثنائی صورت بیان فرمارہے ہیں کہ تمیز اگر جنس ہو تو ہمیشہ سے مفرد لایا جائے گا لیکن اگر جنس سے مختلف قسم کے انواع اور اقسام مراد لینے ہوں تو اس صورت میں انہیں انواع اور اقسام کی مناسبت سے اسے تثنیہ اور جمع لایا جاسکتا ہے مثلاً اگر اس جنس سے ایک قسم مراد ہو تو مفرد، دو مراد ہوں تو تثنیہ اور زیادہ مراد ہوں تو جمع لایا جائے گا جیسے (عندی رطلٌ زیتاً) میرے پاس ایک قسم کا تیل ہے اور (عندی رطلان زیتین) یعنی میرے پاس دو قسم کا تیل ہیں، اور (عندی أرطال زیوتاً) میرے پاس کئی قسم کا تیل ہیں۔

ویُجمع فی غیرہ: فرماتے ہیں کہ اگر تمیز اسم جنس نہ ہو تو اس کو تثنیہ اور جمع لایا جائے گا جیسے (عندی عدلٌ ثوباً اور عندی عدل ثوبَین اور عندی عدل أثواباً)۔

صاحب کتاب کے (ویُجمع) کہنے سے مراد مافوق الواحد ہے یعنی تثنیہ بھی اس میں داخل ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں بھی آیا ہے ((الإثنان فما فوقھما جماعة))۔

دوسرا مسئلہ: اسم تام کا مضاف ہونا

ثم إن کان بتنوین أو بنون التثنیة جازت الإضافة: صاحب کتاب نے ماقبل میں تمیز سے متعلق ایک مسئلہ بیان فرمایا، اب یہاں ممیز سے متعلق ایک مسئلہ بیان

فرما رہے ہیں لیکن اس سے قبل اگر اسم تام کی تعریف کی تازگی ہو جائے تو شاید کے مسئلہ کے سمجھنے میں کافی آسانی ہوگی۔

اسم تام اسے کہتے ہیں کہ اسم کا ایسی حالت میں ہونا جس میں اس کی اضافت کسی اور کلمہ کی طرف نہ ہو سکے۔

جن چیزوں سے اسم تام ہوتا ہے اس کو پوری تفصیل ماقبل میں گذر گئی۔

اس تمہید کے بعد مسئلہ یہ بیان فرمار ہے ہیں کہ اسم (ممیز) اگر تنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ تمام ہو رہا ہو تو تخفیف کے لئے تمیز کی طرف اس کی اضافت اگر کرنا ہو تو جائز ہے جیسے (عندی رطلٌ زیتاً) سے (عندی رطلُ زیتٍ) اور (عندی منوانِ سمناً) سے (عندی منوانِ سمنٍ) اسی طرح (عندی قفیزان برًّا) سے (عندی قفیزان برٍّ)۔

وإلا فلا: فرمار ہے ہیں کہ اسم اگر تنوین اور نون تثنیہ سے نہیں بلکہ کسی اور چیز (مثلا مشابہ بنون الجمع یا اضافت) سے تام ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں تمیز کی طرف اس کی اضافت صحیح نہیں ہوگی جیسے (عندی عشرون درهماً) سے (عندی عشرون درهمٍ) نہیں کہا جا سکتا اور نہ (علی التمرة مثلها زبداً) سے (علی التمرة مثلها زبدٍ) کہا جا سکتا ہے۔

مشابہ بنون الجمع میں اضافت کی عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ اس کی اضافت کے وقت نون مشابہ کو اگر حذف کیا گیا تو نون اصلی کا حذف کرنا لازم آئے گا جو کہ نا جائز ہے، اور اگر حذف نہ کیا جائے تو بھی صحیح نہیں؛ کیونکہ نون جمع کے ساتھ اس کی مخالفت لازم آئی گی کہ وہ تو اضافت کے وقت حذف کیا جاتا ہے اور یہ باقی رہے تو مشابہت تو رہے گی نہیں۔

لہٰذا پہلی صورت میں التباس کی وجہ سے اضافت نا جائز ہوگی اور دوسری میں طرداً للباب نا جائز ہوگی، خلاصہ یہ ہوا کہ مشابہ نون جمع کی اضافت تمیز کی طرف یا جہاں تمیز کے ساتھ التباس لازم آرہا ہو نا جائز ہے۔

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ عرب حضرات تو (عشرو درهمٍ) اور (ستّوک) کو مضاف کر کے استعمال کرتے ہیں اور آپ کہہ رہے ہو کہ یہ نا جائز ہے؟۔

اس کا جواب شرح جامی میں ص ۵۵۲ کے حاشیہ پر علامہ محمد بن موسیٰ بسویؒ نے یہ لکھا ہے کہ یہ کسی معتد بہ اور فصیح و بلیغ عرب سے تو ایسی کوئی مثال ہم نے سنی نہیں ہے اور اگر سنی بھی ہو تو پھر بھی یہ شاذ ہے جو عام طور پر جواز کے لئے علت نہیں بن سکتی۔

اور اگر اسم اضافت کے ساتھ تام ہو تو اس کی اضافت بھی تمیز کی طرف اس لئے ناجائز ہے کہ ایک اسم کی طرف تو وہ پہلے سے مضاف ہے اب اگر دوسرے اسم کی طرف بھی اس کی اضافت کی جائے تو ایک ہی اسم کا بیک وقت بغیر کسی فصل کے دو اسموں کی طرف مضاف ہونا لازم آئے گا اور یہ ایسا ہی ناجائز ہے جیسا کہ ﴿وأن تجمعوا بين الأختين﴾ میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

یہاں اشکال ہوسکتا ہے کہ کلام عرب میں (کل واحدٍ واحدٍ اور کل فردٍ فردٍ) اکثر استعمال ہوا ہے حالانکہ آپ نے فرمایا کہ ایسا کرنا ناجائز ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک عرب اس کو ایسا استعمال کرتے ہیں لیکن وہ (واؤ) حرف عطف کے تقدیر کے ساتھ استعمال کرتے ہیں تو گویا کہ (کل واحدٍ واحدٍ) کی پوری عبارت (کل واحدٍ وواحدٍ) ہے۔

وعن غیر مقدارٍ: آپ حضرات نے ماقبل میں پڑھا تھا کہ (فالأول عن مفرد مقدار غالباً) تو اس عبارت کا عطف اسی پر ہے لیکن بتقدیر موصوف کے، لہٰذا پوری عبارت یہ بنے گی (فالأول يرفع عن مفرد مقدار غالباً وعن مفرد غير مقدار احياناً) یعنی اول قسم یعنی ذات مذکورہ سے ابہام دور کرنے والی تمیز عام طور پر تو مفرد مقداری سے ابہام دور کرتی ہے لیکن کبھی کبھار مفرد غیر مقداری سے بھی، غیر مقداری کا مطلب یہ ہے کہ وہ مفرد نہ عدد ہو نہ وزن ہو اور نہ کیلی ہو اور نہ مقیاس ہو جیسے (خاتمٌ حديداً)۔

تیسرا مسئلہ: تمیز عن غیر مقدار کا اعراب

والخفض اکثر: صاحب کتاب مفرد غیر مقداری تمیز کے اعراب کو بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ ایسی تمیز اکثر طور پر مجرور ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اس میں ممیز کی اضافت تمیز کی طرف ہوتی ہے تو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے وہ مجرور ہوگی جیسے (خاتم حدید)۔

دوسری وجہ اس کے مجرور ہونے کی یہ ہے کہ مفرد مقداری میں ابہام اصل اور علی وجہ الکمال پایا جاتا ہے؛ کیونکہ اس میں اجناس بے شمار ہوتے ہیں، تو گویا کہ اس کے تمیز ہونے پر تخصیص ہوگئی اور اس کا تمیز ہونا پکا ہوگیا اور تمیز چونکہ منصوب ہوتی ہے اس لئے یہ بھی منصوب ہوگا، بخلاف مفرد غیر مقداری کے کہ اس میں اجناس زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے ابہام ناقص ہوتا ہے، تو گویا کہ اس کا تمیز ہونا پکا نہیں ہوا، اس لئے اس کو اکثر طور پر مجرور پڑھا جاتا ہے۔

درس (۷۸)

تمیز کی قسم ثانی کا بیان

والثاني عن نسبة في جملة أو ما ضاهاها، مثل: طاب زيدٌ نفساً، وزيدٌ طيبٌ اباً، وأبوةً، وداراً وعلماً، أو في إضافة، مثل: يُعجبني طيبه أباً، وأبوةً، وداراً، وعلماً، ولله درُّه فارساً.

ترجمہ: اور دوسری قسم اس نسبت سے ابہام دور کرتی ہے جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہو جیسے (طاب زيدٌ نفساً) اور (زيدٌ طيبٌ اباً، وأبوةً، وداراً وعلماً)، یا اس نسبت سے جو اضافت میں ہو جیسے (يُعجبني طيبه أباً، وأبوةً، وداراً، وعلماً، ولله

درُہ فارساً) یعنی اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیر کثیر باعتبار شہسوار ہونے کے۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) تمیز کی قسم ثانی کا بیان۔ (۲) صاحب کافیہ کا علماءِ نحو پر رد۔

پہلی بات: تمیز کی قسم ثانی کا بیان

والثاني عن نسبة في جملة أو ما ضاهاها: صاحب کافیہ جب تمیز کی قسم اول کے بیان سے فارغ ہوئے تو اب اس کی قسم ثانی کا بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ تمیز کی دوسری قسم وہ ہے جو اس نسبت (منسوب الیہ) سے ابہام دور کرے جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہو جیسے جملہ فعلیہ کی مثال (طاب زیدٌ نفساً) اس میں منسوب الیہ زید ہے، اور وہ چیز جس کی نسبت زید کی طرف کی جارہی ہے اس میں ابہام تھا کہ وہ کیا چیز ہے تو (نفساً) نے آکر اس ابہام کو دور کیا، اس کا معنی یہ ہوگا: زید اچھا ہے اپنی ذات کے اعتبار سے، اور شبہ جملہ کی مثال (زیدٌ طیبٌ اباً) اس کے دو معنی ہیں: پہلا یہ ہے کہ زید اچھا باپ ہے، اور دوسرا یہ کہ زید کا باپ اچھا ہے، قرینے کو دیکھ کر معنی کریں گے، مثلاً زید کو اپنی اولاد کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے جب کوئی کہے (زیدٌ طیبٌ اباً) تو معنی یہ ہوگا کہ زید اچھا باپ ہے، اور جب زید کے والد کو زید کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے کوئی کہے (زیدٌ طیبٌ اباً) تو معنی یہ ہوگا کہ زید کا باپ اچھا ہے۔

شبہ جملہ کی دوسری مثال (زیدٌ طیبٌ ابوةً) اسی طرح یہی مثال جملہ فعلیہ کے لئے بھی بن سکتی ہے جیسے (طاب زیدٌ ابوةً)، تیسری مثال (زیدٌ طیبٌ داراً) اور (طاب زیدٌ داراً) چوتھی مثال (زیدٌ طیبٌ علماً) اور (طاب زیدٌ علماً)۔

آپ نے دیکھا کہ مذکورہ مثالیں ہم نے جملہ فعلیہ اور شبہ جملہ دونوں کے لئے قرار دی ہیں لہٰذا یہ اشکال نہیں ہوسکتا کہ کیا وجہ ہے کہ صاحب کافیہ نے جملہ فعلیہ کے لئے تو صرف ایک مثال دی ہے اور شبہ جملہ کے لئے پانچ مثالیں دی۔

لیکن ایک اشکال اب ہوسکتا ہے کہ جناب عالی! عام طور پر کوئی بھی مسئلہ ہو اس کے لئے ایک ہی مثال دی جاتی ہے؛ کیونکہ مثال دینے سے ممثل لہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے اور وہ ایک مثال سے حاصل ہوسکتی ہے تو آپ نے پانچ مثالیں کیوں دی ہیں؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ تمیز جو نسبت سے ابہام دور کرتا ہے پورے کلام عرب میں اس کی پانچ قسمیں ہیں تو صاحب کافیہ نے پانچ مثالیں دے کر ان پانچ قسموں کی طرف اشارہ فرمایا ہیں جس کی پوری تفصیل انشاء اللہ آپ حضرات شرح جامی میں پڑھیں گے۔

أو في إضافة: اس کا عطف ماقبل (**في جملةٍ**) پر ہے تو معنی یہ بنے گا کہ تمیز کی قسم ثانی وہ ہے جو اس نسبت سے ابہام دور کرے جو جملہ میں ہو یا شبہ جملہ میں یا مضاف میں جیسے (**يُعجبني طيبه أباً يا أبوةً يا داراً يا علماً**)۔

دیکھئے یہاں شبہ جملہ کی اضافت ضمیر کی طرف ہوئی ہے اور اس میں ابہام تھا تو (**أباً، أبوةً، داراً،** اور **علماً**) میں سے ایک ایک نے آکر اس ابہام کو دور کر دیا ہے۔

دوسری بات: صاحب کافیہ کا علماء نحو پر رد

ولله دره فارساً: بظاہر تو اس مثال پر اشکال ہوسکتا ہے کہ صاحب کافیہ اس کو کیوں لائے ہیں؛ اس لئے کہ نہ تو اس کو قسم اول کی مثالوں میں شامل کیا ہے اور نہ قسم ثانی کی مثالوں میں؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کے لانے سے دو فائدے حاصل ہو رہے ہیں:

(۱) جمہور علماء نحو پر رد کرنا؛ اس لئے کہ ان کا مذہب یہ ہے کہ تمیز کے لئے اسم جامد کا ہونا ضروری ہے یہاں تک کہ اگر کہیں اسم مشتق تمیز کی صورت میں آیا ہو تو یہ حضرات اس کو تمیز نہیں بناتے بلکہ اس کو حال بنا دیتے ہیں، تو صاحب کافیہ نے فرمایا کہ تمیز کے لئے اسم جامد کا ہونا کوئی ضروری نہیں ہے بلکہ ہر وہ اسم جو ابہام کو دور کر رہا ہو اسے تمیز بنانا جائز ہے چاہے وہ اسم جامد ہو یا اسم مشتق جیسے مثال مذکور میں (**فارساً**) صیغہ اسم فاعل یعنی اسم

مشتق تمیز واقع ہوا ہے، اگر واقع میں یہ شرط ہوتی تو (فارساً) کبھی تمیز نہ بنتا۔

(۲) ان علماء نحو پر رد کرنا جو اس بات کے قائل ہیں کہ تمیز اگر اسم ضمیر سے واقع ہو تو یہ قسم اول یعنی ذات مذکورہ کی تمیز ہوگی، تو صاحب کافیہ فرمارہے ہے کہ ضمیر سے واقع شدہ تمیز پر فوراً ایسا حکم لگانا کہ یہ ذات مذکورہ کی تمیز ہوگی مناسب نہیں ہے بلکہ اس میں اگر کچھ تفصیل بیان کر کے حکم لگایا جائے تو مناسب ہوگا، وہ اس طرح کہ ضمیر کا مرجع اگر معلوم ہو تو یہ ذات مقدرہ سے تمیز واقع ہوگی اس لئے کہ حقیقت میں ممیز ضمیر نہیں ہوتی بلکہ اس کی مرجع ہوتی ہے اور وہ یہاں مذکور نہیں، اور اگر مرجع معلوم نہ ہو تو اس وقت تمیز ذات مذکورہ سے واقع ہوگی؛ اس لئے کہ اس حالت میں ضمیر مبہم ہوتی ہے اور وہ مذکور ہے اور اسی سے تمیز واقع ہے۔ (ایضاح المطالب ص ۷۶)۔

(فارساً) اسم فاعل کا صیغہ ہے (فراسۃ) سے ماخوذ ہے بمعنی گھوڑ اسواری میں کامل اور ماہر ہونا، اور جب یہ کمال کسی میں حیرت انگیزی کی حد تک پہنچ جائے تو بروقت تعجب اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جاتی ہے؛ کیونکہ عجائبات کا خالق وہی ہے۔

(در) کا معنی ہے دودھ، اہل عرب اس میں اپنے لئے بہت بڑی خیر سمجھتے تھے؛ کیونکہ ان کا گذر اوقات اکثر اسی سے ہوتا تھا تو (در) کے لئے خیر لازم ہوئی تو ملزوم بول کر لازم مراد لی گئی ہے، لہٰذا معنی یہ بنے گا اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیر کثیر باعتبار شہسوار ہونے کے۔

اور اگر اس کو (فِراسۃ) سے مشتق مانا جائے تو اس کا معنی ہوگا ظاہر دیکھ کر باطن معلوم کرنا، جس کی ٹھیٹ اردو یہ ہے بھانپ لینا جیسے کسی شاعر نے کہا ہے۔

خط کا مضمون بھانپ لیتے ہیں لفافہ دیکھ کر

لہٰذا اس صورت میں مثال مذکور کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ ہی کے لئے ہے اس کی خیر کثیر باعتبار بھانپ لینے کے۔

درس (۷۹)

تمیز کے لئے ایک قاعدہ اور قسم ثانی کے لئے دو ضروری مسائل

ثم إن كان اسماً يصح جعله لِمَا انتصب عنه جاز أن يكون له ولمتعلقه، وإلاَّ فهو لمتعلقه، فيطابق فيهما ما قصد إلا إذا كان جنساً، إلا أن يقصد الأنواع، وإن كانت صفةً كانت له وطبقه، واحتملت الحال، ولا يتقدم التميز على عامله، والأصح أن لا يتقدم على الفعل خلافاً للمازني والمبرِّد.

ترجمہ: پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کا اطلاق منتصب عنہ پر صحیح ہو تو جائز ہے کہ منتصب عنہ اور اس کے متعلق میں سے ہر ایک کے لئے قرار دے سکیں ورنہ وہ متعلق کے لئے ہی ہوگی، پس تمیز ان دونوں صورتوں میں مطابق ہوگی اس کا جس کا قصد کیا گیا ہو مگر یہ کہ تمیز اگر صفت ہو تو منتصب عنہ کے لئے ہی ہوگی اور اس کے مطابق ہوگی اور حال کا احتمال بھی رکھتی ہے، اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہو سکتی، اور صحیح تر مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل پر بھی مقدم نہیں ہو سکتی، امام مازنی اور امام مبرد رحمہما اللہ کا اس میں اختلاف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں اولاً تمیز کی قسم ثانی سے دو ضروری مسائل اور اس کے بعد تمیز کی دونوں قسموں کے لئے ایک قاعدے کا بیان ہوگا۔

تمیز کی قسم ثانی کے لئے پہلا مسئلہ

ثم إن كان اسماً يصح جعله لما انتصب عنه: یہاں سے صاحب کافیہ تمیز سے متعلق ایک مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ کونسی تمیز منتصب عنہ یعنی ممیّز کے ساتھ خاص ہوگی اور کونسی اس کے متعلق کے ساتھ اور کونسی میں دونوں کا احتمال ہے، مختصر خلاصہ سب کا یہ ہے کہ

تمیز یا تو اسم ذات ہوگی یا اسم صفت اگر ذات ہو تو اس میں دونوں احتمالات پائے جاتے ہیں ،اور اگر اسم صفت ہو تو وہ صرف ممیز کے متعلق سے تمیز واقع ہوگی براہ راست ممیز کے لئے تمیز نہیں بن سکتی۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کا حمل ممیز پر ہوسکتا ہو یعنی اسم ذات ہو اور ممیز کے لئے خبر بن سکتی ہو تو اس کو ممیز اور اس کے متعلق دونوں کے لئے بنانا جائز ہے جیسے (طاب زیدٌ اباً) دیکھئے یہاں (اباً) تمیز ہے اسکا حمل ممیز یعنی (زیدٌ) پر صحیح ہے یعنی اس کو (زیدٌ) کے لئے خبر بنانا صحیح ہے جیسے (زیدٌ ابٌ) کہنا بالکل صحیح ہے، اور اس کے متعلق یعنی زید کے والد (بکر) کے لئے بھی اس کو تمیز بنایا جاسکتا ہے؛ کیونکہ اس کے لئے بھی اس کو خبر بنانا جائز ہے جیسے (بکرٌ ابٌ) کہنا بالکل صحیح ہے، لیکن قرینے کو دیکھ کر ہی ممیز یا اس کے متعلق کے لئے تمیز بنایا جایا گا مثلاً زید کو اپنے بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے کہا جائے (طاب زیدٌ اباً) تو یہ حسن سلوک اس پر قرینہ ہوا کہ (اباً) براہ راست (زیدٌ) کی تمیز ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ زید اچھا ہے باپ ہونے کے اعتبار سے۔

اور اگر زید کے والد کو اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے کہا جائے کہ (طاب زیدٌ اباً) تو اس کے والد صاحب کا حسن سلوک کرنا قرینہ ہے اس بات پر کہ (اباً) زید کے متعلق یعنی بکر سے تمیز واقع ہو رہا ہے، اس صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا کہ زید اچھا ہے اپنے والد صاحب کے اعتبار سے۔

وإلا فهو لمتعلقه: یہ (ثم إن كان اسماً) سے ایک استثنائی صورت ہے، اس میں فرمارہے ہیں کہ اگر وہ اسم ایسا ہو کہ ممیز پر اس کا حمل کرنا صحیح نہ ہو یعنی اسم ذات نہ ہو بلکہ اسم صفت ہو تو اس کو صرف منصب عنہ یعنی ممیز کے متعلق کے لئے تمیز بنائینگے جیسے (طاب زیدٌ داراً یا طاب زیدٌ علماً) غور کیجئے (زیدٌ دارٌ) اور (زیدٌ علمٌ) نہیں کہا جاسکتا، لہٰذا اس صورت میں (داراً اور علماً) زید کے متعلق سے ابہام دور کررہے ہیں تو اسی متعلق کے لئے ہی ان کو تمیز بنایا جائے گا نہ کہ خود زید کے لئے۔

تمیز کی قسم ثانی کے لئے دوسرا مسئلہ

فیطابق فیهما ما قصد: دوسرا مسئلہ ماقبل والے مسئلے کے ساتھ متصل ہے فرمارہے کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں یعنی چاہے تمیز کا حمل منصب عنہ پر صحیح ہو یا نہ ہو بہر حال تمیز کو ممیز کے مطابق لایا جائے گا یعنی ممیز مفرد ہوتو اس کو بھی مفرد، اور وہ تثنیہ ہوتو اس کو بھی تثنیہ اور وہ جمع ہوتو اس کو بھی جمع لایا جائے گا۔

اس تمیز کی مثالیں جو ممیز کے ساتھ خاص ہو جیسے (**طاب زیدٌ نفسا اور طاب الزیدان نفسین، اور طاب الزیدون نفوساً**).

اور تمیز مخصوص بالمتعلق کی مثالیں (**طاب زیدٌ داراً، طاب الزیدان دارَین، اور طاب الزیدون دیاراً**)۔

اور اس تمیز کی مثالیں جس میں دونوں کا احتمال ہو مثلاً (**طاب زیدٌ أباً، طاب الزیدان أبوَین، اور طاب الزیدون آباءً ا**)۔

إلا إذا كان جنساً: فرماتے ہیں کہ عام طور پر تو تمیز ممیز کے موافق لایا جاتا ہے لیکن تمیز اگر جنس ہو تو اس کا حمل ممیز پر چاہے جائز ہو یا نہ ہو اور ممیز مفرد تثنیہ جمع جیسا بھی ہو ہر صورت میں تمیز کو مفرد لایا جائے گا اس لئے کہ جنس کا اطلاق قلیل اور کثیر سب پر ہوتا ہے جیسے (**طاب زیدٌ علماً اور طاب الزیدان علماً اور طاب الزیدون علماً**)۔

إلا أن يقصد الأنواع: فرماتے ہیں کہ اگر تمیز جنس بھی ہو لیکن متکلم کا ارادہ اس سے اس کے انواع کا ہو تو ایسی صورت میں اس کو ممیز کے موافق مفرد تثنیہ اور جمع لایا جائے گا جیسے (**طاب زیدٌ علماً اور طاب الزیدان علمین اور طاب الزیدون علوماً**) یہ اس صورت میں کہا جائے گا جب متکلم کا ارادہ یہ ہو کہ ایک زید علم کی ایک نوع کی وجہ سے اچھا ہے اور دوسرا زید دوسرے نوع کی وجہ سے اچھا ہے۔

وإن كانت صفة كانت له وطبقه: اس کا عطف بھی ماقبل والی عبارت (ثم

إن كان اسماً) پر ہے اس میں فرماتے ہیں کہ اگر تمیز اسم ذات نہ ہو بلکہ اسم صفت یعنی اسماء مشتقہ میں سے کوئی ہو تو اس کو منصب عنہ کے لئے ہی تمیز بنایا جائے گا؛ کیونکہ صفت کے لئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اور مذکور یعنی منصب عنہ اپنے متعلق کے مقابلے میں زیادہ اولی اور حقدار ہے موصوف بننے کے لئے۔

اس کے بعد صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ (وطبقه) یعنی اس تمیز کو اپنے منصب عنہ کے ساتھ افراد تثنیہ اور جمع میں بالکل موافق لایا جائے گا؛ کیونکہ موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت ضروری ہوتی ہے جیسے (طاب زيدٌ والداً یا طاب زيدٌ فارساً اور طاب الزيدان فارسَين، اور طاب الزيدون فارسِين)۔

واحتملت الحال: مصنف فرمارہے ہیں کہ تمیز اسماء مشتقہ میں سے کوئی ایک ہو تو عام قاعدہ تو یہ ہے کہ اسے منصب عنہ کے لئے صفت بنایا جائے گا لیکن ایک احتمال اس میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اسے ماقبل منصب عنہ کے لئے حال بنایا جائے جیسے (طاب زيدٌ فارساً) میں (فارساً) کو (زيدٌ) کے لئے تمیز بھی بنایا جاسکتا ہے اس صورت میں عبارت یہ ہوگی (طاب زيدٌ من حيث أنه فارساً) نیز اس کو حال بھی بنایا جاسکتا ہے اس صورت میں اس کی عبارت یہ ہوگی (طاب زيدٌ حال كونه فارساً)۔

فائدہ: صاحب کتاب کے انداز کلام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ایسی صورت میں اسم صفت کو تمیز بنانا راجح ہے اور حال بنانا بھی اگرچہ جائز تو ہے لیکن مرجوح ہے، اور جہاں حال بنانے سے معنی فاسد ہو رہا ہو تو پھر اسے حال بنانا صحیح نہیں ہوگا۔

تمیز کی دونوں قسموں کے لئے ایک ضروری قاعدہ

ولا يتقدم على عامله: تیسرا مسئلہ جو تمیز کی دونوں قسموں سے متعلق ہے یہ ہے کہ تمیز اپنے عامل یعنی ممیز پر مقدم نہیں ہوسکتی، وجہ اس کی یہ ہے کہ تمیز کا عامل اسم تام ہوا کرتا ہے اور وہ کمزور قسم کا عامل ہے اس لئے اگر تمیز اس کے بعد ہو تب تو اس میں یہ عمل

کرسکتا ہے لیکن تمیز اگر اس سے مقدم ہو کر آجائے تو پھر اس میں عمل نہیں کرسکتا لہٰذا (عندی عشرون درهماً یا کتباً) کے بجائے (عندی درهماً عشرون اور عندی کتباً عشرون) نہیں کہا جاسکتا۔

والأصح أن لا يتقدم على الفعل: فرماتے ہیں کہ پہلا قاعدہ جو تھا یعنی تمیز کا عامل اسم تام ہو تو بوجہ اس کے عامل ضعیف ہونے کے تمیز کو اس پر مقدم نہیں کیا جاسکتا، یہ متفق علیہ مسلک ہے، لیکن جہاں تمیز کا عامل فعل ہو تو یہ اگر چہ قوی عامل ہے لیکن پھر بھی تمیز اس کے لئے بمنزلہ فاعل کے ہوتا ہے تو جس طرح فاعل اپنے فعل پر مقدم نہیں ہوسکتا اسی طرح تمیز بھی اپنے عامل (فعل) پر مقدم نہیں ہوسکتا، یہ جمہور کا مسلک ہے۔

خلافاً للمازني والمبرد: ابوعثمان بکر بن محمد بن عثمان المازنی اور ان کے شاگرد ابو العباس المبرد یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں لیکن دوسری صورت میں یعنی جہاں تمیز کا عامل فعل صریح ہو تو اس میں ہمارا قول یہ ہے کہ تمیز اپنے عامل پر مقدم ہوسکتا ہے کیونکہ فعل صریح قوی قسم کا عامل ہے لہٰذا اس کا معمول چاہے اس پر مقدم ہو یا مؤخر بہر صورت یہ اس میں عمل کرے گا جیسے (طاب زیدٌ نفساً) سے (نفساً طاب زیدٌ) پڑھنا جمہور کے ہاں ناجائز اور ان دونوں حضرات کے ہاں جائز ہے۔

درس (۸۰)

آٹھواں منصوب: مستثنیٰ کا بیان

المستثنى متصلٌ ومنقطعٌ، فالمتصل: هو المخرج عن متعدد لفظاً أو تقديراً بإلاّ وأخواتها، والمنقطع: المذكور بعدها غير مخرج، وهو منصوبٌ إذا كان بعد إلاّ غير الصفة في كلام موجب، أو مقدَّماً

علی المستثنی منه، أو منقطعاً فی الأکثر، أو کان بعد خلا وعدا، فی الأکثر، أو ما خلا، وماعدا، ولیس، ولا یکون.

ترجمہ: مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل اور منقطع، پس متصل وہ اسم ہے جو نکالا گیا ہو متعدد سے لفظی طور پر یا تقدیری طور پر اِلا اور اس کے اخوات کے ذریعے، اور مستثنیٰ منقطع وہ اسم ہے جو اِلا کے بعد ذکر کیا گیا ہو، لیکن متعدد سے نکالا نہ گیا ہو، اور وہ منصوب ہوگا جب ہو وہ اِلا غیر صفتی کے بعد کلام موجب میں، یا وہ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو یا مستثنیٰ منقطع ہو اکثر لغات یا اکثر علماء نحو کے ہاں، یا ہو خلا اور عدا کے بعد اکثر استعمالات میں، یا وہ ماخلا، ماعدا، لیس اور لا یکون کے بعد واقع ہو۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) مستثنیٰ کی قسمیں اور ہر ایک کی تعریف۔

(۲) چند اصطلاحات ضروریہ کی تفصیل۔

(۳) مستثنیٰ کا پہلا اعراب یعنی منصوب ہونے کی پانچ صورتیں۔

پہلی بات: مستثنیٰ کی قسمیں اور ہر ایک کی تعریف

ترکیبی اعتبار سے (المستثنی) مبتدا مؤخر ہے اور اس سے پہلے (ومنه) محذوف خبر مقدم ہے، استثنیٰ یستثنی استثناء باب استفعال سے ہے اس کا مصدری معنی ہے نکالنا اور پھیرنا، اور مستثنیٰ جو اسم مفعول یا اسم ظرف کا صیغہ ہے اس کا معنی ہوگا نکالا ہوا یا نکالنے کی جگہ، اور پھرا ہوا یا پھیرنے کی جگہ۔

اور اصطلاحی معنی سے قبل یہ سمجھ لو کہ صاحب کافیہ نے اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہے: (۱) مستثنیٰ متصل۔ (۲) مستثنیٰ منقطع۔

مستثنیٰ متصل کا اصطلاحی معنی بیان فرما رہے ہیں کہ (هو المخرج عن متعدد لفظاً أو تقديرا بالا واخواتها) یعنی مستثنیٰ متصل وہ اسم ہے جس کو (اِلا) اور اس کے اخوات کے ذریعے شی ء متعدد سے نکالا گیا ہو چاہے وہ شی ء متعدد لفظوں میں ہو جیسے (جاء

نی القوم إلا زیدا) یہاں (القوم) شیء متعدد ہے اور لفظوں میں مذکور ہے اور (زیدٌ) کو لفظ (إلا) کے ذریعے اس سے نکالا گیا ہے۔

اور چاہے وہ شیء متعدد لفظوں میں نہ ہو بلکہ تقدیری ہو جیسے (ما جاء نی إلا زیدٌ) یہ اصل میں (ماجاء نی أحدٌ إلا زیداً) تھا، یہاں (أحدٌ) مستثنی منہ لفظوں میں مذکور نہیں ہے اور زید کو (إلا) کے ذریعے اس سے نکالا گیا ہے۔

اس کے بعد مستثنی منقطع کا اصطلاحی معنی بیان فرمارہے ہیں کہ (المذکور بعدھا غیر مخرج) یعنی مستثنی منقطع وہ اسم ہے جو اسی طرح (إلا) اور اس کے اخوات کے بعد مذکور ہو لیکن اسے شیء متعدد سے نکالا نہ گیا ہو بلکہ وہ پہلے سے ہی نکلا ہوا ہو؛ کیونکہ وہ سرے سے مستثنی منہ کے جنس سے ہی نہ ہو جیسے (جاء نی القوم إلا حماراً) دیکھئے یہاں (حماراً) لفظ (إلا) کے بعد تو ہے لیکن ماقبل میں شیء متعدد یعنی (القوم) سے اس کو نکالا نہیں گیا ہے؛ کیونکہ نکالا اسے جاتا ہے جو پہلے سے داخل ہو، رہا (حماراً) تو یہ پہلے سے ہی قوم کے افراد میں سے نہیں تھا جو نکالا جاتا۔

الملاحظہ: یادرہے کہ ادوات استثناء کل دس ہیں: (خلا، عدا، ماخلا، ماعدا، حاشا، لیس، لایکون، سوی، سواءَ اور غیر) ان سب کے ماقبل کو مستثنی منہ اور مابعد کو مستثنی کہتے ہیں اور خود ان حروف کو ادوات استثناء کہتے ہیں۔

دوسری بات: چند اصطلاحات ضروریہ کی تفصیل

مناسب ہوتا ہے کہ مستثنی کے بحث کو شروع کرنے سے قبل بطور تمہید کے چند ضروری اصطلاحات کی وضاحت ہو جائے:

(۱) **مستثنی**: اس کی تعریف بمع دونوں قسموں کے گذر گئی یعنی متصل اور منقطع۔

(۲) **مستثنی منہ**: یعنی وہ متعدد جس سے ادوات استثناء کے ذریعے بعض

افراد نکالے گئے ہوں۔

(۳) **کلام موجب:** کلام موجب وہ کلام ہے جس میں نفی نہی اور استفہام نہ ہوں جیسے (قرأت الكتاب إلا صفحة)۔

(۴) **کلام غیر موجب:** کلام غیر موجب وہ کلام ہے جس میں نفی نہی اور استفہام میں سے کوئی ایک پایا جائے جیسے (لا تقرأ إلا كتابا علمياً)۔

(۵) **مستثنی مفرغ:** یعنی وہ مستثنی جس سے پہلے مستثنی منہ مذکور نہ ہو جیسے (ما جاء نی إلا زيد)۔

(۶) **مستثنی غیر مفرغ:** یعنی وہ مستثنی جس سے پہلے مستثنی منہ لفظوں میں مذکور ہو جیسے (جاء نی القوم إلا زيداً)۔

(۷) **إلا صفتی:** یعنی وہ کلمہ (إلا) کا وہ کلمہ جو (غیرَ) کے معنی میں ہو اور اس کے بعد واقع ہونے والا اسم مستثنی نہ ہو بلکہ اپنے ماقبل کے لئے صفت واقع ہو جیسے ﴿لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا﴾۔

(۸) **إلا غیر صفتی:** یعنی (إلا) کا وہ کلمہ جس کے بعد واقع ہونے والا اسم مستثنی ہو جیسے (جاء نی القوم إلا زيدا)۔

تیسری بات: مستثنیٰ کا پہلا اعراب یعنی منصوب ہونے کی پانچ صورتیں

وهو المنصوب إذا كان بعد إلا غير الصفة: صاحب کتاب علامہ ابن حاجب صاحب مستثنی کی تقسیم اور تعریف سے فارغ ہو کر اب اس کے اعراب کو بیان فرمارہے ہیں، چنانچہ (و هو منصوبٌ) سے لیکر (وليس ولايكون) والی عبارت تک صاحب کتاب مستثنی کے پہلے اعراب یعنی منصوب ہونے کی پانچ صورتیں بیان فرمارہے ہیں۔

منصوب ہونے کی پہلی صورت

إذا كان بعد إلا غير الصفة فى كلام موجب: یعنی جس وقت مستثنیٰ کلام موجب میں إلا غیر صفتیہ کے بعد واقع ہو جیسے (جاء نى القوم إلا زيداً)۔

منصوب ہونے کی دوسری صورت

أو مقدما على المستثنى منه: یعنی جس وقت مستثنیٰ مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو جیسے (ما جاء نى إلا زيداً أحدٌ)۔

منصوب ہونے کی تیسری صورت

أو منقطعاً فى الأكثر: فرماتے ہیں کہ اکثر علماء نحو کے ہاں مستثنیٰ منقطع ہو تو بھی منصوب ہوگا چاہے کلام موجب میں ہو جیسے (جاء نى القوم إلا حماراً)، یا کلام غیر موجب میں ہو جیسے (ماجاء نى القوم إلا حماراً)۔

فائدہ ۱: مذکورہ تینوں صورتوں میں مستثنیٰ کو منصوب پڑھنا اس لئے واجب ہے کہ یہ فضلہ ہونے میں مفعول بہ کے مشابہ ہے اور مفعول بہ چونکہ منصوب ہوتا ہے اس لئے یہ بھی منصوب ہوگا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان مواقع میں مستثنیٰ اپنے ماقبل کے لئے بدل نہیں بن سکتا تا کہ مبدل منہ والا اعراب اس کو دیا جائے، اور نہ اس سے قبل کوئی حرف جر ہے اور نہ کوئی اسم مضاف، تا کہ اس کو مجرور پڑھا جائے، لہٰذا اس کا منصوب پڑھنا ہی متعین ہوگیا۔

فائدہ ۲: صاحب کافیہ کی (فى الأكثر) والی عبارت سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ اس میں اختلاف ہے ایک طرف جمہور علماء نحو ہیں جن کا مسلک ذکر ہوا اور دوسری طرف علماء بنی تمیم ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ منقطع پر ڈائریکٹ یہ حکم لگانا کہ یہ منصوب ہوگا یہ صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ مستثنیٰ منقطع کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ کو حذف کرنا جائز ہو جیسے (ما جاء نى القوم إلا

حماراً) یہاں (القوم) کوحذف کرنے سے معنی میں کوئی خرابی نہیں آتی جیسا کہ مستثنی متصل جب کلام موجب میں ہوتو جس طرح اس کو مرفوع بناء بر بدلیت اور منصوب بناء بر مستثنی ہونے کے جائز ہے جیسے (ما جاء نی القوم إلا زیداً) اور (ما جاء نی إلا زیداً) بالکل ایسا ہی اس کو بھی مرفوع بناء بر بدلیت اور منصوب بناء بر مستثنی ہونے کے جائز ہے۔

(۲) جہاں مستثنی منہ کوحذف کرنا جائز نہ ہو جیسے ﴿لا عاصم الیوم من أمر اللہ إلا من رحم﴾، یہاں ﴿عاصم﴾ مستثنی منہ ہے جس کوحذف کرنا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ یہ لائے نفی جنس کا اسم ہے اور اسے حذف نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا ﴿من رحم﴾ جو کہ مستثنی ہے یہ محلا منصوب ہوگا اور منصوب پڑھنا صرف جائز نہیں بلکہ واجب ہوگا۔

منصوب ہونے کی چوتھی صورت

أو کان بعد خلا و عدا فی الأکثر: فرماتے ہیں کہ (خلا اور عدا) کے بعد بھی اکثر علماء نحو کے ہاں مستثنی وجوبی طور پر منصوب ہوگا جیسے (جاء نی القوم خلا زیداً وعدا زیداً)۔

یہ حضرات اس کے منصوب ہونے کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ (خلا اور عدا) دونوں فعل ہیں جیسے (خلا یخلو خلوًا اور عدا یعدو عدوًا) باب نصر ینصر سے ناقص واوی ہیں بمعنی تجاوز کرنا، اور (ھو) ضمیر غائب ان میں فاعل ہے جو ماقبل فعل کے مصدر کی طرف لوٹتی ہے اور مستثنی ان کے لئے مفعول بہ ہے تو جس طرح مفعول بہ کا منصوب ہونا واجب ہے ایسا ہی اس کا منصوب ہونا بھی واجب ہوگا۔

صاحب کافیہ نے (فی الأکثر) کی قید لگائی ہے؛ اس لئے کہ بعض علماء نحو کے ہاں (خلا اور عدا) دونوں حرف جر ہیں لہٰذا ان کے ہاں ان دونوں مقامات پر مستثنی مجرور ہوگا جیسے (جاء نی القوم خلا زیدٍ وعدا زیدٍ) لیکن ان کے مقابلے میں اکثر علماء نحو کا مذہب اس لئے راجح ہے کہ (خلا اور عدا) میں فعلیت کا اعتبار زیادہ ہے بنسبت حرفیت

کے؛ اس لئے کہ ان دونوں پر کبھی کبھار (ما مصدریہ) بھی داخل ہوتا ہے اور قاعدہ ہے کہ (ما مصدریہ) فعل پر داخل ہوسکتا ہے حرف پر کبھی داخل نہیں ہوتا، پس یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہ دونوں فعل ہیں حرف نہیں ہیں۔

منصوب ہونے کی پانچویں صورت

أو ماخلا، وما عدا، وليس، ولا يكون: پانچواں مقام جہاں مستثنیٰ کا منصوب ہونا واجب ہوتا ہے یہ ہے کہ مستثنیٰ (ما خلا، ما عدا، لیس، اور لا یکون) میں سے کسی ایک کے بعد واقع ہو جیسے (جاء نی القوم ما خلا زیداً وما عدا زیداً) اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی (جاء نی القوم خلا مجیئهم زیداً، یا جاء نی القوم خلا الجائی منهم زیداً)، (وقس علیه مثال عدا)۔

(ما خلا اور ما عدا) کے بعد مستثنیٰ اس لئے منصوب ہوگا کہ یہ دونوں فعل ہیں؛ کیونکہ شروع میں (ما مصدریہ) داخل ہے، اور ضمیر ان کا فاعل ہے اور مستثنیٰ مفعول بہ ہے، تو بناء بر مفعولیت اس کا منصوب ہونا واجب ہوگا، اور پھر پورا جملہ فعلیہ (القوم) سے حال واقع ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہوگا (کما مرت أمثلته آنفاً)۔

اور (لیس اور لا یکون) کے بعد اس لئے منصوب ہوگا کہ یہ دونوں افعال ناقصہ میں سے ہیں اور استثناء کی بحث میں ان کا فاعل ہمیشہ کے لئے ضمیر مستتر ہوا کرتی ہے جو ماقبل والے فعل کے اسم فاعل کی طرف لوٹتی ہے اور مستثنیٰ ان کے لئے خبر ہوگی، اور خبر چونکہ ان کی منصوب ہوتی ہے لہٰذا مستثنیٰ بھی منصوب ہوگا، اور پھر یہ دونوں اپنے اسم اور خبر سے مل کر مستثنیٰ منہ سے حال واقع ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہونگے جیسے (جاء نی القوم لیس زیدا) اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی: (جاء نی القوم لیس الجائی منهم زیداً)، اور (جاء نی القوم لا یکون زیدا) اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی: (جاء نی القوم لا یکون الجائی منهم زیداً)۔

درس (۸۱)

اعراب مستثنیٰ کی دوسری اور تیسری صورت

ويجوز فيه النصب، ويختار البدل في ما بعد (إلا) في كلام غير موجب وذُكرَ المستثنى منه، مثل: ما فعلوه إلا قليلٌ، وإلا قليلاً، ويعرب على حسب العوامل إذاكان المستثنى منه غير مذكورٍ وهو في غير الموجب؛ ليفيد، مثل: ما ضربني إلا زيدٌ، إلا أن يستقيم المعنى، مثل: قرأت إلا يوم كذا، ومن ثم لم يجز ما زال زيدٌ إلا عالماً.

ترجمہ: اور جائز ہے اس میں نصب، اور بدل بنانا مختار ہے اس صورت میں جب مستثنیٰ إلا کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو جیسے (ما فعلوه إلا قليلٌ، اور إلا قليلاً)، اور اس کو اعراب دیا جائے گا بر مقتضائے عوامل جب مستثنیٰ منہ مذکورہ نہ ہو درانحالیکہ مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو؛ تا کہ وہ صحیح فائدہ دے سکے جیسے (ما ضربني إلا زيدٌ)، مگر جب معنیٰ صحیح ہو جیسے (قرأت إلا يوم كذا)، اور اسی وجہ سے جائز نہیں ہے (مازال زيدٌ إلا عالماً)۔

تشریح: آج کے درس میں مستثنیٰ کی دوسری اور تیسری اعرابی صورتیں بیان ہوں گی۔

اعراب مستثنیٰ کی دوسری صورت: نصب جائز اور بدل مختار

ويجوز فيه النصب ويختار البدل: صاحب کتاب اعراب مستثنیٰ کی دوسری صورت بیان فرما رہے ہیں کہ مستثنیٰ جب کلام غیر موجب میں (إلا) کے بعد واقع ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو اس کو بنا بر استثناء منصوب پڑھنا بھی جائز ہے لیکن بنا بر بدلیت اس پر

مبدل منہ کا اعراب پڑھنا زیادہ اولی اور مختار ہوگا جیسے ﴿ما فعلوہ إلا قلیلٌ منهم﴾ کو بناء بر استثناء منصوب یعنی ﴿مافعلوہ إلا قلیلا﴾ پڑھنا بھی جائز ہے، لیکن بناء بر بدلیت اس کو مرفوع پڑھنا اولی اور مختار ہے، یعنی ﴿قلیلٌ﴾ کو ﴿فعلوہ﴾ کی ضمیر فاعل کے لئے بدل البعض بنایا جائے گا؛ کیونکہ (إلا) کے مابعد کو اگر بدل بنانا ہو تو وہ بدل البعض ہی بنایا جا سکتا ہے۔

اس قسم میں دو وجہیں اس لئے جائز ہیں کہ نصب کی صورت میں مستثنی متصل ہوگا اور وہ فضلہ ہونے میں مفعول بہ کے مشابہ ہونے کی بناء پر منصوب ہوگا، اور دوسری صورت میں مستثنی منہ کے لئے بدل البعض ہوگا، اور بدل اور مبدل منہ دونوں میں سے مقصود بدل ہوا کرتا ہے، اور یہی وجہ پہلی وجہ سے راجح ہے، راجح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ بدل کی صورت میں اعراب بغیر کسی واسطے کے آتا ہے اور مستثنی کی صورت میں عامل اور معمول کے درمیان (إلا) کا واسطہ ہوتا ہے، اور یہ بات واضح ہے کہ اعراب بالواسطہ سے اعراب بدون الواسطہ اولی اور مختار ہوا کرتا ہے، صاحب کتاب نے جو مثال دی ہے یہ رفع کی ہے، جر کی مثال یہ بنے گی (مامررت بأحدٍ إلا زیدٍ)، اور نصب کی یہ بنے گی (مارأیت أحداً إلا زیداً)، حالت نصبی میں بدل اور مستثنی دونوں کا اعراب ایک جیسے ہوگا لیکن فرق اعتباری ہوگا یعنی اعراب کو اگر بالواسطہ مانا جائے تو بناء بر استثناء منصوب ہوگا اور اگر بدون الواسطہ مانا جائے تو بناء بر بدلیت منصوب ہوگا۔

صاحب کافیہ نے اعراب کی اس قسم کے لئے تین شرطیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) فی ما بعد إلا: یعنی مستثنی (إلا) کے بعد واقع ہو، اس سے احتراز ہوا اس مستثنی سے جو اخوات (إلا) کے بعد ہو؛ کیونکہ اس کے لئے یہ اعراب نہیں بلکہ ان میں سے بعض (خلا، عدا، وغیرہ) کا حکم بیان ہوگیا اور بعض کا آگے آئے گا۔

(۲) فی کلام غیر موجب: یعنی مستثنی کلام غیر موجب میں ہو اس سے احتراز ہوگیا اس مستثنی سے جو کلام موجب میں ہو؛ کیونکہ اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے بلکہ اس

میں نصب واجب ہوگا (کما مر سابقاً)۔

(۳) وذکر المستثنی منه: تیسری شرط یہ لگائی کہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو، اور جہاں مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو یعنی مستثنیٰ مفرغ ہو تو اس کا اعراب بحسب العوامل ہوگا (کما یأتی أمامنا فی الدرس القادم إن شاء الله)۔

اعراب مستثنیٰ کی تیسری صورت: اعراب بحسب العوامل

ویعرب علی حسب العوامل إذا کان المستثنی منه غیر مذکور وهو فی غیر الموجب: یہ اعراب مستثنیٰ کی تیسری صورت ہے جو مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب نے ذکر فرمائی ہے اس جگہ (حَسَبَ، مقتضی) کے معنی میں ہے اور (علی، باء) کے معنی میں، تو عبارت یہ بنے گی: (ویعرب بمقتضی العامل) مطلب یہ ہوگا کہ کلام غیر موجب میں جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کو عامل کے مقتضی کے موافق عمل دیا جائے گا، یعنی اگر عامل رفع کا متقاضی ہو تو اس پر رفع آئے گا جیسے (ما جاء نی إلا زیدٌ) اور نصب کا متقاضی ہو تو نصب آئے گا جیسے (ما رأیت إلا زیداً) اور جر کا متقاضی ہو تو جر آئے گا جیسے (ما مررت إلا بزید)۔

صاحب کافیہ نے مذکورہ اعراب کے لئے دو شرطیں بیان فرمائی ہے:

پہلی شرط

إذا کان المستثنی منه غیر مذکور: یعنی مستثنیٰ کو یہ اعراب تب دیا جائے گا جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو یعنی مستثنیٰ مفرغ ہو، لیکن مستثنیٰ منہ اگر مذکور ہو تو وہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں، ان دونوں صورتوں کا حکم گذر گیا ہے کہ پہلی صورت میں نصب پڑھنا واجب ہوگا اور دوسری صورت میں نصب جائز اور بدل مختار ہوگا۔

دوسری شرط

وھو فی غیر الموجب: دوسری شرط یہ لگائی کہ مذکورہ اعراب کے لئے اس کا کلام غیر موجب میں ہونا شرط ہے اس کی وجہ خود صاحب کتاب نے (لیفید) والی عبارت میں بیان فرمائی ہے یعنی یہ شرط اس لئے لگائی تا کہ یہ کلام صحیح اور مفید بن جائے اور سامع کو بھی کلام صحیح کا فائدہ حاصل ہو جائے جیسے (ما ضربنی إلا زیدٌ) اس مثال سے بالکل صحیح معنی کا فائدہ ہو رہا ہے؛ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ متکلم کو زید کے علاوہ کسی نے بھی نہ مارا ہو، اس کے برخلاف مستثنیٰ مفرغ اگر کلام موجب میں ہو جیسے (ضربنی إلا زیدٌ) تو سامع کو متکلم کا یہ کلام صحیح معنی کا فائدہ نہیں دے سکتا؛ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ متکلم کو زید کے علاوہ پورے انسانوں نے مارا ہو؛ کیونکہ بہت سارے انسان تو متکلم کی پیدائش سے پہلے دار فناء سے دار بقاء کی طرف کوچ کر چکے ہونگے اور بہت سارے انسان خود متکلم کے فوت ہونے کے بعد اس دنیا میں آئینگے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ متکلم کو زید کے علاوہ باقی پورے انسانوں نے مارا ہو، تو یہ دوسری شرط معنی کے صحیح ہونے کے لئے لگائی ہیں۔

إلا أن یستقیم المعنی: یہ صاحب کتاب کی عبارت (وھو فی غیر الموجب) سے ایک استثنائی صورت بیان ہو رہی ہے کہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں واقع نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ یہ بات گذر گئی کہ ایسی حالت میں معنی کی خرابی لازم آتی ہے لیکن جہاں معنی کی خرابی لازم نہ آتی ہو تو وہاں مستثنیٰ مفرغ کا کلام موجب میں واقع ہونا جائز ہوگا، مثلاً وہاں کوئی ایسا قرینہ ہو جو اس بات پر دلالت کر رہا ہو کہ مستثنیٰ منہ سے بعض متعین افراد مراد ہیں جیسے صاحب کتاب نے اس کے لئے مثال دی ہے (قرأت إلا یوم کذا) یہاں پر مستثنیٰ منہ محذوف سے بعض متعین افراد مراد ہیں مثلاً ایک طالب علم نے کہا (قرأت کل الأسبوع) میں ہفتہ بھر پڑھتا رہا، دوسرے نے اس سے کہا (قرأت إلا یوم الجمعة) میں جمعہ کے علاوہ باقی پورا ہفتہ پڑھتا رہا، اور قرینہ اس پہ پہلے والے طالب علم کا کلام ہے، لہٰذا

دوسرے والے طالب علم کے قول میں (کل الأسبوع) مستثنیٰ منہ محذوف ہوگا۔

ومن ثم لم یجز مازال زیدٌ إلا عالماً: یہ ماقبل والے مسئلے پر تفریع پیش کررہے ہیں کہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں تب واقع ہوگا جب اس کا معنی صحیح بن رہا ہو ورنہ تو اس میں واقع نہیں ہوگا اس کے لئے صاحب کتاب ایک مثال دیکر فرمارہے ہیں کہ اسی وجہ سے (ما زال زیدٌ إلا عالماً) کہنا صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ (مازال زیدٌ) مستثنیٰ مفرغ ہے اور (إلا عالماً) مستثنیٰ کلام موجب میں واقع ہورہا ہے یہ کلام موجب اس لئے ہے کہ (ما) بھی نافیہ ہے اور (زال) بھی نفی کے لئے ہے، اور قاعدہ ہے کہ نفی جب نفی پر داخل ہوجائے تو اثبات کا فائدہ دیتی ہے لہٰذا اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ (ثبت زیدٌ دائماً علی جمیع الصفات إلا علی صفة العلم) یعنی زید ہمیشہ کے لئے صفت علم کے علاوہ باقی تمام صفات کے ساتھ متصف رہا ہے، اور اس کا باطل ہونا ظاہر ہے؛ کیونکہ زید کے لئے تمام صفات ممکنہ اور غیر ممکنہ متضادہ اور غیر متضادہ کا ثابت ہونا محال ہے۔

درس (۸۲)

ایک قاعدہ اور اس پر ایک شبہ کے ازالے کا بیان

وإذا تعذر البدل علی اللفظ فعلی الموضع، مثل: ما جاء نی من أحد إلا زیدٌ، ولا أحد فیها إلا عمرو، وما زیدٌ شیئاً إلا شیءٌ لا یُعبأ به؛ لأن (من) لا تزاد بعد الإثبات، و(ما ولا) لاتقدران عاملتین بعده؛ لأنهما عملتا للنفی، وقد انتقض النفی بإلا، بخلاف لیس زیدٌ شیئاً؛ لأنهما عملت للفعلیة، فلا أثر فیها لنقض معنی النفی لبقاء الأمر العاملة هی لأجله، ومن ثم جاز لیس زیدٌإلا قائماً، وامتنع ما زیدٌ إلا قائماً.

ترجمہ: اور جب متعذر رہو بدل بنانا باعتبار لفظ کے تو باعتبار محل کے ہوگا جیسے (ما جاء نی من أحد إلا زیدٌ، ولا أحد فیها إلا عمرو. وما زیدٌ شیئاً

إلا شيءٌ لا يُعبأ بـه) اس لئے کہ (من) نہیں لایا جاتا اثبات کے بعد، اور ما اور لا عامل ہونے کی صورت میں مقدر نہیں مانے جاتے اس اثبات کے بعد؛ اس لئے کہ یہ دونوں نفی کی وجہ سے عمل کرر ہے تھے اور یقیناً نفی ٹوٹ گئی ہے إلا کی وجہ سے، بخلاف (ليس زيدٌ شيئاً إلا شيئاً)؛ اس لئے کہ لیس بوجہ فعل ہونے کے عامل تھا اور معنی نفی کے ٹوٹنے سے اس کے عمل میں کوئی اثر نہیں پڑا؛ اس لئے کہ وہ امر تا حال باقی ہے جس کو وجہ سے لیس عمل کرر ہا تھا، اور اسی وجہ سے جائز ہے (ليس زيدٌ إلا قائماً) اور منع ہے (ما زيدٌ إلا قائماً)۔

تشریح: آج کے درس میں ایک قاعدہ اور ایک شبہ کے ازالے کا بیان ہوگا:

وإذا تعذر البدل: والی عبارت سے لے کر (ما زيدٌ إلا قائماً) تک صاحب کتاب ایک قاعدہ بیان فرمار ہے ہیں، دراصل اس قاعدے کا تعلق اعرابِ مستثنی کی دوسری صورت سے ہے وہاں ہم نے پڑھا تھا کہ (ويجوز فيه النصب ويختار البدل فيما بعد إلا في كلام غير موجب وذكر المستثنى منه) یعنی کلام موجب میں مستثنی منہ (إلا) کے بعد واقع ہو تو اسے منصوب پڑھنا بھی جائز ہے لیکن اسے مستثنی منہ کے لفظ سے بدل مان کر اس پر مبدل منہ کا اعراب پڑھنا زیادہ اولی اور مختار ہوگا، اب یہاں یہ قاعدہ بیان فرمار ہے ہیں کہ جہاں مستثنی کا مستثنی منہ کے لفظ سے بدل بنانا متعذر ہو تو وہاں مستثنی منہ کے محل سے اسے بدل بنایا جائے گا تا کہ اولی پر بقدر امکان عمل ہو سکے جیسے (ما جاءني من أحد إلا زيدٌ، ولا أحد فيها إلا عمرو، وما زيدٌ شيئاً إلا شيءٌ لا يُعبأ به) ان سب مثالوں میں مابعد (إلا) کو ماقبل مستثنی منہ کے محل سے بدل بنایا گیا ہے۔

دلیل بر قاعدہ مذکورہ

لأن من لا تزاد بعد الإثبات: اس عبارت میں صاحب کتاب تعذر بدل عن اللفظ کی وجہ اور اس کی دلیل بتار ہے ہے، کہ پہلی مثال (ما جاءني من أحد إلا زيدٌ) میں (إلا زيدٌ) کو اگر ہم (من أحد) سے بدل مانیں گے تو (من) استغراقیہ کا کلام موجب میں آنا لازم آئے گا جو کہ بالاتفاق ناجائز ہے، اور یہ کلام موجب اس لئے ہے کہ

ایک ہی جملے میں نفی کے بعد جب (إلا) آجائے تو اس سے نفی کا معنی ختم ہو جاتا ہے اور نفی کا معنی جب ختم ہوا تو کلام موجب بن گیا، یا بالفاظ دیگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہاں (مِنْ) کا داخل ہونا زید پر لازم آ رہا ہے اور زید محل اثبات میں ہے؛ اس لئے (إلا) کے ماقبل میں جب نفی ہو تو اس کے مابعد میں اثبات ہوتا ہے اور زید چونکہ اس کے بعد ہے تو مقام اثبات میں ہونا ثابت ہو گیا۔

اور بدل چونکہ تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی (ما جاء نی من أحد إلا زيدٍ) اور معنی اس کا یہ ہوگا (جاء نی من زيدٍ)۔

اس کے عدم جواز کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ (من) کلام موجب میں آ رہا ہے جو کہ ناجائز ہے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فرد واحد (زید) پر (من) استغراقیہ کا داخل ہونا لازم آ رہا ہے اور یہ بھی ناجائز ہے اس لئے کہ (من) استغراقیہ ہمیشہ کلی پر داخل ہوا کرتا ہے لہٰذا ان محظورات سے بچنے کے لئے زید کو باعتبار محل کے بدل قرار دیا جائے گا اور (من أحدٍ) چونکہ محلاً مرفوع ہے فاعلیت کی بناء پر لہٰذا زید کو بھی مرفوع پڑھا جائے گا۔

دوسری مثال یعنی (لا أحد فيها إلا عمرو) اس میں عمرو بدل ہے (أحدٌ) کے محل سے، اور (أحدٌ) چونکہ محلاً مرفوع ہے بناء بر ابتداء تو (عمرو) بھی بناء بر بدلیت کے مرفوع ہوگا۔

اور تیسری مثال بھی (ما زيدٌ شيئاً إلا شيء لا يُعبأ به) اس میں (شیء) ماقبل والے (شیئاً) کے محل سے بدل واقع ہو رہا ہے اور وہ (شیئا) چونکہ محلاً بناء بر خبریت کے مرفوع ہے تو (شیء) بھی مرفوع ہوگا۔

ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ پر اگر محمول کریں گے تو بدل چونکہ تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے لہٰذا اگر ہم چاہے کہ (ما اور لا) کو بدل سے پہلے مقدر ماننا پڑے گا تو اس کے لئے ہم نے صاحب کتاب سے پوچھا کہ حضرت صاحب! کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ تو فرمانے لگے کہ نہیں جی؛ کیونکہ قاعدہ ہے کہ (ما و لا تقدران عاملتين

بعده) یعنی (ما اور لا) عامل ہوکر اثبات کے بعد مقدر نہیں مانے جاسکتے، دلیل یہ ہے کہ (لأنهما عملتا للنفی) یعنی یہ دونوں اس لئے عمل کر رہے تھے کہ ان میں نفی کا معنی پایا جارہا تھا لیکن (وقد انتقض النفی بإلا) یقیناً وہ نفی إلا کے ذریعے ختم ہوگئی ہے یعنی جب (إلا) حرف استثناء نے ان سے نفی کا معنی ختم کر دیا تو گویا کہ ان سے عمل کی قوت بھی ختم ہوگئی اور جب عمل کی قوت ختم ہوگئی تو دوسری مثال میں (عمرو) اور تیسری میں (شیء) کو مستثنی منہ کے لفظ پر محمول کرکے اور اس سے بدل مان کر منصوب نہیں پڑھ سکتے بلکہ (عمرو) کو (أحدٌ) کے محل پر محمول کرکے مرفوع پڑھیں گے، اور (شیءٌ) کو (شیئاً) کے محل سے بدل مان کر بناء برخبریت مرفوع پڑھیں گے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

بخلاف لیس زیدٌ شیئاً إلا شیئاً: یہاں سے صاحب کتاب ایک شبہ کا ازالہ فرمارہے ہیں، شبہ یہ ہوسکتا تھا کہ (ما اور لا) یہ دونوں مشابہ ہیں (لیس) کے ساتھ، تو (لیس) مشبہ بہ ہوگیا، اور قاعدہ ہے کہ اکثر طور پر مشبہ بہ اولی ہوتا ہے بنسبت مشبہ کے، لہٰذا اب ایک طالب علم کے ذہن میں شبہ ہوسکتا تھا کہ (ما اور لا) سے نفی کا معنی ختم ہوجانے کی وجہ سے ان کا عمل بھی نہیں رہتا، لہٰذا جب مشبہ جو ادنی ہے اس کی یہ حالت ہے تو مشبہ بہ یعنی (لیس) جو اعلی ہے اس کی بدرجہ اولی یہ حالت ہوگی یعنی اس سے اگر نفی کا معنی ختم کر دیا جائے تو وہ بھی عامل نہیں رہے گا۔

اس شبہ کے ازالہ کے لئے صاحب کتاب نے فرمایا کہ (بخلاف لیس زیدٌ شیئاً إلا شیئاً) یعنی بخلاف (لیس) کے، کہ اگر اس کی نفی ختم بھی کردی گئی ہو تب یہ بدل میں عمل کرے گا۔

اس کی وجہ خود صاحب کافیہ بتارہے ہیں کہ (لأنها عملت للفعلية) یعنی اس لئے کہ (لیس) نفی کے معنی کے پائے جانے کی وجہ سے عمل نہیں کر رہا بلکہ فعل ہونے کی وجہ

سے عمل کر رہا ہے، لہٰذا (إلا) حرف استثناء نے اگر چہ (لیس) کے معنی نفی کو ختم کیا لیکن (فلا أثر فیھا لنقض معنی النفی) یعنی نفی کے معنی کے ختم ہونے کے باوجود اس کے عمل کو ختم نہیں کیا، کیوں؟ (لبقاء الأثر العاملة ھی لأجله) یعنی نفی کا معنی اگر چہ اس سے ختم ہو گیا لیکن جس وجہ سے وہ عمل کر رہا تھا وہ اب بھی باقی ہے اور وہ ہے کلمہ کا فعل ہونا اور اس کا فعل ہونا تا حال باقی ہے، اس لئے (شیئاً، إلا) کے ماقبل (شیئاً) کے لفظ سے بدل بن کر منصوب پڑھا جائے گا۔

ومن ثم جاز لیس زیدٌ إلا قائماً: یہاں سے ماقبل والے اصول پر نفیا واثباتا ایک تفریع بیان فرمارہے ہیں کہ (لیس زیدٌ إلا قائماً) کہنا تو صحیح ہے؛ کیونکہ (إلا) کی وجہ سے (لیس) کا معنی نفی اگر چہ ختم ہو گیا لیکن (لیس) معنی نفی کی وجہ سے عامل نہیں تھا بلکہ فعلیت کی وجہ سے تھا اور فعلیت اس کی تا حال باقی ہے۔

وامتنع ما زیدٌ إلا قائماً: فرمارہے ہیں کہ (ما زیدٌ إلا قائماً) کہنا صحیح نہیں ہوگا؛ وجہ اس کی گذر گئی ہے کہ (ما اور لا) معنی نفی کی وجہ سے عامل ہیں، لہٰذا جب (إلا) نے اس کی نفی ختم کر دی تو اس کا عامل ہونا بھی ختم ہو گیا اس لئے (ما زیدٌ إلا قائماً) کہنا صحیح نہیں ہوگا۔

درس (۸۳)

اعراب مستثنیٰ کی چوتھی صورت

ومخفوضٌ بعد غیر، وسوی، وسواء، وبعد حاشا، فی الأکثر، وإعراب (غیر) فیه کإعراب المستثنی بالا علی التفصیل.

ترجمہ: اور مستثنیٰ مجرور ہوتا ہے غیرَ اور سویٰ اور سواءَ کے بعد، اور حاشا کے بعد بھی اکثر استعمالات میں، اور غیرَ کا اعراب باب استثناء میں مستثنیٰ بالا کے اعراب کی طرح

ہوگا اسی تفصیل کے مطابق جو گذر گئی۔

تشریح: بھائی آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) مستثنیٰ کے اعراب کی چوتھی قسم۔ (۲) غیر کا اعراب۔

پہلی بات: مستثنیٰ کے اعراب کی چوتھی قسم

ومخفوضٌ بعد غیر وسِوی وسواءَ: اعراب مستثنیٰ کی چوتھی صورت بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہے کہ مستثنیٰ اگر (غیر، سوی، اور سواء) کے بعد ہو تو بالاتفاق مجرور ہوگا؛ کیونکہ یہ تینوں مضاف بنیں گے اور مستثنیٰ مضاف الیہ، تو مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مستثنیٰ مجرور ہوگا۔

ان کے علاوہ اکثر علماء نحو کا مذہب یہ ہے کہ اگر مستثنیٰ (حاشا) کے بعد ہو تو بھی مجرور ہوگا لیکن مجرور بالاضافت نہیں بلکہ مجرور بحرف الجر ہوگا؛ کیونکہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ (حاشا) حروف جارہ میں سے ہے جیسے (ضرب القوم عمروا حاشا زید، أي: برأه الله سبحانه وتعالى عن ضرب عمرو) یعنی اللہ نے اس کو عمرو کے مارنے سے بچا کے رکھا۔

لیکن بعض علماء نحو مثلاً امام مبرد اس کو فعل شمار کرتے ہیں کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ یہ (جانب) کے معنی میں آتا ہے جیسے دعاء میں ہم کہتے ہیں (اللهم اغفرلي ولمن سمع دعائي حاشا الشيطن)، اور اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مستثنیٰ کو اللہ تعالیٰ نے پاک اور بری کردیا ہے اس چیز سے جو مستثنیٰ منہ کی طرف منسوب ہے، لہٰذا ان کے ہاں اگر مستثنیٰ (حاشا) کے بعد ہو تو (ماخلا، اور ماعدا) کے بعد والے مستثنیٰ کی طرح منصوب ہوگا جس کی پوری تفصیل پہلی صورت کے پانچویں مقام میں ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری بات: غیر کا اعراب

• **وإعراب غير فيه كإعراب المستثنى بإلا على التفصيل**: صاحب کافیہ

جب مستثنی کے اعراب سے فارغ ہو گئے تو اب (غیرَ) کے اعراب کو بیان فرما رہے ہیں۔

لیکن اس پر کسی طالب علم کو اشکال ہو سکتا ہے کہ ادوات استثناء میں سے صرف (غیرَ) ہی کے اعراب کو بیان کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی، یا تو سب کے اعراب کو بیان کر دیتے یا اس (غیرَ) کے اعراب کو بھی چھوڑ دیتے؛ تا کہ سب میں برابری ہو جاتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ یہ اسم متمکن ہے اور اسم متمکن کو اعراب کی ضرورت ہوتی ہے بخلاف اس کے دیگر اخوات کے کہ ان میں اکثر مبنی ہیں اور بعض کے لئے اعراب پہلے سے متعین ہے، مثلاً (إلا) حرف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے، اور (خلا، عدا، ماخلا، ماعدا، لیس) فعل ماضی ہونے کی وجہ سے مبنی ہیں اور مبنی اعراب قبول نہیں کرتا، ان کے علاوہ (سوی، اور سواءٔ) لازم النصب ہیں، جیسا کہ چوتھی بات کے ضمن میں آرہا ہے، اور (لا یکون) فعل مضارع ہے جس پر بحسب العوامل اعراب آتا ہے، اور (حاشا) بھی اکثر علماءِ نحو کے ہاں حروف جارہ میں سے ہے لہٰذا یہ مبنی ہوا، اور مبنی اعراب کو قبول نہیں کرتا، اس لئے صاحب کافیہ نے مناسب سمجھا کہ صرف (غیرَ) ہی کے اعراب کو بیان کیا جائے، چنانچہ صاحب کافیہ فرما رہے ہیں کہ (وإعراب غیر فیہ کإعراب المستثنی بإلا علی التفصیل) یعنی کلمہ (غیر) جب باب استثناء میں مستعمل ہو تو اس کا اعراب مستثنی (بإلا) والے اعراب کی طرح ہوگا، یعنی جن صورتوں میں مستثنی (إلا) کے بعد واقع ہوتا ہے اور اس پر جو اعراب ہوتا ہے اگر انہی صورتوں میں (إلا) کے بجائے (غیرَ) لایا جائے تو وہی مستثنی والا اعراب (غیرَ) پر آجائے گا اور مستثنی (غیرَ) کی وجہ سے مجرور ہو جائے گا مثلاً:

مستثنی کلام موجب میں (إلا) کے بعد واقع ہو تو منصوب ہوتا ہے لہٰذا (إلا) کے بجائے اگر (غیرَ) آجائے تو وہ مستثنی کو مجرور بنا کر اس کا اعراب کو خود ہی قبول کرلے گا جیسے (جاء نی القوم غیرَ زیدٍ)۔

اسی طرح جب مستثنیٰ منقطع (إلا) کے بعد واقع ہو تو منصوب ہوتا ہے تو (غیرَ) کو (إلا) کی جگہ لانے سے مستثنیٰ مجرور ہو جائے گا اور (غیــرَ) کا کلمہ منصوب پڑھا جائیگا جیسے (جاء نی القوم غیرَ حمارٍ)۔

اور مستثنیٰ (بـــإلا) جب مقدم ہو مستثنیٰ منہ پر تو وہ منصوب ہوتا ہے جیسے لہٰذا ایسی حالت میں (غیرَ) بھی منصوب ہوگا جیسے (ما جاء نی غیرَ زید القوم)۔

اور مستثنیٰ جب (إلا) کے بعد کلام غیر موجب میں ہو اور مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو نصب بھی جائز ہے اور بدل بنانا بھی جیسے (مـا جـاء نـی أحدٌ غیرَ زیدٍ) پڑھنا بھی جائز ہے اور (ما جاء نی أحدٌ غیرُ زیدٍ) پڑھنا بھی جائز ہے۔

اور جب مستثنیٰ مفرغ (إلا) کے بعد کلام غیر موجب میں ہو تو ایسی صورت میں مستثنیٰ کا اعراب بحسب العوامل ہوتا ہے لہٰذا ایسے موقع پر (غیـــرَ) کا اعراب بھی بحسب العوامل ہوگا جیسے (مـا جـاء نـی غیـرُ زیـدٍ، ومـا رأیتُ غیرَ زیدٍ، ومامررتُ بغیر زیدٍ)۔ (خیر الخوص ص۲۰۸)۔

درس (۸۴)

غیر کے معانی اور سوی اور سواءَ کا اعراب

و (غیـر) صـفـةٌ حـمـلـت علی (إلا) فی الاستثناء، کما حملت (إلا) عـلیـهـا فـی الـصـفـة إذا کـانـت تابعةً لجمعٍ منکورٍ غیر محصور لتعذر الاستثناء، مثل: ﴿لو کان فیهما آلهة إلا اللّٰه لفسدتا﴾، وضعف فی غیره، وإعراب (سوی وسواء) النصب علی الظرف علی الأصح.

ترجمہ: اور غیر اصل میں کلمہ صفت ہے لیکن باب استثناء میں اِلا پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ محمول کیا جاتا ہے اِلا کو غیر پر صفت میں جب اِلا تابع ہو ایسی جمع کے جو نکرہ

غیر محصور ہو استثناء کے متعذر ہونے کی وجہ سے جیسے ﴿لو کان فیھما آلھة إلا اللّٰه لفسدتا﴾، اور ضعیف ہے إلا کو غیر پر محمول کرنا اس کے علاوہ میں، اور سوی اور سواء کا اعراب نصب ہوگا بناء بر ظرفیت کے اصح مذہب کے مطابق۔

تشریح: آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) غیر اور إلا کے معنی حقیقی ومجازی اور کا استعمال۔

(۲) سوی اور سواء کا اعراب۔

پہلی بات: غیر اور إلا کے معنی حقیقی ومجازی اور اس کا استعمال

وغیر صفة حملت علی إلا فی الاستثناء: صاحب کافیہ (غیر) کے اعراب کو بیان کرنے کے بعد اس کے معنی حقیقی اور مجازی کو بیان کرتے ہیں، تو فرمایا کہ (غیر) میں اصل یہ ہے کہ یہ ماقبل کی صفت واقع ہو جیسے (جاء نی رجلٌ غیر زیدٍ) آیا میرے پاس ایسا آدمی جو زید کے غیر تھا، اور کلام عرب میں یہ بکثرت اسی طرح صفت ہو کر ہی استعمال کیا جاتا ہے لیکن کبھی کبھار اس کو مجازی طور پر (إلا) کے معنی میں لے کر استثناء کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جیسے (جاء نی القوم غیرَ زیدٍ) اس میں (غیر زید) کو ماقبل (القومُ) کے لئے صفت بنانا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ موصوف اور صفت کے درمیان تعریف اور تنکیر میں مطابقت شرط ہے جبکہ یہاں (القومُ) معرفہ ہے اور (غیر) اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہے لیکن توغل فی الابہام کی وجہ سے یہ پھر بھی نکرہ ہی ہے، لہذا یہاں پر (غیر) کو (إلا) کے معنی میں لیا جائے گا، اسی کو صاحب کافیہ بیان کرتے ہوئے فرمار ہے ہیں کہ (غیر) اصل وضع میں تو صفت کے لئے ہے لیکن جب استثناء میں ہو تو اس وقت یہ (إلا) کے معنی میں ہوگا۔

کما حملت إلا علیها فی الصفة إذا کانت تابعاً .. إلخ: جیسا کہ (إلا) اپنے اصل وضع کے اعتبار سے استثناء کے لئے ہے لیکن کبھی مجازی طور پر (غیر) کی

معنی یعنی صفت کے لئے بھی آتا ہے لیکن اس کے لئے صاحب کافیہ نے تین شرائط ذکر فرمائی ہیں:

(۱) إذا كانت تابعةً لجمع منكورٍ: یعنی بشرطیکہ یہ جمع کے بعد ہو۔

(۲) بشرطیکہ وہ جمع بھی نکرہ ہو۔

(۳) بشرطیکہ وہ جمع غیر محصور ہو، یعنی اس کے افراد کی تعداد معلوم نہ ہو جیسے سب کی مثال: (جاء نی رجالٌ إلا زيدٌ)۔

ان تینوں شرطوں کے بعد اس کو صفت کے لئے کیوں استعمال کیا جاتا ہے؟ تو اس کے لئے صاحب کافیہ فرمار ہے ہیں کہ (لتعذُّر الاستثناء) یعنی ایسے مقام پر (إلا) کو استثناء کے لئے لینا متعذر رہوتا ہے اور جیسا کہ فرمان باری تعالی میں بھی ہے ﴿لو كان فيهما آلهة إلا الله لفسدتا﴾، اس طرح ﴿لا إله إلا الله﴾، ان دونوں میں (إلا) بمعنی (غیر) کے ہے، اور ﴿آلهة اور إلـةٌ﴾ دونوں موصوف ہیں اور (إلا) ان کی صفت ہے؛ کیونکہ اس جگہ استثناء ہو نہیں سکتا؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ مستثنی کو یا تو متصل بنائیں گے یا منقطع، اگر متصل بناتے ہیں تو جن معبودوں کی (لا إلــه) میں نفی ہو رہی ہے ان سے مراد آلھہ محققہ ہونگے تا کہ اللہ تعالی ان میں داخل ہو، اور پھر ان سے اللہ تعالی کا استثناء کیا جائے، تو اس صورت میں (إلــه) کا متعدد ہونا لازم آئے گا جو کہ توحید کے منافی ہے، اور اگر استثناء منقطع بناتے ہیں تو آلھہ سے آلھہ باطلہ مراد ہونگے، تو (لا إلــه) سے آلھہ باطلہ کی نفی تو ہوگئی لیکن آلھہ محققہ کی نفی لازم نہیں آتی، تو توحید جو مطلوب اور مقصود ہے وہ حاصل نہیں ہوگی، تو معلوم ہوا کہ ایسی جگہوں پر (إلا) اپنے اصلی معنی میں نہیں بلکہ (غیر) کے معنی میں ہو کر اس کا مابعد ماقبل کے لئے صفت : وا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ (كلمة غير للصفة أصلاً وللاستثناء فرعاً و كلمة إلا للاستثناء أصلاً و للصفة فرعاً) یعنی کلمہ (غیر) اصل وضع اور حقیقی معنی کے اعتبار

سے برائے صفت ہے اور فرع کے اعتبار سے برائے استثناء، اور کلمہ (إلا) اپنے اصل کے لحاظ سے برائے استثناء اور فرع کے اعتبار سے برائے صفت ہے۔ (خیر النحو ۲۱۰)۔

اسی طرح پہلی مثال (ما جاء نی رجالٌ إلا زیدٌ) میں بھی استثناء اس لئے متعذر ہے کہ مستثنی کی دو قسمیں ہیں:

(۱) **متصل:** یعنی وہ مستثنی جس میں یہ یقین ہو کہ مستثنی مستثنی منہ میں داخل ہے۔

(۲) **منقطع:** یعنی وہ مستثنی جس میں یہ یقین ہو کہ مستثنی مستثنی منہ میں داخل نہیں ہے، تو یہاں (رجالٌ) کے نکرہ ہونے کی وجہ سے یہ بھی احتمال ہے کہ (زید) اس میں داخل ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ داخل نہ ہو، اس وجہ سے یہ نہ تو مستثنی متصل ہے اور نہ مستثنی منقطع؛ کیونکہ ان میں یقین ضروری ہوتا ہے، اس لئے یہاں پر (إلا) کو صفت کے معنی میں لے لیں گے، ہاں اگر (رجالٌ) پر الف لام داخل کر دیا جائے تو اب (إلا) استثناء کے لئے ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں (زید، الرجال) کے تحت داخل ہوگا اور مستثنی متصل ہوگا۔ (تقریر کافیہ ۲۱۲)۔

صاحب کافیہ نے (غیر محصور) کہہ کر (لفلان علی ألف درهم إلا مائة) جیسی ترکیب کو خارج کر دیا؛ کیونکہ اس میں (ألفٌ) اگرچہ جمع منکور ہے لیکن غیر محصور نہیں ہے بلکہ اس کے اعدد معلوم اور متعین ہے۔

وضعف فی غیرہ: فرما رہے ہیں کہ اگر جمع منکور غیر محصور نہ ہو تو اس میں (إلا) کو (غیر) کے معنی میں لینا ضعیف ہے، غور فرمائیں صاحب کافیہ نے (لا یجوز فی غیرہ) نہیں کہا بلکہ (وضعف) کہہ دیا؛ اس لئے کہ امام سیبویہ اور متاخرین علماء نحو کے ہاں ان کے غیر میں بھی جائز ہے، تو صاحب کافیہ نے ان کی رعایت کرتے ہوئے (ضعف فی غیرہ) فرمایا اور (لا یجوز فی غیرہ) نہیں فرمایا۔

دوسری بات: سوی اور سواءٔ کا اعراب

وإعراب سوى، وسواء، النصب على الظرفية على الأصح:

صاحب کافیہ (غیر) کے معنی اور اعراب کو بیان کرنے کے بعد (سوی اور سواء) کا اعراب بیان فرمارہے ہیں لہٰذا جیسا کہ دوسری بات کے ضمن میں ہم نے کہا تھا کہ یہ دونوں لازم النصب ہیں یعنی ہمیشہ یہ دونوں منصوب ہوکر آئینگے، اور منصوب ہونے کی وجہ یہ بتائی تھی کہ (علی الظرف) یعنی ظرفیت کی بناء پر یہ منصوب ہونگے؛ کیونکہ (جاء نی القوم سوی زید یا سواء زید) کہنا بمنزلہ (جاء نی القوم مكان زيد) کے ہیں؛ اس لئے کہ اس کا معنی ہم یہ کرتے ہیں کہ: زید کے بجائے پوری قوم میرے پاس آئی، یہ علماء بصریین اور امام سیبویہ صاحب کا مذہب ہے، اور فاضل مصنفؒ نے اس کو اصح مذہب قرار دیا ہے، اور علماء کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ (سوی اور سواء) کا اعراب (غیر) کی طرح ہے جو عامل کے موافق ہوگا لیکن یہ مذہب مرجوح ہے۔

درس (۷۵)

نویں منصوب: خبر کان وأخواتها کا بیان

خبر كان وأخواتها: هو المسند بعد دخولها، مثل: كان زيدٌ قائماً، وأمره كأمر خبر المبتدأ، ويتقدم معرفةً، وقد يُحذف عامله في نحو: الناس مجزيون بأعمالهم، إن خيراً فخيرٌ، وإن شرًّا فشرٌّ، ويجوز في مثلها أربعة أوجه، ويجب الحذف في مثل: أما أنت منطلقاً انطلقتُ، أي: لأن كنتَ منطلقاً.

ترجمہ: اور انہی (منصوبات میں) سے کان اور اس کے اخوات کی خبر بھی

ہے وہ ایسا اسم منصوب ہے جو مسند ہوان کی داخل ہونے کے بعد جیسے (كان زيدٌ قائماً)، اوراس کا معاملہ مبتداء کی خبر کے معاملے کی طرح ہے، اور معرفہ ہونے کی حالت مقدم ہوسکتی ہے، اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے اس کے عامل کو (الناس مجزيون بأعمالهم، إن خيراً فخيرٌ، وإن شرًّا فشرٌّ) جیسی ترکیب میں، اور جائز ہے اس جیسی ترکیب میں چار صورتیں، اور واجب ہے (کان کو) کوحذف کرنا (أما أنت منطلقاً انطلقتُ) جیسی ترکیب میں یعنی (لأن كنت منطلقاً)۔

تشریح: بھائی آج کے درس میں صرف دو باتیں ہیں:

(۱) خبر کان واَخواتہا کی تعریف۔

(۲) خبر کان کے متعلق چار اہم مسائل۔

پہلی بات: خبر کان واَخواتہا کی خبر کی تعریف

خبر كان وأخواتها هو المسند بعد دخولها: اس عبارت میں صاحب کافیہ نے افعال ناقصہ کی خبر کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ یہ وہ اسم ہے جو افعال ناقصہ کے داخل ہونے کے بعد وہ مسند ہو، اگر کسی اور عامل کے دخول کے بعد وہ مسند ہوتو وہ اسی عامل کی خبر تو شمار ہوگی لیکن اسے افعال ناقصہ کی خبر نہیں کہہ سکتے جیسے (كان زيدٌ قائماً) اسم میں (قائماً، کان) کی خبر ہے اور مسند ہے یعنی اس کی نسبت زید کی طرف کی گئی ہے۔

دوسری بات: خبر کان کے متعلق چار اہم مسائل

پہلا مسئلہ

وأمره كأمر خبر المبتدأ: صاحب کافیہ فرما رہے ہیں کہ افعال ناقصہ کی خبر کا معاملہ اپنی شرائط اور احکام اور مسائل میں مبتدا کی خبر کی طرح ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو اسی کتاب کے درس ۴۵ کی تیسری بات، بجز ایک مسئلے کے کہ وہاں ہم نے پڑھا تھا کہ

(وإذا كان المبتدأ...أو كان معرفتين...وجب تقديمه) یعنی اگر مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو مبتدا کو مقدم رکھنا واجب ہے خبر کو اس پر مقدم نہیں کیا جا سکتا ورنہ تو التباس کا خطرہ ہوگا کہ کونسا مبتدا ہے اور کونسی خبر، لیکن یہاں صاحب کتاب فرما رہے ہیں کہ (ويتقدم معرفةً) یعنی افعال ناقصہ کا اسم اور خبر دونوں معرفہ کیوں نہ ہوں پھر بھی ان کی خبر کو اسم پر مقدم کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسم اور خبر دونوں کا یا کم از کم دونوں میں سے کسی ایک کا اعراب لفظی ہو؛ تاکہ التباس لازم نہ آئے جیسے (كان القائم زيدٌ اور كان المنطلق زيدٌ اور كان هذا زيدٌ) یہاں (هذا) اسم اشارہ معرفہ ہونے کے باوجود کان کے اسم پر مقدم ہو گیا ہے اس لئے کہ اعراب کے مختلف ہونے کی وجہ سے یہاں التباس کا کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن جہاں دونوں پر اعراب معنوی ہو یعنی اعراب بھی ظاہر نہ ہو اور کوئی قرینہ بھی نہ ہو جو اسمیت اور خبریت پر دلالت کرتے ہوں تو صرف ایسے موقع پر خبر کو اسم پر مقدم نہیں کیا جائے گا ورنہ تو التباس کا خوف ہوگا جیسے (كان الفتى هذا)۔

دوسرا مسئلہ

وقد يحذف عامله في نحو الناس مجزيون بأعمالهم إن خيرًا فخيرٌ وإن شرًّا فشرٌّ: عبارت مذکورہ میں صاحب کافیہ نے دوسرا مسئلہ ذکر فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ کبھی کبھار افعال ناقصہ کی خبر کا عامل یعنی (كـــان) کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے جیسے (الناس مجزيون بأعمالهم إن خيرا فخيرٌ وإن شرًّا فشرٌّ) دیکھئے ان مثالوں میں آپ کو (كـــان) نظر نہیں آتا لیکن پھر بھی اس کا عمل ظاہر ہوا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ (كان) فعل ناقص یہاں حذف کیا گیا ہے اس کی اصل عبارت یہ تھی: (الناس مجزيون بأعمالهم إن كان عملهم خيرا فجزائهم خيرٌ وإن كان عملهم شرًّا فجزائهم شرٌّ) یعنی تمام لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے حساب سے بدلہ دیا جائے گا پس اگر ان کے اعمال اچھے نکل آئے تو ان کو بدلہ بھی اچھا ملے گا اور اگر ان کے اعمال برے نکل

آئے تو بدلہ بھی برا ہی ملے گا۔

یاد رہے کہ عامل سے تمام افعال ناقصہ مراد نہیں ہیں بلکہ افعال ناقصہ میں سے صرف (کان) مراد ہے کیونکہ یہاں پر عامل کا حذف کرنا تخفیف کے لئے ہے اور تخفیف وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی چیز کثرت سے استعمال ہو رہی ہو، اور ظاہر بات ہے کہ افعال ناقصہ میں سے صرف (کان) کثرت سے استعمال ہوتا ہے باقی جو اس کے اخوات ہیں وہ اگرچہ استعمال ہوتے ہیں لیکن کثرت سے استعمال نہیں ہوتے جیسے (صار الطین خزفاً)، اس سے (صار) کو حذف کرنا جائز نہیں ہے۔

تیسرا مسئلہ

ویجوز فی مثلها أربعة أوجه: صاحب کتاب علامہ ابن حاجب صاحب فرمارہے ہیں کہ ماقبل والے مسئلہ میں ہم نے جو مثال پیش کی ہے اس جیسی مثالوں اور ترکیبوں کو چار طریقوں سے پڑھنا جائز ہے:

(۱) دونوں منصوب ہوں جیسے (إن خیراً فخیراً) تقدیری عبارت یہ ہوگی (إن کان عملهم خیراً فیکون جزاؤهم خیراً)۔

(۲) دونوں مرفوع ہوں جیسے (إن خیرٌ فخیرٌ) تقدیری عبارت یہ ہوگی (إن کان فی عملهم خیرٌ فجزاؤهم خیرٌ)۔

(۳) پہلا منصوب اور دوسرا مرفوع ہو جیسے (إن خیرا فخیرٌ) اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی (إن کان عملهم خیراً فجزاؤهم خیرٌ)۔

صاحب کافیہ نے اسی صورت کو اختیار فرمایا ہے کیونکہ اس میں محذوف عبارت کم نکلتی ہے۔

(۴) پہلا مرفوع اور دوسرا منصوب ہو جیسے (إن خیرٌ فخیرا) اس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی (إن کان فی عملهم خیرٌ فیکون جزاؤهم خیراً)۔ (تقریر کافیہ ۲۱۳)۔

فائدہ: مصنف کے قول (فی مثلھا) سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں (إن) شرطیہ کے بعد دو اسم ہوں اور دوسرے والے اسم پر (فاء) جزائیہ داخل ہو (کما فی المثال المذکور)۔

چوتھا مسئلہ

ویجب الحذف فی مثل: أما أنت منطلقاً انطلقتُ: حذف جوازی کے بعد حذف وجوبی کو بیان فرمارہے ہیں کہ ہر وہ عامل جس کو حذف کر کے کسی اور چیز کو اس کا قائمقام بنایا گیا ہو تو پہلے اگر چہ اس کا حذف جوازی تھا لیکن عوض اور قائمقام لانے کے بعد اس کا حذف وجوبی ہوگا؛ اس لئے کہ اگر اس کو وجوبی نہیں ٹھہرائینگے تو ذکر کرنے کی صورت میں عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے جیسے (لأن كنت منطلقاً انطلقتُ) سے (أما أنت مطلقاً انطلقتُ)۔

إعلال: لأن كنت منطلقاً انطلقتُ: سب سے پہلے اس سے لام کو حذف کیا گیا؛ اس لئے کہ (أن) مصدریہ سے حرف جار کا حذف کرنا قیاسی بھی ہے اور عقلی بھی، تو (أن كنت منطلقاً انطلقتُ) بنا، پھر (كنت) سے اختصار کے لئے (كان) کو حذف کر کے اس کے عوض کلمہ (مـا) لاکر ماقبل والے (أن) مصدریہ کے نون کے ساتھ تبدیل کیا گیا تو (أما أنت منطلقاً انطلقتُ) بن گیا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

درس (۸۶)

دسویں منصوب: اسم إن وأخواتہا کا بیان

اسم إن وأخواتها: هو المسند بعد دخولها، مثل: إن زيداً قائمٌ.

ترجمہ: منصوبات میں سے (إنَّ) اور اس کے اخوات کا اسم بھی ہے، یہ وہ

اسم ہے جو حروف مشبہ بالفعل کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے (إن زیداً قائمٌ)۔

تشریح: دیکھو میرے بھائی! ہم کافی دنوں سے منصوبات کے بحث میں لگے ہوئے ہیں، اللہ کا شکر ہے ان میں سے نو تو ہم نے پڑھ لئے، آج ہم دسویں قسم پڑھیں گے چنانچہ سب سے پہلے اس کی تعریف بیان کرتے ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کا اسم وہ اسم ہے جو ان حروف میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو مثلاً (زیدٌ قائمٌ) سے (إن زیداً قائمٌ) اس میں قیام کی نسبت اسی زید کی طرف کی گئی ہے۔

یہاں اشکال ہو سکتا ہے کہ (زیدٌ) تو حروف مشبہ بالفعل کے داخل ہونے سے پہلے بھی مسند الیہ تھا تو پھر اس کا کیا مطلب ہوا کہ ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوگا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک پہلے بھی زید مسند الیہ تھا لیکن حروف مشبہ بالفعل چونکہ نواسخ مبتدا میں سے ہیں جب یہ اس پر داخل ہو گئے تو اس نے مبتدا اور خبر کی ترکیب توڑ دی، لہٰذا اب نئے سرے سے اس کی ترکیب بنانی ہوگی تو فرمایا کہ نئے سرے سے بھی جب ہم اس کی ترکیب بنائیں گے تو اس میں بھی زیدٌ مسند الیہ ہی بنے گا، جیسے (إن زیداً قائمٌ) میں زید (إنَّ) کا اسم ہے اور مسند الیہ ہے اور (قائمٌ) اس کی خبر ہے اور مسند ہے۔

یاد رہے کہ حروف مشبہ بالفعل چھ ہیں جن کو ایک شاعر نے اپنے شعر میں جمع فرمایا ہے:

إنَّ با أنَّ کأنَّ، لیتَ، لٰکنَّ، لعلَّ

ناصب اسمند ورافع در خبر ضد ما ولا

☆☆☆

درس (۸۷)

گیارہویں منصوب: اسمِ لائے نفی جنس کا بیان

المنصوب بلا التي: هو المسند إليه بعد دخولها يليها نكرةً مضافاً أو مشبهاً به، مثل: لا غلامَ رجلٍ ظريفٌ فيها، ولا عشرين درهماً لك، فإن كان مفرداً، فهو مبنيٌّ على ما يُنصب به، وإن كان معرفةً، أو مفصولاً بينه وبين (لا) وجب الرفع والتكرير.

ترجمہ: اسی سے منصوب بلائے نفی جنس بھی ہے یہ وہ اسم ہے جو لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو درانحالیکہ لائے نفی جنس کی بعد بلا فصل مضاف یا مشابہ بالمضاف واقع ہو جیسے (**لا غلامَ رجلٍ ظريفٌ فيها، ولا عشرين درهماً لك**) پس اگر لائے نفی جنس کا اسم مفرد ہو تو وہ مبنی بر علامت نصب ہوگا، اور اگر معرفہ ہو یا اس اسم اور (لا) کے درمیان فاصلہ ہو تو رفع اور تکرار واجب ہونگے۔

تشریح: مذکورہ عبارت میں صاحب کتاب گیارہویں منصوب یعنی لائے نفی جنس کے اسم کو بیان فرما رہے ہیں، چنانچہ آج کے درس میں اس کے متعلق ہم تین باتیں ذکر کریں گے:

(۱) اسم لائے نفی جنس کی تعریف۔ (۲) مذکورہ تعریف میں فوائد اور قیود۔

(۳) مذکورہ تعریف پر ایک اشکال اور اس کا جواب۔

پہلی بات: اسم لائے نفی جنس کی تعریف

المنصوب: میں الف لام بمعنی (الذی) اسم موصول کے ہے اور (منصوب) صیغہ صفت یعنی اسم مفعول کا صیغہ اس کے لئے صلہ ہے، لہٰذا اس کی تقدیری عبارت یہ بنے گی: (**الاسم الذی نُصب بلا التی لنفی الجنس**) اب اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ اسم

جس کو لائے نفی جنس کی وجہ سے نصب دیا گیا ہووہ نحویوں کی اصطلاح میں وہ اسم ہے جو (لا) کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہو درانحالیکہ اس کے ساتھ ایسا نکرہ متصل ہو جو مضاف یا شبہ مضاف واقع ہو جیسے اسم نکرہ مضاف کی مثال (لا غلامَ رجلٍ ظریفٌ فیها) اس میں (غلام، لا) کا اسم ہے اور (لا) کے داخل ہونے کے بعد مسند الیہ واقع ہوا ہے اور اسی (لا) کے ساتھ بالکل متصل بھی ہے اور آگے (رجلٍ) کی طرف اس کی اضافت ہوئی ہے، اسی طرح مشابہ بالمضاف کی مثال: (لا عشرین درهماً لک) اس میں (عشرین، لا) کا اسم ہے اور اس کے ساتھ متصل ہے اور مسند الیہ بھی ہے اور مشابہ بالمضاف بھی ہے۔

مشابہ بالمضاف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح مضاف اپنا پورا معنی دینے میں مضاف الیہ کا محتاج ہوتا ہے بالکل ایسا ہی کوئی اسم اپنا معنی دینے میں کسی اور کلمے کا محتاج ہو مثلاً مثال مذکور میں (عشرین) کو لیجئے، اس پر جتنے مرتبہ بھی متکلم تکلم کرے یہ اس وقت تک سمجھ میں نہیں آئے گا جب تک اس کے ساتھ (درهماً) یا اور کوئی تمیز نہ لگائی جائے۔

دوسری بات: مذکورہ تعریف میں فوائد اور قیود

المنصوب بلا التی لنفی الجنس: یہ معرف ہے، اور (هو المسند إلیه) سے لیکر (أو مشبهاً به) تک یہ پوری عبارت اس کی تعریف ہے، تعریف میں (هو) ضمیر لائے نفی جنس یعنی معرَّف کی طرف راجع ہے، (المسند إلیه) یہ جنس کے درجے میں ہے جو کہ معرف اور غیر معرف دونوں کو شامل ہے، اور (بعد دخولها) فصل اول ہے اس کے ذریعے اس سے دوسرے تمام مسند خارج ہو گئے۔

تنبیہ: مطلق لائے نفی جنس کی تعریف تو صرف اتنی ہی ہے جو بیان ہوگئی لیکن ہم نے چونکہ وہ اسم بیان کرنا ہے جو منصوب ہو اس لئے صاحب کتاب نے اس کے لئے دوسرے قیود کا اضافہ بھی کیا ہے، مثلاً:

(یسلیھا) یہ فصل ثانی ہے اس کے ذریعے اس سے لائے نفی جنس کا وہ اسم جو اس کے ساتھ متصل نہ ہو وہ خارج ہو گیا۔

(نکرۃ) یہ فصل ثالث ہے، اس کے ذریعے لائے نفی جنس کا وہ اسم جو معرفہ ہو وہ خارج ہو گیا۔

(مضافاً أو مشبھا بہ) فصل رابع ہے اس کے ذریعے لائے نفی جنس کا وہ اسم جو مفرد ہو وہ خارج ہو گیا۔

آخر الذکر تین فصلوں کے ذریعے جو جو اسماء خارج ہو گئے ہیں ان سب کا مستقل بحث آگے آنے والا ہے، انشاء اللہ۔

تیسری بات: مذکورہ تعریف پر ایک اشکال اور اس کا جواب

صاحب کافیہ نے اسم لائے نفی جنس کی تعریف جو بیان فرمائی ہے اس پر اشکال یہ ہے کہ اس سے پہلے منصوبات کی بقیہ اقسام کو بیان کرتے ہوئے یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا کہ (خبر کان واُخواتھا) اور (اسم إن واُخواتھا) اور (خبر ما ولا المشبھتین بلیس)، لیکن یہاں پہنچ کر اپنا طریقہ اور طرز بیان بدل کر فرمایا کہ (المنصوب بلا التی لنفی الجنس) تو اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟۔

شارحین نے اس کے مختصر و مفصل ہر قسم کے جوابات دیئے ہیں منجملہ ان میں ایک مختصر جواب یہ بھی ہے کہ لائے نفی جنس کا ہر اسم منصوب نہیں ہوتا بلکہ بعض حالتوں میں منصوب ہوتا ہے اور بعض میں مرفوع، جبکہ منصوبات میں ہم نے صرف اس کے ان حالتوں کو لینا ہے جن میں یہ منصوب ہوتا ہے اس لئے صاحب کتاب نے (المنصوب بلا التی لنفی الجنس) سے معنون فرمایا۔

چوتھی بات: اسم لائے نفی جنس کی حالات اور اعراب

دیکھو میرے بھائی! جو عبارت آج ہم نے پڑھی ہے اس میں اگر غور کیا جائے تو صاحب کافیہ نے اس میں اسم لائے نفی جنس کی چھ حالتیں اور ان کا اعراب بیان فرمایا ہیں، پہلی اور دوسری صورت تو تعریف کے ضمن میں بیان کی گئیں ہیں مثلاً:

(۱) **یلیھا نکرۃً مضافاً:** یعنی وہ اسم لائے نفی جنس کے ساتھ متصل ہو اور نکرہ بھی ہو اور ساتھ ساتھ مضاف بھی ہو جیسے (**لا غلام رجل ظریف فیھا**)۔

(۲) **او مشبھاً بہ:** دوسری صورت یہ ہے کہ وہ اسم لائے نفی جنس متصل بھی ہو اور نکرہ بھی ہو لیکن مضاف ہونے کے بجائے مشابہ بالمضاف ہو جیسے (**لا عشرین درھماً لک**)۔

ان دونوں قسموں کا اعراب یہ ہے کہ یہ دونوں معرب ہونگے اور منصوب ہونگے جیسے پہلی مثال میں (**غلام**) اور دوسری میں (**عشرین درھماً**) دونوں منصوب ہیں۔

(۳) فإن کان مفرداً: تیسری صورت یہ ہے کہ اسم لائے نفی جنس نکرہ متصلہ ہو لیکن مضاف یا مشابہ بالمضاف نہ ہو بلکہ نکرہ مفردہ ہو، اگر کوئی اسم تثنیہ یا جمع کی شکل میں کیوں نہ ہو لیکن اگر وہ مضاف یا مشابہ بالمضاف نہ ہو تو وہ مفرد ہی کہلائے گا؛ کیونکہ یہاں مفرد مضاف اور شبہ مضاف کے مقابلے میں ہے نہ کہ تثنیہ اور جمع کے مقابلے میں۔

اس قسم کا اعراب بیان کرتے ہوئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ (**فھو مبنی علی ما ینصب بہ**) یعنی لائے نفی جنس کا ایسا اسم مبنی برنصب ہوگا اور مبنی برعلامت نصب کی تین صورتیں ہیں:

(۱) زبر، جیسے (**لا رجل فی الدار**)۔

(۲) یاء ماقبل مفتوح، جیسے (**لا مسلمَین فی الدار**)۔

(۳) یا ماقبل مکسور جیسے (**لا مسلمِین فی الدار**)۔

سوال: اس صورت میں یہ مبنی کیوں ہوتا ہے؟۔

جواب: یہ حرف کے معنی کو متضمن ہوتا ہے تو چونکہ تمام حروف مبنی ہوتے ہیں اس لئے یہ بھی مبنی ہوگا، اور یہ حرف کے معنی کو متضمن اس طرح ہے کہ اس کی اصل عبارت یہ ہے (**لا من رجل فی الدار**) اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ (**هل من رجل فی الدار؟**) کے جواب میں بولا جاتا ہے، اور سوال میں چونکہ (**مــــن**) مذکور ہے اس لئے جواب میں بھی (من) مذکور ہوگا؛ کیونکہ قاعدہ ہے (**المذکور فی السوال کالموعود فی الجواب**)۔

(۴) **وإن كانت معرفةً:** چوتھی صورت یہ ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو۔

(۵) **أو مفصولاً بينه وبين لا:** پانچویں صورت یہ ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم نکرہ منفصلہ ہو چاہے اسم نکرہ مفردہ ہو یا اسم نکرہ مضاف یا مشابہ بالمضاف ہو، تو گویا کہ اس پانچویں صورت کی تین حالتیں ہوگئیں، ان سب صورتوں کا اعراب بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ (**وجب الرفع والتكرير**) یعنی ان سب صورتوں کا مرفوع ہونا واجب ہوگا؛ کیونکہ (لا) ملغی عن العمل ہوگا یعنی کوئی عمل نہیں کرے گا اور دوسرا یہ کہ ایسی صورتوں میں (لا) کو دوسرے اسم کے ساتھ مکرر لانا واجب ہوگا جیسے (**لا زيدٌ فی الدار ولا عمروٌ**) اور (**لا فيها رجلٌ ولا امرأةٌ**)۔

سوال: مذکورہ صورتوں میں لائے نفی جنس کا اسم مرفوع کیوں پڑھا جاتا ہے اور (لا) کو مکرر کر کے کیوں لایا جاتا ہے؟۔

جواب: شارحین نے اس کا جواب یہ لکھا ہے کہ پہلی صورت (یعنی معرفہ ہونے کی صورت) میں اس لئے مرفوع پڑھیں گے کہ لائے نفی جنس اصل وضع کے اعتبار سے نکرہ کی صفت کی نفی کے لئے آتا ہے پس جب یہ معرفہ پر داخل ہوگا تو اس کا عمل باطل ہو جائے گا اور وہ اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

رہی دوسری صورت، تو اس میں رفع اس لئے واجب ہے کہ (لا) ایک ضعیف قسم

کا عامل ہے پس اگر اس کے بعد والے اسماء اپنی صحیح ترتیب پر ہوں تب تو یہ ان میں عمل کرے گا ورنہ تو نہیں کرے گا، بلکہ (لا) ملغی عن العمل ہو جائے گا اور وہ اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

اور (لا) کا تکرار اس لئے لازم ہے تا کہ جواب سوال کے موافق ہو جائے جیسے (أزیدٌ فی الدار أم عمروٌ) کے جواب میں یہی کہا جائے گا کہ (لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ)۔

اس طرح (أفی الدار رجلٌ أم امرأةٌ) کے جواب میں بھی یہی کہا جائے گا کہ (لا زیدٌ فی الدار ولا عمروٌ)۔

درس (۸۸)

اسم لائے نفی جنس کی اعرابی صورتیں

ومثل: قضيةٌ ولا أبا حسنٍ لها، متأولٌ، وفي مثل لاحول ولاقوة إلا بالله خمسة أوجهٍ: فتحهما، وفتح الأول ونصب الثاني، ورفعه، ورفعهما، ورفع الأول على ضعفٍ، وفتح الثاني.

ترجمه: اور (قضيةٌ ولا أبا حسنٍ لها) جیسی ترکیبوں میں تاویل کی گئی ہے، اور ﴿لاحول ولاقوة إلا بالله﴾ جیسی مثالوں میں پانچ صورتیں ہیں: دونوں کا فتح، پہلے کا فتح اور دوسرے کا نصب، پہلے کا فتح اور دوسرے کا رفع، دونوں کا رفع، اور پہلے کا رفع ضعیف طریقے پر اور دوسرے کا فتح۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) ایک اشکال اور صاحب کتاب کا جواب۔

(۲) اسم لائے نفی جنس کی اعرابی صورتیں۔

(۳) ایک اشکال اور اس کا جواب۔

پہلی بات: ایک اشکال اور صاحب کتاب کا جواب

ومتل قضية ولا أبا حسنٍ لها: سے صاحب کتاب ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں سوال یہ ہے کہ جناب عالی! ابھی تو آپ نے قاعدہ پیش فرمایا کہ (وإن كان معرفةً وجب الرفع والتكرير) یعنی اگر لائے نفی جنس کا اسم معرفہ ہو تو ایک تو اس کا مرفوع پڑھنا واجب ہے اور دوسرا اس کے ساتھ (لا) کا تکرار بھی لازمی ہے۔

تو صاحب کافیہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ (متاولٌ) یعنی جناب محترم! آپ کی بات بالکل صحیح ہے لیکن آپ نے جو مثال پیش فرمائی ہے اس میں دو طریقوں سے تاویل ہوئی ہے۔

(۱) اس میں مضاف محذوف ہے اس کی اصل عبارت یہ تھی: (لا مثل أبي حسنٍ لها) لہٰذا اس سے مضاف (مثل) کو حذف کر کے مضاف الیہ (أبي) کو اس کا قائمقام بنا کر اس کا اعراب (نصب) اس پر جاری کیا گیا ہے تو (لا أبا حسنٍ لها) ہو گیا، اور لفظ (مثل) چونکہ ابہام میں ڈوبا ہوا کلمہ ہے اس لئے یہ معرفہ کی طرف مضاف ہو کر بھی معرفہ نہیں بنتا بلکہ نکرہ ہی رہتا ہے؛ کیونکہ معرفہ میں تخصیص اور عدم ابہام ضروری ہے، لہٰذا اس کو اگر یوں دیکھا جائے تو یہ المنصوب بلا والی صورت میں داخل ہے اور (وإن كان معرفة...) والی صورت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق ہے ہی نہیں جس پر مذکورہ سوال واقع ہو۔

(۲) دوم یہ کہ کنیت بول کر اس کو (لكل فرعونٍ موسى) کی طرح وصف مشہور یعنی (فَيصلٌ) بروزن (حيدرٌ) بمعنی (فاصلٌ بين الحق والباطل) کی تاویل میں لیا گیا ہے جو کہ نکرہ ہے، لہٰذا اب اس کا معنی ہوگا (قضيةٌ لا فيصل لها) یعنی یہ اتنا بڑا مسئلہ

ہے جس کا حل کرنے والا کوئی نہیں، اس صورت میں یہ نکرہ مفردہ ہوگا اور مبنی بر فتح ہوگا؛ کیونکہ اسماء ستہ مکبرہ میں (الف) مبنی بر فتح کی علامت بن سکتی ہے، اور اس صورت میں بھی یہ (وإن كان معرفةً) میں داخل نہیں ہے جس پر مذکورہ سوال وارد ہو۔

لائے نفی جنس کے اسم کی چھٹی حالت

وفي مثل ﴿لا حول ولا قوة إلا بالله﴾: سے (وفتح الثاني) والی عبارت تک صاحب کتاب اسم لائے نفی جنس کی چھٹی صورت اور اس میں جواز کی پانچ وجوہات بیان فرما رہے ہیں، یہاں ﴿لا حول ولا قوة إلا باللّٰہ﴾ سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں (لا) باعتبار عطف کے مکرر واقع ہو، اور دونوں کے بعد متصل اسم نکرہ ہو تو اس میں پانچ وجوہات جائز ہیں:

پہلی صورت

فتحهما: یعنی دونوں اسم مبنی بر فتح ہوں جیسے ﴿لا حولَ ولا قوةَ إلا بالله﴾ اس صورت میں دونوں جگہ (لا) برائے نفی جنس ہوگا اور بعد والا اسم نکرہ مفردہ ہونے کی وجہ سے مبنی بر فتح ہوگا ایسی صورت میں اس کی ترکیب میں دو احتمالات ہونگے:

ایک یہ کہ ﴿لا حولَ ولا قوةَ إلا باللّٰہ﴾ پورا ایک ہی جملہ ہو اور مفرد کا عطف مفرد پر ہو، یعنی دونوں کی ایک ہی خبر مقدر مانی جائے مثلاً یہ کہا جائے (لا حول عن المعصية ولا قوة علي الطاعة موجودان إلا بالله)، اس میں (لاقوة) مفرد کا عطف (حولَ) مفرد پر ہے اور (موجودان) دونوں کی خبر ہے جو محذوف ہے۔

دوسرا یہ کہ (لا حول ولا قوة إلا باللّٰہ) پورا دو جملے ہوں اور ایک پورے جملے کا عطف پورے جملے پر ہو، مثلاً تقدیری عبارت نکال کر یہ کہا جائے (لا حول عن المعصية موجودٌ إلا باللّٰہ ولا قوة على الطاعة موجودةٌ إلا باللّٰہ) اس طرح دونوں جگہ (لا) برائے نفی جنس کا ہوگا (حولَ) اس کا اسم، اور (موجودٌ) اس کی خبر محذوف

ہوگی، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر پورا جملہ معطوف علیہ، (لا) برائے نفی جنس، (قوۃ) اس کا اسم اور (موجودٌ) اس کی خبر، لائے نفی جنس اپنے اسم اور خبر سے مل کر پورا جملہ معطوف، لہٰذا اس صورت میں پورے جملے کا عطف پورے جملے پر ہوگا۔

دوسری صورت

فتح الأول ونصب الثاني: یعنی دونوں میں سے پہلا مبنی بر فتح ہو اور دوسرا منصوب ہو جیسے (لا حولَ ولا قوۃً إلا باللہ) اس صورت میں پہلا (لا) برائے نفی جنس ہوگا اور بعد والا اسم مفرد اس کا اسم ہوگا، اور دوسرا (لا) چونکہ صرف تاکید کے لئے ہے اس لئے (قوۃً) اس کا معمول نہیں ہوگا بلکہ پہلے کے لفظ پر معطوف ہونے کی وجہ سے تنوین کے ساتھ منصوب ہوگا، اور (حولَ) چونکہ لفظاً منصوب ہے اور مبنی ہونا اس کا عارضی ہے اس لئے اعتبار اس کے منصوب ہونے کا ہوگا، لہٰذا (قوۃً) بھی منصوب ہوگا اس کو مبنی بر فتح اس لئے نہیں بنا سکتے کہ مبنی بر فتح کی جو شرائط ہیں ان میں ایک اتصال کی شرط اس میں مفقود ہے۔

اس صورت کی ترکیب میں بھی دو احتمالات ہیں:

(۱) مفرد کا عطف مفرد پر ڈالا جائے اور دونوں کی ایک خبر مقدر نکالی جائے جیسے (لا حولَ عن المعصیۃ ولا قوۃً موجودان إلا باللہ)۔

(۲) پورے جملے کا عطف پورے جملے پر ہو اور ہر ایک (لا) کی خبر الگ الگ محذوف ہو جیسے (لا حول عن المعصیۃ موجودٌ إلا باللہ ولا قوۃ علی الطاعۃ موجودٌ إلا باللہ)۔

تیسری صورت

رفعہ: تیسری صورت یہ بتا رہے ہیں کہ پہلا (لا) برائے نفی جنس کے ہوگا اور بعد والا اسم مفرد اس کا اسم ہوگا اور مبنی بر فتح ہوگا اور دوسرا (لا) زائدہ اور ملغی عن العمل ہوگا، اس لئے (قوۃٌ) تنوین کے ساتھ مرفوع ہو کر اس کا عطف (حولَ) کے محل پر ڈالدینگے؛ کیونکہ

لائے نفی جنس کا اسم اپنی حقیقت کے اعتبار سے مبتدا ہوتا ہے اور مبتدا مرفوع ہوتا ہے تو یہ بھی مرفوع ہوگا، یادرہے کہ اس صورت میں بھی دو احتمالات ہیں: یعنی عطف المفرد علی المفرد، اور عطف الجملۃ علی الجملۃ۔

بالفاظ دیگر مذکورہ دونوں صورتوں کا خلاصہ آسان طریقے سے یہ سمجھ لیں کہ (قوۃ) کے معطوف علیہ کے دو محل ہیں:

(۱) محل قریب: یعنی لائے نفی جنس کا اسم ہونا، اس صورت میں اسم مبنی بر فتح ہوتا ہے۔

(۲) محل بعید: یعنی اس کا مبتدا ہونا، لہٰذا (قوۃ) کا عطف اگر (حولَ) کے محل قریب پر ڈالیں تب تو یہ منصوب ہوگا اور اگر اس کے محل بعید پر ڈالیں تو مرفوع ہوگا۔

چوتھی صورت

رفعهما: یعنی ﴿لا حولٌ ولا قوةٌ إلا بالله﴾ اس صورت میں دونوں جگہ (لا) زائدہ اور ملغی عن العمل ہوگا اور دونوں اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہونگے، پھر اس میں بھی دو احتمالات ہیں:

(۱) مفرد کا عطف مفرد پر ڈالتے ہوئے دونوں کی ایک خبر محذوف نکالی جائے جیسے (لاحولٌ ولا قوةٌ موجودان إلا بالله)۔

(۲) جملے کا عطف جملے پر ڈال کر دونوں کی الگ اور مستقل خبر نکالی جائے جیسے (لا حولٌ موجودٌ ولا قوةٌ موجودةٌ إلا باللّٰه)۔

یہ چوتھی صورت اصل میں ایک سوال کا جواب ہوگا سوال یہ ہوگا کہ (أبغير اللّٰه حولٌ وقوةٌ؟)، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ﴿لا حولٌ ولا قوةٌ إلا باللّٰه﴾، چونکہ دونوں اسم سوال میں مرفوع تھے تو جواب میں بھی مرفوع ہونگے: (لأن المذكور في السؤال كالموعود في الجواب)۔

پانچویں صورت

رفع الأول علی ضعف وفتح الثانی: یعنی ﴿لا حول ولا قوة إلا بالله﴾ اس صورت میں پہلا (لا) مشابہ بلیس ہوگا اور (حولٌ) اس کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا، اور دوسرا (لا) برائے نفی جنس کے ہوگا اور (قوةَ) اسم مفرد اس کا اسم ہو کر مبنی بر فتح ہوگا۔

لیکن پہلا (لا، لیس) کے مشابہ قرار دیکر فرمارہے ہیں کہ (علی ضعفٍ) یعنی یہ قول ضعیف ہے؛ اس لئے کہ (لا) کی مشابہت (لیس) کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا (لیس) کی طرح اس کا عمل کرنا بھی ضعیف ہوگا۔

درس (۸۹)

لائے نفی جنس اور اس کے اسم کے متعلق دو اہم قواعد

وإذا دخلت الهمزة لم يتغير العمل، ومعناها: الاستفهام، والعرض، والتمني، ونعتُ المبني الأول مفرداً يليه مبني ومعربٌ رفعاً ونصباً، مثل: لارجلَ ظريفَ، وظريفٌ، وظريفاً، وإلا فالإعراب.

ترجمہ: اور جب لائے نفی جنس پر ہمزہ داخل ہو جائے تو اس کا عمل متغیر نہیں ہوگا، اور اس کا معنی استفہام، عرض، تمنی کا بن جاتا ہے، اور اسم مبنی کی صفت اول درانحالیکہ وہ مفرد ہو اور (اسم لا کے ساتھ) متصل بھی ہو تو وہ اسم مبنی اور معرب مرفوع اور منصوب دونوں طرح ہو سکتا جیسے (لا رجل ظریفَ اور ظریفٌ اور ظریفاً) ورنہ اس کا حکم معرب ہونا ہے۔

تشریح: دیکھو بھائی! آج کے درس میں لائے نفی جنس اور اس کے اسم کے

متعلق دو قواعد کا ذکر ہوگا، اور دوسرے قاعدے میں امام سیبویہ کے اختلاف کا بھی ذکر ہوگا۔

پہلا قاعدہ

إذا دخلت همزة الاستفهام سے لے کر **والعرض والتمنى** تک صاحب کتاب یہ مسئلہ بیان فرمارہے ہیں کہ جب لائے نفی جنس پر ہمزہ استفہام داخل ہو جائے تو اس کے عمل میں اگرچہ کچھ بھی تبدیلی نہیں آئے گی یعنی اس کا اسم اگر مبنی بر فتح ہو تو بعد میں بھی ایسا ہی رہے گا اور اگر معرب ہو تو معرب ہی رہے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمزہ استفہام کسی عامل کے عمل کو باطل نہیں کرتا، لیکن اس کا معنی بدل جاتا ہے، صاحب کتاب فرمارہے ہیں کہ (**ومعناها الاستفهام والعرض والتمنى**) یعنی ایسا لائے نفی جنس بھی تو استفہام کے معنی میں ہوگا جیسے (**ألا رجلٌ في الدار؟**)، ملاحظہ فرمائیں ہمزہ استفہام کے داخل ہونے کے سے پہلے اس کا اسم اسی طرح مبنی بر فتح تھا اور اب بھی مبنی بر فتح ہے لیکن معنی میں فرق آگیا کہ پہلے جملہ خبریہ تھا اور اب جملہ انشائیہ بن گیا، اور کبھی عرض کے معنی میں ہوگا جیسے (**ألا نزول لك بنا فتحسن إليك**)، اور کبھی تمنی کے معنی میں ہوگا جیسے (**ألا ماء أشربه**)، لیکن یہ بات یاد رہے کہ ہمزہ استفہام کے بجائے اگر کوئی حرف جر اس پر داخل ہو جائے تو اس وقت عمل میں تبدیلی آئی گی جیسے (**آذيتني بلا جرمٍ، وخدمته بلا مالٍ**)۔

دوسرا قاعدہ

ونعت المبني الأول مفرداً سے **وإلا فالإعراب** والی عبارت تک صاحب کافیہ دوسرا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں لیکن اس سے قبل اس عبارت کے فوائد وقیود ملاحظہ ہوں۔

فوائد وقیود

ونعت المبني: (۱) مبنی کہہ کر اس عبارت کو نکال دیا لا غلام رجل ظریفاً في

الدار کیونکہ اس عبارت میں غلام جو کہ لائے نفی جنس کا اسم ہے یہ مبنی نہیں بلکہ معرب ہے۔

(۲) الاول کی قید سے صفتِ ثانی وثالث خارج ہوگئی جیسے لارجل ظریف کریم فی الدار۔

(۳) مفرد کہہ کر مضاف وغیرہ سے احتراز کیا ہے جیسے لارجل حسن الوجہ، یہاں حسن الوجہ اگرچہ نعتِ اول مگر مفرد نہیں بلکہ مضاف ہے۔

(۴) یلیہ کی قید سے وہ نعت خارج ہوگئی جولائے نفی جنس کے اسم کے ساتھ متصل نہیں جیسے لاغلام فیھا ظریف۔

وجوہِ اعراب

پہلی صورت میں اس کو مبنی علی الفتح اس لئے پڑھیں گے کہ یہ قاعدہ ہے کہ کلام منفی جب کسی قید کے ساتھ مقید ہو تو حقیقت میں وہ نفی قید پر داخل ہوتی ہے تو لارجل ظریف کی تقدیری عبارت یوں ہوگی لاظریفَ تو چونکہ ظریف نکرہ مفرد ہے۔ اس وجہ سے مبنی علی الفتح ہوگا، کیونکہ لائے نفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفرد ہو تو مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ اس کو معرب پڑھنا بھی قاعدے کے تحت ہے کیونکہ یہ تابع ہے اور تابع میں یہ قاعدہ ہے کہ وہ اعراب میں متبوع کے تابع ہوتا ہے نہ کہ بناء میں۔ اس لئے کہ بناء تو ایک عارضی چیز ہے اور اس میں اصل اعراب (معرب ہونا) ہے۔ اب اگر ظریف کو رجل کے محل پر حمل کریں تو مرفوع پڑھیں گے، کیونکہ رجل محلاً مرفوع ہے اور لفظ پر حمل کر کے منصوب پڑھیں گے کیونکہ رجل لفظاً منصوب ہے۔ (تقریر کافیہ ص:۲۱۹)

قاعدہ یہ ہے کہ لائے نفی جنس کا اسم جو مبنی بر فتح ہو اس کی صفت میں اگر تین شرائط پائی جائیں تو اس کو معرب اور مبنی دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، اور معرب ہونے کی صورت میں اس کو مرفوع اور منصوب دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، اس طرح یہ کل تین صورتیں ہوگئیں۔

شرائط میں سے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ صفت اسم مبنی کی پہلی صفت ہو، دوسری یہ کہ وہ صفت بھی اسم مفرد کی طرح مفرد ہو یعنی مضاف یا شبہ مضاف نہ ہو، تیسری یہ کہ وہ اپنے اسم مفرد موصوف کے ساتھ متصل ہو اس سے الگ نہ ہو، صاحب کتاب نے اس کے لئے مثال پیش فرمائی ہے (لا رجلَ ظریفٌ)، دیکھئے (رجلَ) لائے نفی جنس کا اسم ہے اور مفرد ہونے کی وجہ سے مبنی بر فتح ہے، آگے (ظـریفٌ) اس کے لئے صفت اول ہے مفرد بھی ہے اور متصل بھی ہے لہٰذا اس کو مبنی بر فتحہ بھی پڑھا جاسکتا ہے؛ تا کہ موصوف اور صفت دونوں میں مطابقت ہو، اور اس کو معرب مان کر مرفوع بھی پڑھا جاسکتا ہے، اس صورت میں اس کا حمل لائے نفی جنس کے اسم کے محل پر ہوگا، وہ چونکہ محلاً یعنی مبتدا واقع ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے اس لئے یہ بھی مرفوع ہوگا، اور معرب ہونے کی صورت میں اس کو منصوب بھی پڑھا جاسکتا ہے اس صورت میں اس کا حمل ماقبل اسم موصوف کے لفظ پر ہوگا وہ لفظاً مفتوح ہوتا ہے اس لئے یہ بھی منصوب ہوگا۔

والا فـالإعراب: صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ اگر مذکورہ تین شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو ایسی صفت صرف معرب بن کر مرفوع اور منصوب تو پڑھی جاسکتی ہے لیکن مبنی ہو کر مبنی بر فتحہ نہیں پڑھی جاسکتی، مرفوع پڑھیں گے تو اس کا حمل محل بعید پر ہوگا اور منصوب پڑھیں گے تو اس کا حمل محل قریب پر ہوگا۔

درس (۹۰)

لائے نفی جنس اور اس کے اسم کے متعلق تیسرا قاعدہ

والعطف على اللفظ وعلى المحل جائزٌ في مثل: لا أبَ، وابناً، وابنٌ، ومثل: لا أباً له، ولا غلامي له، جائزٌ تشبيهاً له بالمضاف، لمشاركته له في أصل معناه، ومن ثم لم يجز (لا أبا فيها)، وليس

بمضافٍ لفساد المعنى خلافاً لسيبويه، ويُحذف كثيراً في مثل: لا عليك، أي: لا بأس عليك.

ترجمہ: اور عطف لفظ اور محل دونوں پر جائز ہے جیسے (لا أب وابناً وابنٌ) اور جیسے (لا أبا لـه ولا غلامي لـه) یہ مثالیں جائز ہیں ان کو تشبیہ دیتے ہوئے مضاف کے ساتھ بوجہ اس کے مضاف کے ساتھ اصل معنی میں مشارکت کے، اسی وجہ سے (لا أبا فيها) جائز نہیں ہے، اور یہ درحقیقت مضاف نہیں ہے بوجہ فساد معنی کے، امام سیبویہ کا اس میں اختلاف ہے اور (لا) کا اسم بکثرت حذف کیا جاتا ہے (لا عليك) جیسی مثالوں میں، اس کا معنی ہے (لا بأس عليك)۔

تشریح: آج کے درس چار باتیں ہیں:

(۱) اسم لائے نفی جنس کے متعلق تیسرا قاعدہ۔

(۲) مذکورہ قاعدے پر اشکال اور اس کا جواب۔

(۳) صاحب کافیہ کا امام سیبویہ پر رد۔

(۴) اسم لائے نفی جنس کے متعلق چوتھا قاعدہ۔

پہلی بات: اسم لائے نفی جنس کے متعلق تیسرا قاعدہ

والعطف على اللفظ وعلى المحل جائزٌ في مثل لا أب وابناً وابنٌ: اس عبارت میں صاحب کتاب لائے نفی جنس کے متعلق تیسرا قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہ اس پر اگر کسی اسم کا عطف ڈالنا ہو تو اس طرح کرنا جائز ہے بشرطیکہ لائے نفی جنس کا اسم مکرر نہ ہو اور اسم معطوف نکرہ ہو تو ایسی صورت میں معطوف منصوب بھی ہوسکتا ہے اور مرفوع بھی، اگر منصوب ہو تو حمل معطوف علیہ کے لفظ پر ہوگا، اور مرفوع ہو تو اس کے محل پر ہوگا جیسے (لا أب وابناً) اس کو (لا أب وابنٌ) بھی پڑھا جاسکتا ہے، یہ عربی زبان کے مشہور شاعر فرزدق کے ایک شعر کا ٹکڑا ہے پورا شعر یوں ہے:

لا أب و ابنٌ مثل مروان و ابنه   إذ هو بالمجد ارتدٰى وتأزّرا

ترجمه: مروان اوراس کے بیٹے کی طرح کوئی باپ اور بیٹانہیں؛ کیونکہ مروان نے بزرگی کی قمیص اور شلوار (پوشاک) پہنی ہے۔

ملاحظہ: جیسا کہ ہم نے (فی مثل لا اب و ابناً) کی تعریف یہ کی تھی کہ لائے نفی جنس مکرر نہ ہواور اسم معطوف نکرہ ہو،لیکن اس کے برخلاف اگر کہیں (لا) مکرر ہوکر آجائے تواس کا یہ اعراب نہیں ہوگا بلکہ اس کا اعراب (لا حول ولا قوۃ إلا باللہ) کی طرح ہوگا،اسی طرح معطوف نکرہ کی بجائے اگر معرفہ ہوتو بھی یہ اعراب نہیں ہوگا بلکہ اس کو مرفوع پڑھنا واجب ہوگا؛ کیونکہ اس صورت میں (لا) ملغی عن العمل ہوگا جیسے (لا غلام لک والفرسُ)، دیکھئے یہاں (الفرسُ) کا عطف صرف (غلام) کے محل پر ہوگا اور (غلام) چونکہ محلا مرفوع ہے اس لئے اس کا مرفوع پڑھنا بھی واجب ہوگا۔

دوسری بات مذکورہ قاعدے پراشکال اوراس کا جواب

ومثل لا أباً له ولا غلامَی له جائزٌ: یہ ایک سوال کا جواب ہے (مثل لا أباً له ولا غلامَی له) سے ہروہ ترکیب مراد ہے جس میں لائے نفی جنس کے اسم کے بعد لام اضافت ہواوراس اسم پر اضافت کے احکام جاری کیے گئے ہوں۔

سوال کی تقریر یہ ہے کہ ماقبل میں آپ نے فرمایا تھا کہ لائے نفی جنس کا اسم اگر نکرہ مفردہ ہوتو مبنی علی الفتح ہوگا لیکن (لا ابا له ولا غلامَی له) میں (أباً) اور (غلامَی) دونوں لائے نفی جنس کے اسم ہیں اور نکرہ بھی ہیں اس لئے نہ تو مضاف ہیں اور نہ مشابہ بالمضاف، اور پھر بھی مبنی بر فتح نہیں ہیں بلکہ معرب ہیں، اگر یہ مبنی ہوتے تو (لا أب له ولا غلامَین له) ہوتے؟۔

صاحب کافیہ اس کا جواب دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ (تشبیهاً له بالمضاف لمشارکته له فی أصل معناه) یعنی سائل صاحب! آپ نے جو یہ بات

فرمائی ہے کہ نہ تو مضاف ہے اور نہ مشابہ بالمضاف، تو معاف کرنا یہ اگر چہ مضاف تو نہیں ہے لیکن مشابہ بالمضاف ضرور ہے، اور مضاف کے ساتھ اس کی مشابہت اصل معنی کے اعتبار سے ہے اور وہ ہے اختصاص، یعنی مضاف میں اصل معنی اختصاص ہوتا ہے اور یہاں بھی اختصاص پایا جاتا ہے؛ کیونکہ (أبٌ، ابنٌ) کے ساتھ خاص ہوتا ہے، اور (غلامٌ، مولی) کے ساتھ خاص ہوتا ہے، لہٰذا جب مشابہت پائی گئی تو یہ دونوں مفرد نہیں رہے، اور جب مفرد نہیں رہے تو اس کا مبنی برفتحہ ہونا بھی باطل ہو گیا لہٰذا اس صورت میں یہ معرب ہونگے جیسے (لا أبَ) سے (لا أباً) اور (لا غلامَین له) سے (لا غلامَی له) پڑھا جا سکتا ہے۔

ومن ثم لم یجز لا أبا فیها: فرمارہے ہیں کہ اوپر والی دونوں ترکیبوں کو ہم نے اس لئے جائز رکھا تھا کہ اس میں مضاف کے ساتھ مشابہت پائی جارہی تھی؛ کیونکہ ان دونوں میں اختصاص کا معنی پایا جارہا تھا، لہٰذا جس ترکیب میں اس طرح اختصاص کا معنی نہ ہو تو وہ ناجائز ہوگا جیسے (لا أبا فیها) اس میں (فیها) کی ضمیر کا مرجع (دارٌ) ہے، اور (أبٌ اور دارٌ) کے درمیان کوئی اختصاص کا معنی نہیں ہوتا، یعنی یہاں لائے نفی جنس کا اسم (أباً) نہ تو (فیها) کی طرف مضاف ہے اور نہ مشابہ بالمضاف ہے، اس لئے (لا أباً فیها) کہنا جائز ہوگا؛ کیونکہ (أبٌ) نکرہ مفردہ ہونے کی وجہ سے مبنی علی الفتح ہونا چاہیے تھا۔

تیسری بات: صاحب کافیہ کا امام سیبویہ پر رد

ولیس بمضافٍ لفساد المعنی خلافاً لسیبویه: اس عبارت میں صاحب کافیہ امام سیبویہ پر رد کرنا چاہتے ہیں وہ اس طرح کہ ماقبل میں یہ گذرا تھا کہ (لا أباً له ولا غلامَی له) مشابہ بالمضاف ہونے کی وجہ سے معرب ہے لیکن امام سیبویہ صاحب فرماتے ہے کہ یہ دونوں معرب تو ہیں لیکن مشابہ بالمضاف ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اضافت حقیقیہ کی وجہ سے ہیں؛ کیونکہ ان کے ہاں (لا أباً له اور لا غلامَی له) دونوں

میں لام زائد ہے، تو اصل عبارت یہ بنے گی: (لا أباہ ولا غلامیہ)، تو صاحب کافیہ امام سیبویہ کے قول کو رد کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ جناب والا! یہ دونوں اضافت حقیقیہ کے ساتھ مضاف نہیں بن سکتے؛ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ (لفساد المعنی) یعنی اس طرح کرنے سے لفظی اور معنوی دونوں خرابیاں لازم آئی گی، لفظی طور سے دو خرابیاں ہوں گی:

(۱) اگر ہم اس کو مضاف مان لیں تو (لا) کا معرفہ پر داخل ہونا لازم آئے گا، حالانکہ ہم ماقبل میں پڑھ کر آرہے ہیں کہ (وإن کان معرفۃ...وجب الرفع والتکریر) یعنی لائے نفی جنس کا اسم اگر معرفہ ہو تو ایک تو یہ کہ وہ اسم مرفوع ہوگا اور دوسرا یہ کہ وہاں (لا) کو مکرر لایا جائے گا، جبکہ یہاں یہ دونوں مفقود ہیں۔

(۲) اگر ہم ان دونوں میں اضافت حقیقیہ تسلیم کرلیں یعنی (لا أبا لہ) کو (لا أباہ) اور (لا غلامَی لہ) کو (لا غلامَیہ) مان لیں تو (أباہ) اور (غلامَیہ) دونوں تو لائے نفی جنس کے اسم ہونگے لیکن خبر کے لئے ہمیں محذوف عبارت نکالنی پڑھے گی جو کہ صحیح نہیں ہے، اس کے بجائے اگر اس کو مشابہ بالمضاف مان لیں تو اسم اور خبر دونوں لفظوں میں مذکور ہونگے وہ اس طرح کہ (أبا) لائے نفی جنس کا اسم ہوگا اور (لہ) اس کی خبر ہوگی، (وھکذا فی لا غلامَی لہ)۔

اور معنوی خرابی یہ لازم آئی گی کہ (لا أبا لہ و غلامیہ) کہنے سے متکلم کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلاں آدمی کا نسب بالکل معلوم نہیں ہے اور فلاں آدمی کا کوئی غلام ہی نہیں، یہ معنی ہم اس لئے کررہے ہیں کہ نکرہ جب تحت النفی واقع ہوجائے تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، لیکن ان میں اگر ہم اضافت حقیقیہ مان لیں تو ایسی عبارت سے متکلم کا مقصد حاصل نہیں ہوگا؛ کیونکہ متکلم کا مقصد فلاں آدمی کی نسب اور اس کے غلاموں کی نفی کرنی ہوتی ہے لیکن یہ عبارت اس کے ارادے کے ساتھ اتفاق نہیں کرے گی؛ کیونکہ اس کا معنی یہ بنے گا کہ فلاں آدمی معلوم النسب تو ہے لیکن اس کے والد صاحب ابھی موجود نہیں ہے، اسی طرح فلاں آدمی کے غلام تو ہیں لیکن یہاں موجود نہیں ہیں، حالانکہ متکلم کا مقصد یہ نہیں ہوتا۔

چوتھی بات: اسم لائے نفی جنس کے متعلق چوتھا قاعدہ

ویحذف کثیرا فی مثل: لا علیک، أی: لا بأس علیک: اسم لائے نفی جنس کے متعلق یہ چوتھا قاعدہ پیش کررہے ہیں، یہ قاعدہ آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں بھی پڑھا ہے۔

عبارت میں (**فی مثل لا علیک**) سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جس میں لائے نفی جنس کی خبر مذکور ہو اور اسم کسی قرینہ حالیہ یا مقالیہ کی وجہ سے حذف کیا گیا ہو۔

قاعدے کی تقریر یہ ہے کہ جب کوئی قرینہ حالیہ یا مقالیہ موجود ہو تو لائے نفی جنس کے اسم کو حذف کرنا جائز ہے جیسے (**لا علیک**) یہ اصل میں (**لا بأس علیک**) تھا، (**بأس**) اسم کو اس سے حذف کیا گیا؛ کیونکہ یہاں قرینہ یہ ہے کہ لائے نفی جنس خود بھی حرف ہے اور جس پر داخل ہے وہ بھی حرف ہے یعنی (**علیک**)، حالانکہ حرف کبھی حرف پر داخل نہیں ہوتا، خاص کر لائے نفی جنس تو صرف اسم پر ہی داخل ہوسکتا ہے اس سے پتہ چلا کہ یہاں کوئی اسم محذوف ہوگا جو کہ (بأسَ) ہے۔

درس (۹۱)

بارہویں منصوب: ما ولا مشابہ بلیس کی خبر کا بیان

خبر ما ولا المشبھتین بلیس: ھو المسند بعد دخولھما، وھی لغةٌ حجازیةٌ، وإذا زیدت (إن) مع (ما) أو انتقص النفی بالاَّ أو تقدم الخبر بطل العمل، وإذا عطف علیه بموجبٍ فالرفع.

ترجمہ: منصوبات میں میں سے اس (ما) اور (لا) کی خبر بھی ہے جو (لیس) کے مشابہ ہو، وہ ان دو میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوگی اور یہ

اہل حجاز کی لغت ہے اور جب زیادہ کیا جائے (اِن) کو (ما) کے ساتھ یا اس کی نفی (اِلا) کے ذریعے ختم کردی جائے یا اس کی خبر مقدم ہو جائے تو اس کا عمل باطل ہو جائے گا، اور جب حرف ایجاب کے ذریعے اس کا عطف ڈالا جائے تو وہ مرفوع ہوگی۔

تشریح: آج کے درس میں چھ باتیں ہیں:

(۱) ماولا مشابہ بلیس کی خبر کی تعریف۔ (۲) ماولا کی لیس کے ساتھ مشابہت۔
(۳) تعریف مذکور میں فوائد اور قیود۔ (۴) ماولا مشابہ بلیس کا عمل اور اس میں اختلاف۔
(۵) ماولا کے عمل کے نواسخ۔ (۶) ماولا کی خبر کے متعلق ایک قاعدہ۔

پہلی بات: ماولا مشابہ بلیس کی خبر کی تعریف

خبر ما ولا المشبهتين بليس: هو المسند بعد دخولهما:
منصوبات میں سے آخری منصوب ماولا مشابہ بلیس کی خبر ہے، اس عبارت میں صاحب کتاب نے اس کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ ماولا مشابہ بلیس کی خبر وہ اسم ہے جو ان دو میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے (ما زيدٌ قائماً اور لا رجلٌ حاضراً)۔

ان مثالوں میں ماولا کے داخل ہونے سے قبل بھی (قائمٌ) اور (حاضرٌ) اگرچہ مسند تھے لیکن جب ان پر ماولا داخل ہو گئے تو اس کی پہلی والی ترکیب ختم ہو گئی پھر جب نئے سرے سے اس کی ترکیب بنی تو اس میں بھی یہ دونوں مسند بن گئے۔

دوسری بات: ماولا کی لیس کے ساتھ مشابہت

اس کی پوری تفصیل مرفوعات میں سے ساتویں مرفوع (ماولا) مشابہ بلیس کے اسم کے تحت درس ۴۷ میں گذر گئی ہے وہاں ملاحظہ ہوں، مختصر خلاصہ اس کا یہ ہے کہ (ماولا) کی لیس کے ساتھ مشابہت نفی میں اور جملہ اسمیہ پر داخل ہونے میں اور اسم کو رفع اور خبر کو نصب دینے میں ہے۔

تیسری بات: مذکورہ تعریف میں فوائد اور قیود

خبر ما ولا المشبهتين بليس: هو المسند بعد دخولهما: اس عبارت میں (هو) ضمیر کا مرجع ماولا مشابہ بلیس کی خبر ہے جو کہ معرف ہے اور (المسند بعد دخولهما) اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں (المسند) جنس ہے جو معرف اور غیر معرف دونوں کو شامل ہے اور (بعد دخولهما) فصل ہے جس کے ذریعے باقی سب مسندات اس تعریف سے خارج ہو گئے؛ کیونکہ وہ اگرچہ مسند ہوتے ہیں لیکن اس وجہ سے نہیں کہ ان پر ما یا لا داخل ہوتے ہیں بلکہ کسی اور وجہ سے وہ مسند ہوتے ہیں مثلاً یا تو افعال ناقصہ کے داخل ہونے کی وجہ سے مسند ہونگے جیسے (زيدٌ عالمٌ) سے (كان زيدٌ عالماً) اس میں (عالماً) اگرچہ مسند ہے لیکن (ما یا لا) کے داخل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ (كان) فعل ناقص کی وجہ سے مسند ہے، اسی طرح (زيدٌ قائمٌ) سے (إن زيداً قائمٌ) اس میں بھی (قائمٌ) مسند ہے لیکن (ما اور لا) کی وجہ سے نہیں بلکہ (إن) حرف مشبہ بالفعل کی وجہ سے ہے، رہی ما ولا مشابہ بلیس کی خبر تو وہ صرف ان دونوں میں سے کسی ایک کے داخل ہونے کی وجہ سے مسند ہوتی ہے۔

چوتھی بات: ما ولا مشابہ بلیس کا عمل اور اس میں اختلاف

وهي لغة حجازية: اس مختصر سی عبارت میں صاحب کافیہ نے ما ولا مشابہ بلیس کے عمل اور اس میں پائے جانے والے ایک اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے، عمل تو ان دونوں کا یہ ہے کہ یہ اپنے اسم کو رفع اور خبر کو نصب دیتے ہیں، یہ حجاز مقدس کے علماء کرام کا مذہب ہے، اس کے مقابلے میں علماء بنوتمیم فرما رہے ہیں کہ ما اور لا کوئی عمل نہیں کرتے، ان کے پاس دو دلائل ہیں:

(۱) اس لئے کہ یہ دونوں جس طرح اسم پر داخل ہوتے ہیں ایسے ہی یہ فعل پر بھی داخل ہوتے ہیں۔

(۲) اس لئے کہ بنو تمیم کے مشہور عربی شاعر زہیر تمیمی نے ایک شعر میں کہا ہے جو کہ ہدایۃ النحو میں بھی گذرا ہے:

ومهفهف كالغصن قلت له انتسب فأجاب ما قتل المحب حرام

ترجمہ: ایک شاخ کی طرح پتلی کمر والی سے میں نے کہا کہ اپنا نسب تو بیان کر، اس نے جواب دیا کہ محبت کرنے والے کو قتل کرنا حرام نہیں ہے۔

اگر (ما اور لا) عامل ہوتے تو یہ (ما قتل المحب حراماً) ہوتا، حالانکہ یہاں (حرامٌ) مرفوع ہے، تو پتہ چلا کہ یہ دونوں عامل نہیں ہیں۔

حجاز مقدس کے علماء کرام ان کو جواب دیتے ہیں کہ اگر یہ عامل نہ ہوتے تو فرمان باری تعالیٰ میں ﴿ما هذا بشراً﴾ نہ ہوتا بلکہ ﴿ما هذا بشرٌ﴾ ہوتا۔

اور مذکورہ شعر کا جواب یہ دیتے ہیں کہ حضرات محترم! آپ کوئی ایسا شعر پیش کریں جو اہل حجاز کے کسی شاعر کا ہو یہ تو آپ حضرات کے اپنے گھر کے شاعر کا قول ہے، یہ ہمارے خلاف دلیل میں پیش کرنا معتبر نہیں ہے۔

پانچویں بات: ما اور لا کے عمل کے نواسخ

وإذا زيدت إن مع ما سے لے کر آخر تک کی عبارت میں صاحب کافیہ ایسی تین چیزیں بیان فرما رہے ہیں جو ما اور لا کے عمل کو باطل کر دیتے ہیں، لیکن ان سے قبل ایک اصول اور ضابطہ سمجھ لیں کہ وہ عامل جو کسی اور عامل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے عمل کر رہا ہو تو وہ ضعیف عامل شمار کیا جاتا ہے، جب تک اس میں تین شرطیں موجود رہے گی تب تو وہ عمل کرے گا لیکن اگر ان میں سے کوئی ایک شرط بھی ناپید ہو تو اس کا عمل باطل ہو جائے گا:

(۱) عامل اور معمول کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو۔

(۲) جس مشابہت کی وجہ سے وہ عمل کر رہا تھا وہ مشابہت باقی رہے۔

(۳) جس ترتیب سے وہ عمل کر رہا تھا وہ ترتیب بھی باقی رہے۔

اب وہ نواسخ ملاحظہ ہوں:

(۱) وإذا زيدت إن مع ما: پہلا ناسخ یہ ہے کہ اگر (ما) کے بعد (إن) آجائے تو اس کا عمل باطل ہو جائے گا جیسے (ما إن زيدٌ قائمٌ)، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم نے پہلی شرط یہ لگائی تھی کہ عامل اور معمول کے درمیان کوئی فاصلہ نہ ہو اور یہاں فاصلہ آیا ہے۔

الملاحظہ: یہاں (مع، بعد) کے معنی میں ہے جیسے ﴿إن مع العسر يسرا﴾ میں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ صاحب کتاب نے صرف (ما) کے بعد (إن) کے زیادت کا ذکر اس لئے فرمایا کہ (لا) کے بعد (إن) کا استعمال عرب میں بہت کم ہے۔

(۲) أو انتقض النفي بإلا: دوسرا ناسخ یہ ہے کہ (ما اور لا) جو نافیہ ہیں ان کی نفی کو (إلا) کی ذریعے ختم کردی جائے تو یہ عمل نہیں کرسکیں گے؛ اس لئے کہ اس میں دوسری شرط نہیں پائی گئی، کیونکہ جیسا گذر گیا ہے کہ ان کی معنوی مشابہت (لیس) کے ساتھ نفی میں ہے اور وہ (إلا) کی وجہ سے ختم ہوگئی، لہٰذا اس کا عمل بھی ختم ہو گیا جیسے (ما زيدٌ قائماً) سے (ما زيدٌ إلا قائمٌ)۔

(۳) أو تقدم الخبر: تیسرا ناسخ یہ ہے کہ (ما اور لا) کی خبر کو ان کے اسم پر مقدم کیا جائے تو بھی عمل باطل ہو جائے گا؛ اس لئے کہ ایسی صورت میں تیسری شرط نہیں پائی جائے گی جیسے (ما زيدٌ قائماً) سے (ما قائمٌ زيدٌ)۔

جمہور علماء نحو کا مذہب تو یہی ہے، البتہ امام یونس نحوی فرماتے ہیں کہ انتقاض نفی کے باوجود بھی یہ اپنا عمل کرتا ہے، دلیل میں وہ ایک شعر پیش کرتے ہیں:

وما الدهر إلا مجنوناً بأهله وما صاحب الحاجات إلا معذَّباً

اسی طرح ایک دوسرا شعر بھی پیش کرتے ہیں:

وما حق الذي يعثو نهاراً

ويسرق ليله إلا نكالاً

جمہور علماء نحو اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علامہ یونس صاحب! مذکورہ دونوں شعروں میں آپ کی کوئی دلیل نہیں ہے؛ اس لئے کہ (مجنوناً، معذباً اور نکالاً) میں سے ہر ایک سے قبل فعل محذوف ہے تو یہ تینوں اسماء اسی فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں۔

چھٹی بات: ما اور لا کی خبر کے متعلق ایک قاعدہ

وإذا عطف عليه بموجب فالرفع: اس عبارت میں صاحب کافیہ ایک قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر (ما و لا) مشابہ بلیس کی خبر پر حروف ایجاب میں سے کسی حرف کے ذریعے عطف ڈالنا ہو تو عام طور پر قاعدہ تو یہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ کا اعراب ایک جیسے ہوتا ہے لیکن یہاں پر اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا معطوف ہمیشہ کے لئے مرفوع ہوگا جیسے (ما زيدٌ قائماً بل قائمٌ) وجہ اس کی یہ ہے کہ (ما اور لا) نفی کی وجہ سے عمل کر رہے تھے لیکن حرف ایجاب (بل) نے (قائمٌ) کے بارے میں اس کی نفی ختم کردی، جب نفی ختم ہوگئی تو عمل بھی ختم ہوگیا، جب عمل ختم ہوا تو اس کا عطف معطوف علیہ کے محل پر ڈالدیا اور وہ محلاً (خبر ہونے کی وجہ سے) مرفوع تھا تو یہ بھی مرفوع ہوگا۔

قد تمت المنصوبات بفضل الله تعالى و كرمه

مجرورات

درس (۹۲)

مجرورات کی تعریف اور حرف جر تقدیری کے لئے شرائط

المجرورات: هو ما اشتمل على علم المضاف إليه، والمضاف إليه: كل اسم نسب إليه شيءٌ بواسطة حرف الجر لفظاً أو تقديراً مراداً، فالتقدير شرطه أن يكون المضاف اسماً مجردا تنوينه لأجلها.

ترجمہ: یہ مجرورات کی بحث ہے، مجرور وہ اسم ہے جو مشتمل ہو علامتِ مضاف الیہ پر اور مضاف الیہ ہر وہ اسم ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی گئی ہو حرف جر کے ذریعے درانحالیکہ وہ حرف جر لفظی ہو یا تقدیری اور درانحالیکہ اس کا ارادہ کیا گیا ہو، پس حرف جر تقدیری کی شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہو جس سے تنوین زائل کر دی گئی ہو اسی اضافت کی وجہ سے۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) لفظ مجرورات کے متعلق کچھ وضاحت۔

(۲) مجرورات کی تعریف۔

(۳) مضاف الیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت۔

(۴) حرف جر تقدیری کے لئے شرائط کا بیان۔

پہلی بات: لفظ مجرورات کے متعلق کچھ وضاحت

المجرورات: اس کی ترکیب اور اس کے مفرد کے متعلق پوری تفصیل اس سے قبل المرفوعات کی بحث میں گذر گئی ہے، وہاں ملاحظہ ہو، یہاں صرف اتنی بات سمجھ لیں کہ

المجرورات کو دو وجہوں سے جمع کے صیغے کے ساتھ ذکر فرمایا ورنہ مجرور تو صرف ایک ہی (مضاف الیہ) ہوتا ہے لہذا ہونا یہ چاہئے تھا کہ اس کو مفرد کی صورت میں لے کر آتے، جمع کے صیغے کے ساتھ لانے کی شارحین نے دو وجہیں بیان فرمائی ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ اس سے قبل (المرفوعات) اور (المنصوبات) جمع کے صیغوں کے ساتھ ذکر فرمایا تھا تو اس کے ساتھ محض مشاکلت کی وجہ سے یہاں بھی (المجرورات) جمع کے صیغے کے ساتھ لے کر آگئے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مجرور واقعی میں صرف ایک یعنی مضاف الیہ ہی ہوتا ہے لیکن اس مجرور کی پھر کئی قسمیں ہیں (جس کی تفصیل بعد میں آئے گی) تو ان قسموں کی طرف اشارہ مقصود تھا اس لئے اس کو جمع کے صیغے کے ساتھ لے آئے۔

دوسری بات: مجرورات کی تعریف

هو ما اشتمل على علم المضاف إليه: فرماتے ہیں کہ مجرور وہ اسم معرب ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو اور وہ علامات کل تین ہیں:

(۱) کسرہ جیسا کہ عام اسماء کسرے کے ساتھ ہی مجرور ہوتے ہیں جیسے (مررتُ بزيدٍ اور غلام زيدٍ)۔

(۲) فتحہ جیسا کہ غیر منصرف میں ہوتا ہے، یعنی غیر منصرف کوئی اسم ہو تو اس کا جر فتح کے ساتھ آتا ہے جیسے (مررتُ بعمرَ اور غلام عمرَ)۔

(۳) یاء کے ساتھ، پھر یہ یاء یا تو ماقبل مفتوح ہوگی جیسے تثنیہ اور اس کے ملحقات میں آپ حضرات نے پڑھا ہے جیسے (مررتُ برجلَين اثنَين كلَيهما)، اور یا یاء ماقبل مکسور ہوگی جیسے جمع مذکر سالم اور اس کے ملحقات میں آپ نے پڑھا ہے جیسے (مررتُ بمسلِمين عشرِين أولِي علمٍ)۔

تیسری بات: مضاف الیہ کی تعریف اور اس کی وضاحت

والمضاف إليه كل اسم: فاضل مصنف نے عبارت مذکورہ میں مضاف الیہ کی تعریف بیان فرمائی ہیں کہ مضاف الیہ وہ اسم حقیقی یا اسم حکمی ہے جس کی طرف کسی چیز کی نسبت کی گئی ہو حرف جر کے واسطے، خواہ وہ حرف جر لفظوں میں ہو جیسے (**مررت بزيد**) دیکھئے اس میں (**مررت**) فعل کی نسبت باء حرف جر کے ذریعے زید کی طرف ہوئی ہے نحویوں کی اصطلاح میں اس کو جار مجرور کہتے ہیں، یا وہ حرف جر تقدیری ہو یعنی اس کا اثر لفظوں میں باقی ہو جیسے (**غلام زيد**) یہ اصل میں (**غلام لزيد**) تھا، یہاں بھی غلام کی نسبت لام مقدرہ کے ذریعے زید کی طرف کی گئی ہے، نحویوں کی اصطلاح میں اس کو مضاف مضاف الیہ کہتے ہیں، (مراداً) کی قید سے (**صُمْتُ يومَ الجمعةِ**) وغیرہ ترکیبیں خارج ہو گئیں؛ کیونکہ ان میں اگرچہ لام مقدر ہوتا ہے لیکن بعد میں اس کا اثر باقی نہیں رہتا۔

جیسا کہ مصنف کے قول (**كل اسم**) کا مطلب ہم نے اوپر یہ بیان کیا کہ مضاف الیہ وہ اسم حقیقی یا حکمی ہے، تو اس میں ہم نے اسم حقیقی اور حکمی کا اضافہ اس لئے کیا کہ ﴿**يوم ينفع الصادقين صدقهم**﴾ اور ﴿**يوم ينفخ في الصور**﴾ میں **ينفع** اور **ينفخ** جو مضاف الیہ بن رہے ہیں باوجود اس کے کہ یہ دونوں فعل ہیں اور پھر بھی حکمی کی قید میں داخل ہو جائے گے؛ کیونکہ ینفع اور ینفخ اگرچہ لفظی طور پر فعل ہیں لیکن حکمی طور پر یہ اسم ہیں لہذا ان کو مصدر کی تاویل میں لیکر آیتوں کی عبارتیں یوں بن جائیگی: (**يوم نفع الصادقين صدقهم**، اور **يوم النفخ في الصور**)۔

چوتھی بات: حرف جر تقدیری کے لئے شرائط کا بیان

فالتقدير شرطه أن يكون المضاف اسماً مجرداً تنوينه: اس عبارت میں مصنف علام نے حرف جر تقدیری کے لئے دو شرطیں بیان فرمائی ہیں یعنی وہ اضافت جو حرف جر تقدیری کے ساتھ ہو اس کے لئے دو شرطیں ہیں:

(۱) مضاف اسم حقیقی ہو؛ کیونکہ اضافت کے جو مقاصد ہیں یعنی تعریف، تخصیص اور تخفیف یہ اسم حقیقی کے ساتھ خاص ہیں۔

(۲) دوسری شرط یہ کہ وہ اسم مضاف تنوین سے خالی ہو، صاحب کتاب نے صرف تنوین کا ذکر فرمایا حالانکہ مضاف تو نون تثنیہ اور نون جمع سے بھی خالی ہوتا ہے لیکن ان دونوں کا ذکر نہیں فرمایا، یہ اس لئے کہ تنوین ان سب میں اصل ہے اور نونین اس کی فرع ہے تو اصل کے ذکر سے فرع خود بخود اس کے ضمن میں آ جاتا ہے۔

سوال: مضاف کا تنوین اور نونین سے خالی ہونا کیوں ضروری ہے؟۔

جواب: اس لئے کہ یہ تینوں چیزیں اسم کے تمام ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور اسم تام وہ ہوتا ہے جس کی آگے اضافت نہ ہو سکے یعنی وہ انفصال کو چاہتا ہے اور مضاف مضاف الیہ اتصال کو، تو معلوم ہوا کہ یہ دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے لہذا اسم تام سے تنوین یا نونین کو گرا کر اس کے تام ہونے کو ختم کریں گے تو ان دونوں کا جمع ہونا ممکن ہو جائے گا، خلاصہ یہ ہوا کہ ان دونوں کے جمع ہونے کو ممکن بنانے کے لئے نون تنوین، نون تثنیہ اور نون جمع کا حذف کرنا واجب ہے۔

لأجلها: فرمارہے ہیں کہ مضاف سے تنوین وغیرہ گرانے کا باعث یہی اضافت ہو جیسے (غلامٌ سے غلامُ زید اور ضاربان سے ضاربا زید، اور ضاربون سے ضاربو زید)، لیکن وہ تنوین اور نونین جو اضافت کے بجائے کسی اور وجہ سے گرائے گئے ہوں تو وہ ہمارے بحث میں شامل نہیں ہیں جیسے (غلامٌ سے الغلام) کہہ کر پھر اس کی اضافت نہیں کی جاسکتی مثلاً (الغلام زید) نہیں کہا جاسکتا؛ کیونکہ (الغلام) اگرچہ تنوین سے مجرد ہے لیکن اس کی تجرید کا باعث اضافت نہیں ہے بلکہ الف اور لام ہیں، اسی طرح (ضاربٌ سے الضارب) کہہ کر (الضارب زید) نہیں کہا جاسکتا۔

درس (۹۳)

اضافت معنویہ کا بیان

وهي معنوية ولفظية، فالمعنوية أن يكون المضاف غير صفة مضافةٍ إلى معمولها، وهي إما بمعنى اللام في ماعدا جنس المضاف وظرفه، وإما بمعنى (من) في جنس المضاف، أو بمعنى (في) في ظرفه، وهو قليلٌ، مثل: غلام زيد، وخاتم فضّةٍ، وضربُ اليوم، وتفيد تعريفاً مع المعرفة وتخصيصاً مع النكرة، وشرطها تجريد المضاف من التعريف، وما أجازه الكوفيون من الثلاثة الأثواب وشبهه من العدد ضعيفٌ.

ترجمہ: اور وہ (اضافت بتقدیر حرف جر) معنوی بھی ہوتی ہے اور لفظی بھی، پس معنوی یہ ہے کہ مضاف ایسے صیغہ صفت کا غیر ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو، اور وہ یا تو بمعنی لام ہوگی ان صورتوں کے علاوہ میں جہاں مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہو، یا اس کے لئے ظرف ہو، یا وہ بمعنی (مــن) ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہو، یا بمعنی (فــي) ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو اور یہ قلیل الاستعمال ہے جیسے (غلام زید اور خاتم فضة اور ضرب الیوم)، اور یہ (اضافت معنویہ) تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفہ کے ساتھ، اور تخصیص کا فائدہ دیتی ہے نکرہ کے ساتھ، اور اس کی شرط مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ہے اور وہ جو کوفیوں نے (الثلثة الأثواب) اور اس جیسی دوسری ترکیبوں کو جائز قرار دیا ہیں تو وہ ضعیف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں بالکل مختصر مختصر سی چھ باتیں ہیں:

(۱) اضافت کی قسمیں اور ہر ایک کی وجہ تسمیہ۔

(۲) اضافت معنویہ کی تعریف۔

(۳) اضافت معنویہ کی قسمیں۔

(۴) اضافت معنویہ کا فائدہ۔

(۵) اضافت معنویہ کی شرائط۔

(۶) صاحب کافیہ کا نحاۃ کوفہ پر رد۔

پہلی بات: اضافت کی قسمیں اور ہر ایک کی وجہ تسمیہ

وهي معنوية ولفظية: صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ اضافت تقدیری (یعنی وہ اضافت جو حرف جر کے تقدیر کے ساتھ ہوتی ہے اس) کی دو قسمیں ہیں (۱) اضافت معنویہ۔(۲) اضافت لفظیہ۔

اضافت معنویہ کو معنویہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ معنی کی طرف منسوب ہوتی ہے یعنی اس اضافت کی وجہ سے مضاف میں تعریف اور تخصیص پیدا ہوتی ہے یعنی اس کے اضافت اگر نکرہ کی طرف ہو تو تخصیص کا فائدہ دے گی جیسے (غلام رجل)، اس اضافت نے غلام کے معنی میں تقلیل کا معنی پیدا کر کے (رجلٌ) کے ساتھ خاص کر دیا ہے لہذا اب یہ امرأۃ یعنی کسی عورت کے غلام کو شامل نہیں ہوگا، اور اگر اس کی اضافت معرفہ کی طرف ہو تو تعریف کا فائدہ دے گی جیسے (غلام زید)، لہذا اس غلام کا مصداق صرف زید کا غلام ہوگا اور اگر زید کے کئی غلام ہو تو بھی ان میں سے ایک خاص غلام مراد ہوگا، اور یہ دونوں قسمیں معنی سے تعلق رکھتی ہیں، اس لئے ان کو اضافت معنویہ کہتے ہیں اس کے علاوہ اس کو اضافت حقیقیہ بھی کہتے ہیں۔

اور اضافت لفظیہ کو لفظیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے صرف لفظ میں تخفیف آتی

ہے یعنی اسم منون ہو تو تنوین گر جاتی ہے، اور نون تثنیہ اور نون جمع ہوں تو وہ گر جاتے ہیں اور کلمہ خفیف ہو جاتا ہے۔

چونکہ اضافت معنویہ کے دو فائدے ہو گئے اور لفظیہ کا ایک تو اضافت معنویہ کو ایک گونہ شرافت اور برتری حاصل ہو گئی اس لئے اس کی تعریف کو مقدم فرمایا ہے جو اگلی بات میں آرہی ہے۔

دوسری بات: اضافت معنویہ کی تعریف

فالمعنويه أن يكون المضاف غير صفة مضافة إلى معمولها: اس عبارت میں صاحب کتاب نے اضافت معنویہ کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ اضافت معنویہ وہ اضافت ہے جس میں مضاف ایسا صیغہ صفت نہ ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو، اس جگہ صیغہ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل ہیں اور معمول سے مراد فاعل اور مفعول بہ ہیں، اس تعریف سے اضافت معنویہ کی تین صورتیں سمجھ میں آتی ہیں:

(۱) نہ مضاف صیغہ صفت ہو اور نہ اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے (غلام زیدٍ)۔

(۲) مضاف صفت کا صیغہ ہو لیکن اپنے معمول کی طرف مضاف نہ ہو بلکہ غیر معمول کی طرف مضاف ہو جیسے (کریم البلد)، اس میں (کریم) صیغہ صفت تو ہے مگر (البلد) نہ تو فاعل ہے اور نہ مفعول بہ بلکہ ظرف اور مفعول فیہ ہے۔

(۳) مضاف صیغہ صفت نہ ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے (ضربُ زیدٍ) یہاں ضربُ صیغہ صفت نہیں بلکہ مصدر ہے اور اپنے معمول یعنی زید مفعول بہ کی طرف مضاف ہے لہذا جس اضافت میں یہ تینوں باتیں پائی جائیں وہ اضافت معنویہ کہلائے گی۔

تیسری بات: اضافت معنویہ کی قسمیں

وهي إما بمعنى اللام في ما عدا جنس المضاف وظرفه... إلخ: صاحب کافیہ اضافت معنویہ کی تعریف سے فارغ ہوکر اس عبارت میں اس کی تین قسمیں بیان فرمارہے ہیں: (۱) اضافت بمعنی اللام (۲) اضافت بمعنی من (۳) اضافت بمعنی فی۔

(۱) وهي إما بمعنى اللام: اس کو اضافت لامیہ اور اضافت لمیہ بھی کہتے ہیں، اضافت لامیہ وہ اضافت معنویہ ہے جس میں مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس سے ہو اور نہ اس کے لئے ظرف ہو جیسے (غلام زید) یہ لام حرف جر تقدیری کے ساتھ مضاف ہے؛ کیونکہ اصل میں یہ (غلام لزید) تھا، دیکھئے یہاں مضاف الیہ (یعنی زیدٌ) مضاف (یعنی غلامٌ) کی جنس سے بھی نہیں اور اس کے لئے ظرف بھی نہیں، جنس سے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مضاف الیہ کا اطلاق مضاف اور غیر مضاف دونوں پر ہوسکے، اسی طرح مضاف کا اطلاق بھی مضاف الیہ اور غیر مضاف الیہ دونوں پر ہوسکے جیسے (خاتم فضة) یہ (خاتم) پر بھی صادق آتی ہے اور غیر خاتم پر بھی، اسی طرح خاتم بھی فضة اور غیر فضة دونوں پر صادق آتی ہے کیونکہ انگوٹھی چاندی کی بھی ہوتی ہے اور غیر چاندی کی بھی، اسی طرح چاندی انگوٹھی بھی ہوتی ہے اور غیر انگوٹھی بھی، لیکن (غلام زید) میں اس طرح نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ زید کا اطلاق غلام پر نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ آزاد ہے اور یہ غلام، اور نہ اس کے لئے ظرف ہے۔

(۲) وإما بمعنى من في جنس المضاف: فرماتے ہیں کہ اضافت بمعنی من وہ اضافت ہے جس میں مضاف الیہ مضاف کی جنس سے ہو جیسے (خاتم فضة) یہ من حرف جر تقدیری کے ساتھ مضاف ہے؛ کیونکہ یہ اصل میں (خاتم من فضة) تھا، اس کی تفصیل پیچھے گذرگئی ہے اس کو اضافت منی اور اضافت بیانیہ بھی کہتے ہیں۔

(۳) أو بمعنى في في ظرفه: صاحب کافیہ اضافت معنویہ کی تیسری قسم بیان

فرما رہے ہیں کہ اضافت بمعنی (فی) وہ اضافت ہے جس میں مضاف الیہ مضاف کے لئے ظرف ہو خواہ ظرف زمان ہو یا مکان جیسے (صلاۃ اللیل اور ضرب الیوم) یہ (فی) حرف جر تقدیری کے ساتھ مضاف ہیں؛ کیونکہ ان کا اصل (صلاۃٌ فی اللیل اور ضربٌ فی الیوم) تھا، اس میں (لیلٌ اور الیوم) مضاف الیہ (صلاۃٌ اور ضربٌ) مضاف کے لئے ظرف بن رہے ہیں، اس کو اضافت فوی اور اضافت ظرفیہ بھی کہتے ہیں۔

وھو قلیل: صاحب کافیہ فرما رہے ہیں کہ اضافت معنوی کی اس تیسرے قسم کا استعمال عرب حضرات کے ہاں بہت کم ہے اس لئے اکثر علماء نحو نے اس کو قلیل الاستعمال ہونے کی وجہ سے اضافت بمعنی لام ہی قرار دیا ہے۔

چوتھی بات: اضافت معنویہ کا فائدہ

وتفید تعریفاً مع المعرفۃ وتخصیصاً مع النکرۃ: اس عبارت میں صاحب کافیہ نے اضافت معنویہ کے ایک فائدے کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ پہلی بات کے ضمن میں گزر گیا ہے کہ اضافت معنویہ تعریف یا تخصیص کا فائدہ دیتی ہے، یعنی اگر مضاف الیہ معرفہ ہو تو اضافت سے مضاف معرفہ بنے گا جیسے (غلام زید اور کتاب بکرٍ) میں غلامٌ اور کتابٌ دونوں نکرہ تھے لیکن جب اس کی اضافت زیدٌ اور بکرٌ کی طرف کی گئی تو دونوں معرفہ بن گئے، اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو اضافت کی وجہ سے مضاف میں تخصیص پیدا ہو جاتی ہے جیسے (غلام رجلٍ اور کتاب امراۃٍ)، اس کی تفصیل پیچھے گزر گئی ہے۔

پانچویں بات: اضافت معنویہ کی شرائط

وشرطھا تجرید المضاف من التعریف: یہاں سے مصنف رحمہ اللہ اضافت معنویہ کے صحیح ہونے کیلئے ایک شرط بیان فرما رہے ہیں، وہ یہ ہے کہ اضافت معنویہ تب صحیح ہوگی جب مضاف بوقت اضافت تعریف سے خالی ہو یعنی نکرہ ہو؛ اس لئے کہ مضاف اگر معرفہ ہو تو اس کا مضاف الیہ دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو وہ بھی معرفہ ہوگا یا نکرہ

ہوگا، اگر وہ بھی معرفہ ہو تو معرفہ کی معرفہ کی طرف مضاف کرنے سے تحصیل حاصل لازم آئے گا جو کہ قبیح ہے، اور اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو حصول اعلیٰ (معرفہ) کی موجودگی میں ادنی یعنی نکرہ کا طلب کرنا لازم آئے گا اور یہ بھی صحیح نہیں ہے، لہذا یہ بات ثابت ہوئی کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے۔

چھٹی بات: صاحب کافیہ کا نحاۃ کوفہ پر رد

وما أجازه الكوفيون من الثلثه الأثواب وشبهه من العدد ضعيفٌ:

علماء کوفیین کا مذہب یہ ہے کہ (الثلاثة الأثواب) جیسی کوئی ترکیب ہو یعنی مضاف معرفہ ہو یا کوئی عدد معرف باللام ہو پھر اس کی اضافت تمیز کی طرف ہو جائے جیسے الخمسة الدراهم والمائة الدينار وغیرہ تو یہ سب جائز ہیں، لیکن صاحب کتاب علامہ ابن حاجب نے مذکورہ عبارت میں ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ (الثلاثة الأثواب) اور (الخمسة الدراهم اور المائة الدينار) جیسی کوئی ترکیب ہو تو ان کو صحیح کہنا بالکل ضعیف قسم کا قول ہے؛ کیونکہ یہ عقلاً بھی صحیح نہیں ہے کہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتی ہے اور استعمالاً بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ فصحاء عرب سے ایسی کوئی بات ثابت نہیں ہے بلکہ عدد جب مضاف ہو اپنی تمیز کی طرف تو اس میں الف لام کا ترک ان سے ثابت ہے۔

البتہ فصحاء عرب کے کلام میں جہاں جہاں عدد معرف باللام ہو کر آیا ہو اور پھر آگے اس کی اضافت ہوگئی ہو تو اس کے بارے میں یہ ذہن نشین کرلو کہ وہ مضاف مضاف الیہ نہیں ہوتے بلکہ عدد معرف باللام مبدل منہ یا معطوف بنے گا اور آگے والا دوسرا معرف باللام اسم اس کے لئے بدل الکل یا عطف بیان بنے گا۔

اس پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جب ایسی ترکیب سرے سے ناجائز ہے تو صاحب کافیہ نے (وضعف) کیوں فرمایا (لا يجوز یا لا يصح) کیوں نہ فرمایا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ فصحاء عرب سے بعض ایسی مثالیں ثابت ہیں جو کہ

مبدل منہ یا معطوف ہیں تو یہاں مذکورہ (الثلثة الأثواب والی) مثال چونکہ مشاکلۃ ان کے ساتھ مشابہ ہے تو مشابہ بہ کا احترام کرتے ہوئے اس کو صرف (وضعف) فرمایا اور (لایجوز یالا یصح) نہیں فرمایا۔

درس (۹۴)

اضافت لفظیہ کا بیان

واللفظية أن يكون المضاف صفةً مضافة إلى معمولها، مثل: ضارب زيدٍ وحسن الوجه، ولا تفيد إلا تخفيفاً في اللفظ، ومن ثم جاز: مررت برجل حَسَن الوجه، وامتنع: مررت بزيد حَسَن الوجه، وجاز الضاربا زيدٍ والضاربو زيدٍ، وامتنع: الضارب زيدٍ، خلافاً للفراء وضعف: الواهب المائة الهِجانِ وعبدها، وإنما جاز: الضارب الرجل حملاً على المختار في الحسن الوجه، والضاربک وشبهه فيمن قال: إنه مضاف حملاً على ضاربک.

ترجمہ: اور اضافت لفظیہ کی علامت یہ ہے کہ مضاف ایسا صیغہ صفت ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے (ضارب زید اور حسن الوجہ) اور یہ فائدہ نہیں دیتی مگر لفظوں میں تخفیف کا، اس وجہ سے (مررت برجل حسن الوجہ) جائز ہے اور (مررت بزید حسن الوجہ) ناجائز ہے، اسی طرح (الضاربا زید اور الضاربو زید) بھی جائز ہے لیکن (الضارب زید) کہنا صحیح نہیں ہے یہ بات امام فراء کے خلاف ہے، اور (الواهب المائة الهجان وعبدها) یہ ضعیف ہے، اور (الضارب الرجل) صرف اس لئے جائز ہے کہ یہ (الحسن الوجہ) کی وجہ مختار پر محمول ہے اور جائز ہے (الضاربک) اور اس کے مثل، ان کے نزدیک جنہوں نے اس کو مضاف قرار دیا حمل

کرتے ہوئے (ضاربک) پر۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) اضافت لفظیہ کی تعریف۔

(۲) اضافت لفظیہ کا فائدہ۔

(۳) اضافت لفظیہ کی تعریف پر تفریعات۔

(۴) امام فراء کا جمہور علماء نحو سے اختلاف۔

(۵) جمہور علماء نحو کا ان کو جواب۔

پہلی بات: اضافت لفظیہ کی تعریف

واللفظية أن يكون المضاف صفةً مضافة إلى معمولها: صاحب کتاب جب اضافت معنویہ کی تعریف اور اس کی تفصیل سے فارغ ہوگئے تو اب اضافت لفظیہ کی تعریف اور اس کی پوری تفصیل بیان فرمارہے ہیں، لہٰذا عبارت مذکورہ میں اس کی تعریف بیان فرمائی ہیں کہ اضافت لفظیہ اسے کہتے ہیں کہ مضاف صیغہ صفت ہو اور اپنے معمول کی طرف مضاف ہو جیسے (ضارب زیدٍ) اس میں ضاربٌ صیغہ صفت مضاف ہے اپنے معمول زیدٌ کی طرف جو کہ مفعول بہ بن رہا ہے، اور (حسن الوجہ) اس میں (حسنٌ) صیغہ صفت شبہ مضاف ہے اپنے معمول (الوجہ) کی طرف جو اس کے لئے فاعل بن رہا ہے۔

دوسری بات: اضافت لفظیہ کا فائدہ

ولا تفيد إلا تخفيفاً في اللفظ: صاحب کتاب نے اس عبارت میں اضافت لفظیہ کا فائدہ بیان فرمایا ہے کہ اضافت لفظیہ صرف تخفیف فی اللفظ یعنی کلمہ کو آسان بنانے کا فائدہ دیتی ہے اور معنی کے اعتبار سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، پھر تخفیف فی اللفظ کی تین صورتیں ہیں:

(۱) صرف مضاف میں تخفیف پیدا ہوجائے، پھر یہ تخفیف یا تو حذف تنوین کے ذریعے ہوگا جیسے (ضارب زید) یہ اصل میں (ضاربٌ زیداً) تھا اضافت کی وجہ سے تنوین گرگئی تو (ضاربُ زیدٍ) ہوا، یا تخفیف نون تثنیہ اور نون جمع کے حذف کی صورت میں ہوگا جیسے (ضاربا زیدٍ) اصل میں (ضاربان زیداً) تھا اور (ضاربوا زیدٍ) اصل میں (ضاربون زیداً) تھا۔

(۲) یا تخفیف صرف مضاف الیہ میں ہوگی جیسے (زید القائم الغلام) اصل میں (زید القائم غلامه) تھا، غلامه مضاف کی وجہ سے ضمیر کو حذف کردیا گیا اور القائم میں ضمیر مستتر مان لی گئی۔

(۳) کبھی کبھار تخفیف مضاف اور مضاف الیہ دونوں میں ہوگی جیسے (حسن الوجه) یہ اصل (حسنٌ وجهه) تھا، اضافت کی وجہ سے حسنٌ کی تنوین حذف ہوگئی اور وجهه مضاف الیہ سے بھی ضمیر کو حذف کر کے اس کے عوض میں اس پر الف لام تعریف لے آئے تو (حسن الوجه) بن گیا۔

تیسری بات: اضافت لفظیہ کی تعریف پر تفریعات

ومن ثم جاز مررت برجل حسن الوجه: میرے عزیز طلبہ! آپ حضرات نے اصول الشاشی میں کافی ساری تفریعات پڑھی ہوگی، آئیں آج صاحب کافیہ سے بھی ایک دو تفریعات سن لیتے ہیں:

جیسا کہ ماقبل والی عبارت میں ہم نے پڑھا کہ اضافت لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے تو مفہوم مخالف کے طور پر اس سے یہ بات معلوم ہورہی تھی کہ اضافت لفظیہ تعریف اور تخصیص کا فائدہ نہیں دیتی، تو یہ دو باتیں ہوگئیں، ایک یہ کہ اضافت لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے، دوسری یہ کہ اضافت لفظیہ تخصیص اور تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، ان دونوں میں سے ہر ایک پر صاحب کافیہ نے ایک ایک تفریع پیش فرمائی ہیں۔

پہلی تفریع دوسری بات پر

ومن ثم جاز: مررت برجل حَسَن الوجه، وامتنع: مررت بزيد حَسَن الوجه :اس عبارت میں صاحب کتاب نے اس بات پر کہ اضافت لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی ایک تفریع پیش فرمائی ہے، کہ (مررت برجل حسن الوجه) کی ترکیب تو درست ہے لیکن (مررت بزيد حسن الوجه) کی ترکیب درست نہیں ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ (مررت برجل حسن الوجه) میں رجلٌ موصوف ہے اور (حسن الوجه) مضاف مضاف الیہ مل کر اس کی صفت ہے، اور موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہوتی ہے اور وہ یہاں پائی جارہی ہے؛ کیونکہ رجلٌ بھی نکرہ ہے اور (حسن الوجه) بھی نکرہ ہے؛ کیونکہ ابھی ہم نے پڑھا کہ اضافت لفظیہ تعریف کا فائدہ نہیں دیتی، تو (حسن الوجه) تا حال نکرہ رہے گا۔

اور مررت بزيد حسن الوجه کی ترکیب اس لئے صحیح نہیں ہے کہ (زیدٌ) موصوف ہے اور معرفہ ہے اور (حسن الوجه) اس کی صفت ہے اور نکرہ ہے، تو موصوف صفت میں مطابقت نہ پائے جانے کی وجہ سے یہ ناجائز ہوا۔

دوسری تفریع پہلی بات پر

وجاز الضاربا زيدٍ والضاربو زيد، وامتنع الضارب زيدٍ: پہلی بات (یعنی اضافت لفظیہ تخفیف کا فائدہ دیتی ہے) پر یہ تفریع پیش فرما رہے ہیں، کہ (الضاربا زیدٍ اور الضاربو زید) یہ دونوں ترکیبیں صحیح ہیں لیکن (الضارب زیدٍ) کی ترکیب صحیح نہیں ہے، پہلی دونوں کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں میں اضافت کی وجہ سے تخفیف ہوئی ہے یعنی ان سے نون تثنیہ اور نون جمع گر گئے ہیں؛ دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر ہم ان دونوں کی اضافت کو ختم کر کے زیدٌ کو ان سے ہٹادیں تو الف لام کے باوجود بھی ان کا نون باقی رہتا ہے جیسے الضاربان اور الضاربون، تو اس سے پتہ چلا کہ ان سے نون جو گرا ہے

وہ اضافت کی وجہ سے گرا ہے نہ کہ الف لام کی وجہ سے۔

ان کے مقابلے میں (الضارب زید) کی ترکیب اس لئے صحیح نہیں ہے کہ یہاں اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف پیدا نہیں ہوئی؛ کیونکہ الضارب سے جو تنوین گری ہے یہ اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کی وجہ سے گری ہے؛ کیونکہ اگر ہم اس کی اضافت کو ختم بھی کر دیں پھر بھی الضارب پر تنوین نہیں آتی، تو معلوم ہوا کہ تنوین کا نہ آنا الف لام کی وجہ سے ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔

چوتھی بات: امام فراء کا جمہور سے اختلاف

خلافاً للفراء سے لے کر حملا علی ضاربک تک کی عبارت میں صاحب کافیہ نے اما فراء کا جمہور سے اختلاف اور امام فراء کا اپنے دعوی پر چار دلائل اور جمہور کی طرف سے ان کے مسکت جوابات ذکر فرمائے ہیں:

خلافاً للفراء: فرماتے ہیں کہ اس میں امام فراء نے اختلاف کیا ہے کہ الضارب زید جیسی کوئی ترکیب ہو تو وہ صحیح ہوگی، اس پر امام فراء صاحب کے پاس چار دلائل ہیں۔

امام فراء کی پہلی دلیل

پہلی دلیل ان کی یہ ہے کہ الضارب میں الف لام کا دخول اضافت کے بعد ہوا ہے لہذا اس کی تنوین اضافت کی وجہ سے گری ہے نہ کہ الف لام کی وجہ سے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب

جمہور علماء نحو نے اس کے دو جوابات دیئے ہیں: پہلا جواب وہی ہے جو گذر گیا کہ (الضارب زید) کی اضافت اگر ہم ختم بھی کر دیں، تب بھی اس پر تنوین نہیں آتی، تو معلوم ہوا کہ یہ الف لام کی وجہ سے حذف ہوئی ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ کہنا کہ اضافت دخول الف لام سے مقدم ہے یہ دعویٰ بلا دلیل ہے؛ اس لئے کہ اگر ظاہر میں دیکھا جائے تو دخول الف لام مقدم معلوم ہوتا ہے؛ کیونکہ لام تعریف ذاتِ اسم کی تحقیق کے لئے آتا ہے اور اضافت وصف اسم یعنی تخفیف کی تحقیق کے لئے ہوتی ہے یعنی الف لام کا تعلق ذات اسم کے ساتھ ہے اور اضافت کا تعلق وصف اسم کے ساتھ، اور یہ بات ظاہر ہے کہ ذات مقدم ہوتی ہے وصف پر، تو معلوم ہوا کہ دخول الف لام مقدم ہوگا اضافت پر۔

امام فراء کی دوسری دلیل

امام فراء نے دوسری دلیل میں عربی کے فصیح اور بلیغ شاعر میمون بن قیون اعشیٰ کا ایک شعر پیش کیا ہے:

الواهب المائة الهجان وعبدِها

عوذاً يزجّي خلفها أطفالها

ترجمہ: میرے ممدوح کی بخشش کا یہ عالم ہے کہ سو سفید اونٹنیوں کو ان کے چرواہوں سمیت بخش دینے والے ہیں اس حال میں کہ وہ اونٹنیاں نوزائیدہ بچوں والی ہیں اور یہ چرواہے ان اونٹنیوں کے پیچھے ان کے بچوں کو ہنکاتے ہیں۔

محل استشھاد: مذکورہ شعر میں عبدھا کا عطف المائة پر ہے اور قاعدہ ہے کہ جو معطوف علیہ کا فاعل ہوتا ہے وہی معطوف کا بھی ہوتا ہے، لہٰذا الواهب جس طرح المائة کی طرف مضاف ہو رہا ہے ایسے ہی عبدھا کی طرف بھی مضاف ہو رہا ہے تو گویا کہ اس کی عبارت یوں بن رہی ہے (الواهب المائة الهجان والواهب عبدها) لہٰذا جب الواهب کی اضافت عبدھا کی طرف ہوگئی اور فصحاء و بلغاء اس کو صحیح بھی مانتے ہیں تو (الضارب زید) کی اضافت بھی صحیح ہونی چاہئے؛ کیونکہ وہ بھی اس جیسی ترکیب ہے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب

صاحب کافیہ کے پاس چونکہ الفاظ کا ذخیرہ بہت کم ہے اس لئے امام فراء کو جمہور کی طرف سے جواب دیتے ہوئے مختصراً کہدیا کہ (وضعف: الواهب المائة الهجان وعبدها) یعنی یہ قول ضعیف ہے؛ کیونکہ اس میں مذکورہ اضافت مفید تخفیف نہیں ہے جیسے (الضارب زيد) میں نہیں تھی۔

یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب محترم! جب آپ نے (الواهب عبدها کو الضارب زيد) کا مثل قرار دیدیا تو وہاں تو آپ نے فرمایا تھا کہ (وامتنع الضارب زيد) یعنی (الضارب زيد) کی ترکیب بالکل ناجائز ہے اور یہاں آپ فرمارہے ہو کہ (وضعف الواهب المائة الهجان وعبدها) یعنی یہ ترکیب جائز تو ہے لیکن اس کا جواز ضعیف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں اضافتوں کو امام فراء صاحب نے ایک جیسے قرار دیدیا ہے لیکن حقیقت میں یہ ایک جیسی نہیں ہیں؛ کیونکہ (الضارب زيد) میں معرف باللام کی اضافت غیر معرف باللام کی طرف بلا واسطہ ہورہی ہے اور قول أعشى میں بواسطہ معطوف علیہ اضافت ہورہی ہے تو اس حیثیت سے کہ معطوف بجمیع الوجوہ معطوف علیہ کے حکم میں نہیں ہوتا یہ ترکیب جائز ہوئی اور اس حیثیت سے کہ معطوف بعض وجوہ میں معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے یہ ضعیف ہوئی، بخلاف (الضارب زيد) کے کہ اس میں بلا واسطہ ہونے کی وجہ سے یہ دو حیثیتیں نہیں ہیں تو اس میں عدم جواز ہی متعین تھا۔

امام فراء کی دلیل کا دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے واؤ کو عاطفہ بنایا ہے حالانکہ یہ واؤ عاطفہ نہیں بلکہ یہ بمعنی مع کے ہے، اور واؤ جب مع کے معنی میں ہوگا تو عبدها مفعول معہ ہوگا نہ کہ مضاف الیہ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر ہم اس کو عاطفہ بھی مان لیں پھر بھی صحیح ہے لیکن اس

وقت آپ کے لئے حجت پھر بھی نہیں بن سکتی؛ کیونکہ بسا اوقات عطف کے ذریعے کوئی چیز ذکر کی جائے تو وہ صحیح ہوتی ہے لیکن اگر وہی چیز بغیر عطف کے ہو تو صحیح نہیں ہوتی جیسے (ربّ شاةٍ وسخلتها) میں ربّ عطف کے ذریعے معرفہ (سخلتها) پر داخل ہے جب کہ قاعدہ ہے کہ رب صرف نکرہ پر داخل ہوتا ہے، تو یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے کہ بغیر عطف کے ایسی اضافت ناجائز ہوتی ہے جیسے (الضارب زيد) میں ہے اور عطف کے ساتھ جائز ہوتی ہے جیسا کہ قول اعشی میں گذر گیا۔

الملاحظة ا: یاد رہے کہ مذکورہ شعر تب ضعیف ہوگا جب (عبدها) کو مجرور پڑھا جائے، لیکن اگر اس کا عطف (المائة) کے محل پر ڈال کر منصوب پڑھا جائے یا واو بمعنی مع مان کر اس کو مفعول معہ بنا کر منصوب پڑھا جائے تو یہ ضعیف نہیں ہوگا، لیکن امام فراء کے لئے مستدل پھر بھی نہیں بن سکتا۔

الملاحظة ۲: شعر میں الواهب خبر ہے مبتدا (محذوف یعنی ممدوحی) کی، الهجان بمعنی اونٹنیاں، یہ لفظ (فُلکٌ) کی طرح واحد اور جمع دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے، اگر اس کو بروزن قتال فرض کیا جائے تو یہ مفرد ہوگا جیسے کہا جاتا ہے ناقة هجان، اور بروزن رجالٌ لیا جائے تو یہ جمع ہوگا جیسے نوق هجان، عوذاً یہ عائذ کی جمع ہے بمعنی نو زائیدہ، یُزَجّی: زجّی یُزجّی تزجیة باب تفعیل سے مضارع کا صیغہ ہے بمعنی ہانکنا اور چرانا، یُزَجّی بصیغہ معروف و مجہول دونوں پڑھا گیا ہے بصیغہ معلوم ہو تو أطفالها مفعولیت کی بناء پر منصوب ہوگا اور مجہول ہو تو نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

امام فراء کی تیسری دلیل

امام فراء کی تیسری دلیل یہ ہے کہ (الضارب زيد) کی ترکیب (الضارب الرجل) کی طرح ہے؛ کیونکہ دونوں ترکیبوں میں مضاف اسم فاعل اور مضاف الیہ معرفہ

ہے،توجب (الضارب الرجل) کی ترکیب باتفاق نحاۃ جائز ہے تو (الضارب زید) بھی جائز ہونی چاہئے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب

صاحب کافیہ جمہور علماء کی طرف سے ترجمان بن کر جواب دیتے ہیں کہ (وانما جاز الضارب الرجل حملاً علی المختار فی الحسن الوجه) یعنی جناب محترم! (الضارب الرجل) کی ترکیب صحیح ہونے کی دلیل کوئی اور ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہم اس کو (الحسن الوجه) کے مختار قول (جو مجرور پڑھنے کا ہے) پر حمل کرتے ہیں حالانکہ قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ بھی جائز نہ ہوتا، اور اس کو اس پر حمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں دو چیزوں میں مشترک ہیں:

(۱) دونوں ترکیبوں میں مضاف صیغہ صفت ہے اور معرف باللام بھی ہے۔

(۲) دونوں میں مضاف الیہ اسم جنس اور معرف باللام ہے، جبکہ (الضارب زید) میں مضاف کی مشابہت تو اس کے ساتھ ہے لیکن مضاف الیہ اس میں غیر معرف باللام اور اسم علم ہے تو مطابقت تامہ نہیں رہی۔

امام فراء کی چوتھی دلیل

جب امام فراء کے ماقبل والے سارے دلائل کمزور ثابت ہو گئے تو اب کی بار وہ جمہور کے گھر میں آکر اس نے گھر کی بات اٹھائی کہ چل جمہور صاحبان! میں نے مان لیا کہ (الضارب زید) وغیرہ مثالوں میں تنوین اضافت کی وجہ سے نہیں بلکہ الف لام کی وجہ سے گری ہے تو اب میں کہتا ہوں کہ جس طرح اس کو تم نے نا جائز کہدیا ہے ایسا ہی (الضاربک) وغیرہ ترکیبوں کو بھی نا جائز کہدو، حالانکہ (الضاربک) تو تمہارے ہاں جائز ہے باوجودیکہ اس سے بھی جو تنوین گری ہے وہ الف لام ہی کی وجہ سے گری ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے، لہذا یا تو دونوں کو جائز کہدو یا دونوں کو نا جائز، لیکن یہ نہ ہو کہ ایک کو

جائز کہدیا اور دوسرے کو نا جائز۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب

جمہور کی طرف سے اس کے دو جوابات دیئے گئے ہیں: ان میں سے ایک جواب محشی نے حاشیہ میں اور دوسرا متن میں صاحب کافیہ نے خود ذکر فرمایا ہیں۔

(۱) امام فراء صاحب آپ کو شبہ پڑ گیا ہے؛ کیونکہ جمہور علماء نحو تو الضاربک میں اضافت کے قائل ہی نہیں بلکہ اکثر کا قول تو یہ ہے کہ اس میں الف لام الذی کے معنی میں ہے اور ضاربٌ صیغہ اسم فاعل ضرب کے معنی میں ہے اور (کَ) ضمیر مفعول بہ ہے لہٰذا آپ کا اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہوا؛ اس لئے کہ اضافت کے ساتھ اس کا تعلق ہی نہیں۔

(۲) اگر اس میں اضافت کو تسلیم بھی کرلیا جائے جیسا کہ امام سیبویہ اور ان کے تبعین کا قول ہے تو پھر بھی اس سے آپ کا استدلال صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ (إنہ مضاف حملاً علی ضاربک) یعنی اس کو ہم نے قیاس کیا ہے ضاربک پر، اور ضاربک سے تنوین اتصال ضمیر کی وجہ سے گری ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے، تو الضاربک میں بھی تنوین اسی طرح اتصال ضمیر کی وجہ سے گری ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔ (کمافی تقریر الکافیہ وتہذیب الکافیہ)۔

درس (۹۵)

موصوف صفت اور اسم مماثل کی اضافت کا بیان

ولایضاف موصوف إلی صفة، ولا صفةٌ إلی موصوفها، مثل مسجد الجامع وجانبُ الغَربی وصلاة الأولی وبقلة الحمقاءِ متأولٌ،

ومثل جرد قطيفةٍ وأخلاق ثيابٍ متأولٌ، ولا يضاف اسمٌ مماثلٌ للمضاف إليه في العموم والخصوص كـ(ليثٍ وأسدٍ وحبسٍ ومنعٍ) لعدم الفائدة، بخلاف كل الدراهم وعين الشيء؛ فإنه يختصُّ به، وقولهم: سعيد كرزٍ ونحوه متأوّلٌ.

ترجمہ: اوراضافت نہیں کی جاتی موصوف کی اپنی صفت کی طرف اور نہ ہی صفت کی موصوف کی طرف، اور (مسجد الجامع وجانب الغَربی وصلاة الأولى وبقلة الحمقاءِ) تاویل شدہ ہیں، اور (جرد قطيفةٍ وأخلاق ثيابٍ) (بھی) تاویل شدہ ہیں، اور مضاف نہیں کیا جائے گا وہ اسم جو عموم اور خصوص میں مضاف الیہ کے برابر ہو جیسے (ليث وأسد وحبس ومنع) فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے، بخلاف (كل الدراهم وعين الشيء) کے؛ اس لئے کہ ان میں مضاف مضاف الیہ سے خاص ہو جاتا ہے، اور ان کے قول (سعيد كرز) جیسی ترکیبیں تاویل شدہ ہیں۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں:

(۱) موصوف اور صفت کے درمیان اضافت سے متعلق ایک قاعدہ۔

(۲) مذکورہ قاعدہ پر دو اشکالات کے جوابات۔

(۳) اسم مماثل کی اضافت سے متعلق ایک قاعدہ۔

(۴) مذکورہ قاعدے پر اشکال کا جواب۔

پہلی بات موصوف اور صفت کے درمیان اضافت سے متعلق ایک قاعدہ

ولا يُضاف موصوف إلى صفة ولا صفة إلى موصوفها: صاحب کتاب علامہ ابن حاجب رحمہ اللہ نے اس عبارت میں موصوف اور صفت کے درمیان اضافت سے متعلق ایک قاعدہ بیان فرمایا ہیں کہ نہ تو موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہوسکتی ہے

اور نہ صفت کی موصوف کی طرف، شارحین کافیہ نے ان میں سے ہر ایک کی دو دو وجوہات بیان فرمائی ہیں۔

(۱) موصوف کی اضافت صفت کی طرف اس لئے نہیں ہوسکتی کہ مرکب توصیفی اور مرکب اضافی ایک دوسرے کے ضد اور مغائر ہوتے ہیں؛ اس لئے کہ صفت موصوف کی عین ہوتی ہے اور مضاف الیہ مضاف کا غیر ہوتا ہے، لہذا اگر موصوف کی اضافت صفت کی طرف کی جائے تو عینیت غیریت میں بدل جائیگی جو کہ ناجائز ہے۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ موصوف اور صفت کے اعراب میں مطابقت ہوتی ہے لیکن اگر موصوف کی اضافت صفت کی طرف کریں گے تو وہ مطابقت نہیں رہے گی؛ کیونکہ مضاف الیہ تو ہر حال میں مجرور ہوگا جیسے (رجلٌ عالمٌ سے رجلُ عالمٍ) بنے گا۔

اسی طرح صفت کی اضافت بھی موصوف کی طرف نہیں ہوسکتی اس کی بھی دو وجہیں ہیں:

(۱) پہلی وجہ یہ ہے کہ قاعدہ یہ ہے کہ مضاف ہمیشہ مقدم اور مضاف الیہ مؤخر ہوا کرتا ہے اسی طرح موصوف ہمیشہ مقدم اور صفت مؤخر ہوا کرتی ہے، لہذا اگر صفت کو مقدم کر کے اضافت کرتے ہیں تو صفت کا موصوف پر مقدم کرنا لازم آئے گا جیسے (رجلٌ عالمٌ) سے (عالمُ رجلٍ)، اور اگر صفت کو مقدم کئے بغیر اس کی اضافت کرتے ہیں تو مضاف الیہ کا مضاف پر مقدم کرنا لازم آئے گا جیسے (رجلٌ عالمٌ) سے (رجلٍ عالمُ)۔

(۲) دوسری خرابی یہ لازم آئے گی جو اوپر ذکر ہوئی کہ موصوف اور صفت کے اعراب میں مطابقت نہیں رہے گی۔

دوسری بات: مذکورہ قاعدہ پر دو اشکالات کے جوابات

مذکورہ قاعدے پر اشکال ہوسکتا ہے کہ جناب! آپ نے تو فرمایا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہوسکتی حالانکہ عرب کہتے ہیں (مسجد الجامع) اس میں

(الجامع، مسجدٌ) کی صفت ہے اس کے باوجود موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہوئی ہے، اور اسی طرح (جانب الغربی اور صلاة الأولی اور بقلة الحمقاء) میں بھی ہوئی ہے۔

صاحب کافیہ ان سب کا جواب دیتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ (ومثل مسجد الجامع وجانب الغَربی وصلاة الأولی وبقلة الحمقاءِ متأولٌ) یعنی یہ ساری مثالیں اور اس جیسی ہر وہ مثال جس میں بظاہر موصوف کی اضافت صفت کی طرف معلوم ہورہی ہو وہ سب تاویل شدہ ہوتی ہیں، وہ اس طرح کہ ان سب مثالوں میں موصوف محذوف ہے اور اصل عبارت سب کی یہ ہے (مسجد الوقت الجامع، جانب المکان الغربی، صلاة الساعة الأولی، اور بقلة الحبة الحمقاء).

یہاں موصوف کے محذوف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مثال اول میں انسانوں کو جمع کرنے والی چیز نماز کا وقت ہوا کرتا ہے نہ کہ مسجد، تو یہاں (جامع) وقت کی صفت ہے نہ کہ مسجد کی، باقی بھی اسی طرح ہیں۔

دوسرا اشکال اس پر یہ ہے کہ آپ نے بتایا کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف نہیں ہوسکتی حالانکہ عرب کہتے ہیں (جرد قطیفة وأخلاق ثیاب) اس میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہوئی ہے؟۔

صاحب کافیہ اس کا جواب دے رہے ہیں کہ (ومثل جرد قطیفة وأخلاق ثیاب) یعنی یہ اور اس جیسی ہر وہ مثال جس میں بظاہر صفت کی اضافت موصوف کی طرف معلوم ہورہی ہو ان سب کے عدم جواز پر جب دلیل قائم ہوگی تو ان میں تاویل واجب ہے، وہ اس طرح کہ یہ اصل میں (قطیفة جردٌ اور ثیاب أخلاق) تھا، یہ ترکیب توصیفی ہے جب اس سے موصوف کو حذف کیا تو صرف (جردٌ) باقی رہا، اس میں ابہام تھا کہ اس سے کیا مراد ہے تو اس ابہام کو دور کرنے کے لئے (قطیفة) ذکر کیا تا کہ ابہام نہ رہے۔

تو یہاں جو (جرد) کی اضافت (قطیفة) کی طرف ہوئی ہے یہ اس اعتبار سے نہیں ہے کہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہوئی ہے بلکہ اس اعتبار سے کہ ذات مبہمہ کی اضافت ذات معینہ کی طرف برائے حصول تخصیص ہوئی ہے۔

تیسری بات: اسم مماثل کی اضافت سے متعلق ایک قاعدہ

ولا یضاف اسم مماثل للمضاف إلیه فی العموم والخصوص: اس عبارت میں صاحب کتاب نے ان دو اسموں کے متعلق ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے جو عموم اور خصوص میں ایک دوسرے کے برابر ہوتے ہیں، عموم اور خصوص میں برابر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک اسم کسی چیز پر صادق آرہا ہو تو دوسرا بھی اس پر صادق آئے، اور وہی اسم جس چیز پر صادق نہ آرہا ہو تو دوسرا بھی اس پر صادق نہ آتا ہو۔

فائدہ: مماثلت اور برابری یا تو اعیان کے قبیل سے ہوتی ہے جیسے لیث اور اسد میں ہے اور کبھی معنی کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے منع اور حبس میں ہے، اور کبھی مصداق کے اعتبار سے ہوتی ہے جیسے انسان اور ناطق میں ہے۔

بخلاف کل الدراهم وعین الشئ: فرماتے ہیں کہ عام کی اضافت خاص کی طرف جائز ہے، کیونکہ اس سے مضاف میں تخصیص پیدا ہوگی جیسے (کل الدراهم) میں (کل) عام ہے اس لئے کہ اس سے مراد دراہم بھی ہو سکتے ہیں اور دنانیر وغیرہ بھی، لیکن جب اس کی اضافت دراہم کی طرف کی گئی تو یہ صرف دراہم کے ساتھ خاص ہو گیا۔

اس طرح (عین الشیء) میں (عین) اضافت سے پہلے عام تھا یعنی موجود اور معدوم دونوں کو شامل تھا لیکن جب اس کی اضافت (الشیء) کی طرف ہوگئی تو یہ صرف موجود کے ساتھ خاص ہو گیا۔

اب قاعدہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ایسے دو اسموں کی اضافت ایک دوسرے کی طرف جائز نہیں ہے۔

صاحب کتاب اس کی وجہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ (لعدم الفائدة) یعنی ایسی اضافت سے ہمارا مطلوبہ فائدہ حاصل ہی نہیں ہوگا اس لئے یہ ناجائز ہے، کیونکہ اضافت معنویہ کے دو فائدے ہوتے ہیں تعریف اور تخصیص، اور ان دونوں میں سے کوئی یہاں حاصل نہیں ہوگا بلکہ تحصیل حاصل ہی ہوگا، مثلاً: (رأیت لیث أسدٍ) کہنے سے وہی فائدہ ہوگا جو بدون ذکر أسد یعنی (رأیت لیثا) کہنے سے ہوتا ہے تو ذکر أسد اور اس کی طرف لیث کی اضافت لغو ہوگی۔

چوتھی بات: ایک اشکال کا جواب

مذکورہ قاعدے پر ایک اشکال واقع ہو رہا تھا کہ جناب محترم! آپ نے قاعدہ پیش فرمایا کہ دو اسم مماثل کی اضافت ایک دوسرے کی طرف نہیں ہوسکتی تو (سعید کرز) جو دونوں مماثل اور مترادف ہیں؛ کیونکہ سعیدٌ اور کرزٌ دونوں ایک ہی شخص کے لئے بولے جاتے تھے، سعید اس کا اپنا نام تھا اور زیادہ موٹاپے اور عظیم الجثہ ہونے کی وجہ سے کرزٌ اس کا لقب پڑ گیا؛ کیونکہ اس کا معنی ہے خرجیٌ یعنی وہ تھیلہ اور بوری جس میں غلہ وغیرہ بھر کر اونٹ پر رکھا جاتا ہے، تو سعیدٌ اور کرزٌ دونوں ایک ہی شخص کے نام ہیں اس لئے یہ مماثل اور مترادف ہوگئے، اور پھر بھی ان کی ایک دوسرے کی طرف اضافت ہوئی ہے؟۔

صاحب کافیہ اس بات کا جواب دے رہے ہیں کہ (وقولهم سعید کرز ونحوه متأول) یعنی جب احد المترادفین اور مماثلین کی ایک دوسرے کی طرف اضافت کی ممانعت پر دلیل قائم ہوجائے اور پھر کہیں ایسی اضافت بظاہر پائی جائے تو اس کی تاویل واجب ہوگی، چانچہ اس میں اس طرح تاویل کریں گے کہ مضاف (سعیدٌ) سے مراد ذات مسمی اور مضاف الیہ (کرزٌ) سے مراد یہی لفظ (کرزٌ) ہے، لہٰذا (سعیدُ کرزٍ) کا معنی ہوگا: وہ ذات جو لفظ کرز کے ساتھ ملقب ہے، تو دونوں کے درمیان مماثلت نہیں رہی بلکہ تباین اور مخالفت ہے کیونکہ دونوں کا مصداق ایک نہیں ہے اور متباینین اور مخالفین کی ایک دوسرے

کی طرف اضافت ہو سکتی ہے۔ واللہ أعلم بالصواب

درس (۹۶)

مضاف کے حرف آخر سے متعلق چار اہم مسائل

وإذا أضيف الاسم الصحيح أو الملحق به إلى ياء المتكلم، كُسر آخره والياء مفتوحة أوساكنةٌ، فإن كان آخره ألفاً تثبت، وهُذَيل تقلبها لغير التثنية ياءً، وإن كان ياءً أدغمت، إن كان واواً قلبت ياءً، وأدغمت، وفتحت الياء للساكنين.

ترجمه: اور جب اضافت کی جائے اسم صحیح یا جاری مجرائ صحیح کی یاء متکلم کی طرف تو کسرہ دیا جائے گا اس کے آخر کو، درانحالیکہ یاء مفتوح ہوگی یا ساکن، پس اگر اس کے آخر میں الف ہو تو اسے ثابت رکھا جائے گا اور قبیلہ ہذیل والے اس کو یاء سے تبدیل کرتے ہیں جبکہ وہ تثنیہ کا نہ ہو، اور اگر اس کے آخر میں یاء ہو تو اسے مدغم کیا جائے گا، اور اگر واؤ ہو تو یاء سے بدلا جائے گا پھر یاء میں مدغم کیا جائے گا، اور یاء کو فتح دیا جائے گا ساکنین کی جمع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: بھائی آج کے درس میں مضاف کے حرف آخر سے متعلق چار اہم مسائل کا ذکر ہوگا۔

پہلا مسئلہ: یائے متکلم کو مفتوح اور ساکن پڑھنا

وإذا أضيف الاسم الصحيح أو الملحق به إلى ياء المتكلم كُسر آخرُه والياء مفتوحة أو ساكنة: مصنفؒ نے اس عبارت میں پہلا مسئلہ یہ بیان فرمایا ہے کہ جب اسم صحیح یا جاری مجرائ صحیح کی اضافت یاء متکلم کی طرف کی جائے تو اس اسم کا

آخر یاء کی مناسبت سے مکسور ہوگا اور خود یاء کو ساکن اور مفتوح دونوں طرح پڑھنا جائز ہوگا جیسے اسم صحیح کی مثال (غلامیْ اور غلامِیَ اور کتابیْ اور کتابیَ) اور جاری مجرائ صحیح کی مثال (دلویْ اور دلوِیَ اور ظبییْ اور ظبییَ)۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ آیا فتح اصل ہے یا سکون، توصیح تر قول کے مطابق فتح اصل ہے؛ اس لئے کہ یائے متکلم الگ اور ایک حرفی کلمہ ہے اور ایک حرفی کلمہ میں اصل یہ ہے کہ وہ متحرک ہو؛ تا کہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے، اور أخف الحرکات چونکہ فتح کی حرکت ہے اس لئے یاء متکلم کا مفتوح ہونا اصل قرار پایا، اسی اصل ہونے کی وجہ سے ہی مصنف نے (والیاء مفتوحة) کہہ کر اس کو مقدم فرمایا، اس کے علاوہ اس کو ساکن کر کے پڑھنا بھی جائز ہے؛ کیونکہ خفت اس میں بھی ہوتی ہے اس لئے صاحب کتاب نے اس کے بعد (أو ساکنةٌ) بھی فرمایا۔

دوسرا مسئلہ: الف مقصورہ کو ثابت رکھنا یا یاء سے تبدیل کرنا

فإن کان آخرہ ألفا تثبت: دوسرا مسئلہ یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اگر کسی اسم کا آخری حرف الف مقصورہ ہو پھر اس کی اضافت یاء متکلم کی طرف ہو جائے تو اکثر قبائل عرب اس الف کو باقی رکھ کر پڑھتے ہیں جیسے (عصا سے عصای اور رحی سے رحای اور رجی سے رجای)۔

صاحب کتاب فرما رہے ہیں کہ (وھذیل تقلبھا لغیر التثنیة) یعنی قبیلہ ھذیل والے ایسے الف کو یاء سے تبدیل کر کے پھر ایسی یاء کو یاء متکلم میں مدغم کرتے ہیں بشرطیکہ وہ الف تثنیہ نہ ہو جیسے (عصا سے عَصِیّ اور رحی سے رَحِیّ)۔

ھذیل والے ایسے الف کو یاء سے اس لئے تبدیل کرتے ہیں کہ اس کے آخر میں یاء متکلم ہوگی اور یاء اپنے ماقبل کسرہ چاہتی ہے اور الف حرکت قبول نہیں کرتا اس لئے اس کو یاء سے تبدیل کیا جائے گا؛ تا کہ وہ حرکت کو قبول کر لے۔

لغیر التثنیة: کی قیداس لئے لگائی کہ اگراس کوبھی یاء سے تبدیل کریں گے تو حالت رفعی کا حالت نصبی اور جری کے ساتھ التباس لازم آئے گا اور مفرد کے ساتھ بھی التباس لازم آئے گا جیسے (غلامان سے غلامایَ)۔

تیسرا مسئلہ: یاء کو یائے متکلم میں مدغم کرنا

وإن كان ياء أدغمت: تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایسے اسم مضاف کے آخر میں یاء ہوتو ایسی یاء کو یاء متکلم میں مدغم کیا جائے گا؛ کیونکہ دو حرف ایک جنس کے ایک ساتھ جمع ہوں گے، اور دوسری یاء کو فتح دیں گے تا کہ اجتماع ساکنین لازم نہ آئے جیسے (قاضی سے قاضِيَّ اور مسلمین سے مسلمِيَّ)۔

چوتھا مسئلہ: واؤ کو یاء بنانا

وإن كان واوا قلبت ياء: فرماتے ہیں کہ اگر اُس اسم کے آخر میں واو ہوتو اُسے یاء سے تبدیل کر کے یاء کو یاء میں مدغم کیا جائے گا پھر صاحب کافیہ فرماتے ہیں کہ (وفتحت الياء للساكنين) یعنی یاء متکلم کو فتح دیں گے تا کہ التقاء ساکنین لازم نہ آئے جیسے (مسلمون سے مسلميَّ)۔

اگر کسی طالب علم کو اشکال ہو کہ اوپر والے مسئلے میں محض التباس کی وجہ سے الفِ تثنیہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا تو (مسلمون) یعنی جمع کے صیغے میں بھی مناسب یہی تھا کہ واؤ کو یاء نہ بناتے؛ کیونکہ اس کا بھی حالت نصبی اور جری کے ساتھ التباس لازم آتا ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں الف کو اپنے حال پر اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ لغت مشہورہ اور فصیحہ والے خود کہتے ہیں کہ یاء متکلم سے قبل اگر الف آجائے تو ہمیں اس کے پڑھنے میں کوئی دقت اور مشکل پیش نہیں آتی، البتہ ھذیل والوں نے جو اسے یاء سے بدلا تھا وہ بھی صرف جواز کے درجے میں رکھ کر بدلا تھا ورنہ اولی صورت ان کے ہاں بھی اپنے حال پر رکھ کر پڑھنے کی ہے، برخلاف فیما نحن فیہ یعنی (مسلمون سے مسلميَّ) میں جو حذف

ہوا ہے تو یہ باتفاق علماء لغت عرب کے وجوبا ایسا ہوا ہے؛ اس لئے کہ ایک ہی کلمہ میں ایک ساتھ واؤ اور یاء کا جمع ہونا لازم آرہا تھا اور مزے کی بات یہ ہے کہ پہلا والا ساکن بھی تھا، تو ایسی صورت میں اگر چہ التباس کا خطرہ ہی کیوں نہ ہو پھر بھی واؤ کو یاء بنا کر یاء کو یاء میں مدغم کیا جائے گا جیسے (مسلمون سے مسلمیّ)۔

مذکورہ چاروں مسائل کا خلاصہ

مذکورہ چاروں مسائل کا خلاصہ یہ ہوا کہ ہر وہ اسم جس کی یاء متکلم کی طرف اضافت کی جائے تو اس کے آخر میں یا تو حرف صحیح ہوگا یا حرف علت ہوگا، اگر حرف صحیح ہو تو اسے کسرہ دے کر خود یاء متکلم کو ساکن یا فتح کے ساتھ پڑھنا جائز ہے، اور اگر اس کے آخر میں الف ہو تو اسے برقرار رکھ کر پڑھا جائے گا بخلاف قبیلہ ہذیل کے کہ وہ اسے یاء سے تبدیل کرتے ہیں، اور اگر یاء ہو تو اسے یاء متکلم میں مدغم کیا جائے گا اور اگر واؤ ہو تو اسے یاء بنا کر پھر یاء میں مدغم کیا جائے گا۔

درس (۹۷)

اسماء ستہ مکبرہ کی اضافت سے متعلق چھ اہم مسائل

وأما الأسماء الستة فأخي وأبي، وأجاز المبردُ أخِيَّ وأبِيَّ، وتقول: حمي وهني، ويقال: فِيَّ، في الأكثر وفمي، وإذا قُطعتْ قيل: أخٌ، وأبٌ، وحمٌ، وهنٌ، وفمٌ، وفتح الفاءِ أفصح منهما، وجاءَ حمٌ مثل يدٍ وخبءٍ ودلوٍ، وعصاً مطلقاً، وجاء هنٌ مثل يدٍ مطلقاً، وذو لا يُضاف إلى مضمرٍ، ولا يُقطع.

ترجمہ: اور رہے اسماء ستہ (جب یاء متکلم کی طرف مضاف ہوں تو انہیں یوں

پڑھا جائے گا) اُخی اور اُبی، اور امام مبرد نے جائز قرار دیا ہے (أخِيّ اور أبِيّ) پڑھنے کو، اور عورت کہے گی (حمی اور هنی)، اور کہا جاتا ہے (فِيّ) اکثر استعمال میں اور (فمی) کبھی کبھار، اور جب منقطع کیا جائے ان کو اضافت سے تو کہا جائے گا: (اخٌ، ابٌ، حمٌ، هنٌ اور فمٌ) اور فاء کا فتح ضمہ اور کسرہ سے زیادہ فصیح ہے، اور حمٌ آیا ہے یدٌ اور خبءٌ اور دلوٌ اور عصاً کی طرح بھی مطلقاً، اور هنٌ آیا ہے یدٌ کی طرح مطلقاً، اور ذو کی اضافت نہیں ہوتی ضمیر کی طرف اور نہ اسے اضافت سے منقطع کیا جاتا ہے۔

تشریح: آج کے درس میں اسماء ستہ مکبرہ کی اضافت سے متعلق چھ اہم مسائل اور آخر میں ایک اشکال اور اس کا جواب ذکر کیا جائے گا۔

پہلا مسئلہ: أبٌ اور أخٌ سے متعلق

وان الأسماء الستة فاخی وابی: فرماتے ہیں کہ اسماء ستہ مکبرہ میں سے (أبٌ اور أخٌ) کی اضافت جب یاء متکلم کی طرف ہو جائے تو جمہور نحاۃ کے ہاں ان کے اصل میں جو واؤ ہے اس کا اعتبار کئے بغیر (اخی اور ابی) کہا جائے گا۔

واجاز المبرد اخيّ وابيّ: امام مبرد فرماتے ہیں کہ پہلے ان کا اصل نکالیں گے جو کہ (اخو اور ابو) ہے پھر اس واؤ کو یاء سے تبدیل کر کے اس کو یاء متکلم میں مدغم کریں گے تو (اخيّ اور ابيّ) پڑھیں گے، لیکن صحیح تر قول جمہور کا ہے؛ کیونکہ ان کی دلیل وزنی ہے کہ کثرت استعمال تخفیف کا تقاضا کرتی ہے اور تخفیف حرف محذوف کے واپس نہ لانے میں ہے اس لئے کہ وہ تو نسیا منسیا حذف ہو چکا ہے۔

دوسرا مسئلہ: حمٌ اور هنٌ سے متعلق

دوسرا مسئلہ جو (حمٌ اور هنٌ) سے متعلق ہے، یہ اگرچہ اصل میں (حمو اور هنو) تھے لیکن اضافت الی یاء المتکلم کے وقت حرف محذوف واپس لائے بغیر بالاتفاق (حمی اور هنی) پڑھا جائے گا۔

یاد رہے کہ امام مبردؒ کا ان دو صیغوں میں بھی جمہور کے ساتھ وہی اختلاف ہے لیکن ماقبل والے دو صیغوں میں ان کا اختلاف زیادہ مشہور تھا اس لئے صاحب کتاب نے اس کو ذکر کیا اور یہاں عدم شہرت کی بنا پر اس کو چھوڑ دیا۔

تیسرا مسئلہ: فَمٌ سے متعلق

تیسرا مسئلہ (فَمٌ) سے متعلق ہے یہ اصل میں (فَوْهٌ) تھا ہاء کو نسیا منسیا حذف کیا تو (فوٌ) رہ گیا پھر واؤ کو بھی حذف کر کے اس کے عوض میں میم لے کر آ گئے تو (فَمٌ) بن گیا، اب جب یاء متکلم کی طرف اس کی اضافت کریں گے تو جمہور علماء نحو فرماتے ہیں کہ (فوهٌ) سے یاء نسیا منسیا حذف ہوئی تھی اسے واپس نہیں لائے گے لیکن واؤ کے بدلے چونکہ میم لایا گیا تھا اس لئے یہاں واؤ کو واپس لا کر اسے یاء میں تبدیل کر کے پھر یاء کو یائے متکلم میں مدغم کریں گے تو (فِيَّ) بن جائے گا، یہی مطلب ہے صاحب کتاب کے اس قول ویقال فِيَّ فی الأکثر کا۔

وفمي: کتاب میں اس کے نیچے نا کت صاحب نے لکھا ہے (فی بعضها) یعنی بعض علماء نحو کا مذہب یہ ہے کہ (فَمٌ) کے میم کو برقرار رکھ کر یاء متکلم کی طرف اس کی اضافت کریں گے، لہذا ان کے ہاں (فَمٌ) سے (فمي) پڑھا جائے گا، لیکن صحیح تر قول جمہور علماء نحو ہی کا ہے۔

چوتھا مسئلہ: اسماء ستہ مقطوع عن الاضافۃ سے متعلق

واذا قطعت قیل: اَخٌ و اَبٌ و حَمٌ و هَنٌ و فَمٌ: اس عبارت میں چوتھا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ جب اسماء ستہ مکبرہ میں سے مذکورہ پانچ اسماء کی اضافت ختم کر دی جائے تو مفرد منصرف صحیح، جاری مجرائے صحیح اور جمع مکسر کی طرح ان پر تینوں اعراب جاری ہوں گے جیسے حالت رفعی کی مثال (جاءنی اَخٌ واَبٌ وحَمٌ، وهذا هَنٌ، وهذا فَمٌ)، (وقس علیه حالة نصبها وجرها)۔

پانچواں مسئلہ: فمٌ حمٌ اور ھنٌ کی قرائتوں سے متعلق

وفتح الفاء أفصح منهما: یہاں سے لے کر مثل يد مطلقاتک اسماء ستہ میں سے تین یعنی (فمٌ، حمٌ اور ھنٌ) کی لغات اور قرائتوں سے متعلق مسئلہ بیان فرمارہے ہیں چنانچہ فرمایا کہ (وفتح الفاء أفصح منهما) اس عبارت کا تعلق کس کلمہ سے ہے؟ صاحب کتاب نے اگرچہ اس کی کوئی صراحت نہیں فرمائی لیکن شارحین کافیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کا تعلق (فمٌ) سے ہے، تو فرمایا کہ لفظ (فمٌ) میں تین لغات ہیں:

(۱) بفتح الفاء جیسے (فَمٌ)۔

(۲) بکسر الفاء جیسے (فِمٌ)۔

(۳) بضم الفاء جیسے (فُمٌ)۔

تین قسم کی لغات اس میں کیوں آئی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عین کلمہ کی مناسبت سے آئی ہیں مثلاً اس کے میم کو حذف کر کے واؤ کو واپس لا کر حالت رفعی میں ہم کہتے ہیں (ھذا فوک) تو واؤ کی وجہ سے فاء کلمہ پر ضمہ آیا، اور حالت نصبی میں کہتے ہیں: (رأیت فاک یا نظفت فاک) تو الف کی وجہ سے فاء کلمہ پر فتحہ آیا، اور حالت جری میں کہتے ہیں (وضعت اللقمة فی فیک) تو یاء کی وجہ فاء کلمہ پر کسرہ آیا، ایسے تو یہ تینوں لغتیں جائز ہیں لیکن صاحب کتاب فرماتے ہیں کہ (وفتح الفاء أفصح منهما) کہ فاء کلمہ کو فتحہ کے ساتھ پڑھنا اس کے ضمہ اور کسرہ سے زیادہ فصیح ہے، اس کی دو وجہیں بیان کی جاتی ہیں:

(۱) اس لئے کہ یہ اصل میں بھی مفتوح الفاء تھا؛ کیونکہ یہ اصل میں (فَوَہٌ) تھا تو اصل کا اعتبار کرتے ہوئے فتح کو فصیح قرار دیا گیا۔

(۲) اس لئے کہ فتحہ أخف الحرکات ہے۔

منهما: کی ضمیر کا مرجع اگرچہ عبارت میں مذکور نہیں ہے لیکن جب ہم نے فتحہ کو

ترجیح دی تو یہ بات خود بخود متعین ہوگئی کہ (منهما) کی ضمیر کا مرجع ضمہ اور کسرہ ہوگا؛ کیونکہ فتحہ ان دونوں کے مقابلے میں آتا ہے۔

وجاء حمٌ مثل يدٍ وخبءٍ ودلوٍ، وعصاً مطلقاً: حمٌ کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ اس میں چار قسم کے لغات ہیں:

(۱) مطلقا اس کو یـــــدٌ کی طرح پڑھا جائے یعنی یہ مضاف ہو یا نہ ہو دونوں حالتوں میں واؤ محذوفہ واپس نہیں آئی گی جیسے (جاء نی حمٌ وحمُک، ورأیت حمًا وحمَک، ومررت بحمٍ وحمِک)۔

(۲) خبأ کی طرح یعنی چاہے یہ مضاف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں یہ مہموز اللام پڑھا جائے جیسے (جاء نی حموٌ وحمئُک، ورأیت حمأً وحمئَک، ومررت بحمئٍ وحمئِک)۔

(۳) دلـوٌ کی طرح یعنی چاہے یہ مضاف ہو یا نہ ہو حرف محذوف کو واپس لاکر اس پر اعراب جاری کیا جائے جیسے (هـذا حـمـوٌ وحـمـوُکِ، ورأیت حموًا وحماکِ، ومررت بحموٍ وحمیک)۔

(۴) عـصا کی طرح یعنی چاہے یہ مضاف ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں اس کو تقدیری اعراب دیا جائے جیسے (هـذا حـمًا وحـماکِ، ورأیت حماً وحماکِ، ومررت بحمًا وحماکِ).

آخر میں جو مطلقا فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ چاروں صورتیں چاہے مضاف ہوں یا نہ ہوں ہر دو حالتوں میں ان کو مذکورہ طریقوں پر پڑھا جائے گا جیسا کہ ہم نے ہر صورت کو تشریح اور مثالوں کے ساتھ واضح کرلیا ہے۔

وجاء هنٌ مثل يدٍ: هنٌ کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ یہ یدٌ کی طرح ہے یعنی چاہے یہ مضاف ہو یا نہ ہو حرف محذوف کو واپس نہیں لایا جائے گا جیسے (هـذا هـنٌ وهـنُک، وغسلتُ هنًا وغسلتَ هنَک، واجتنبت عن هنٍ وهنِک) اس کے

آخر میں (مطلقا) کی قید لگائی ہے تو اس کا مطلب بھی وہی ہے جو ابھی میں بتایا گیا۔

چھٹا مسئلہ: کلمہ ذُوْ کے متعلق

وذو لا يُضاف إلى مضمر ولا يُقطع: صاحب کافیہ نے اس سے پہلے اسماء ستہ مکبرہ میں سے پانچ اسماء سے متعلق پانچ مسائل ذکر فرمائے، آخر میں (ذو) رہ گیا تھا یہ آخری مسئلہ اسی کے متعلق بیان فرمارہے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ (ذو) کی اضافت نہ تو کسی ضمیر کی طرف ہوتی ہے اور نہ یہ کبھی بغیر اضافت کے استعمال ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ ہمیشہ کے لئے صرف اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

صاحب کتاب نے اس قاعدے میں دو باتوں کی نفی فرمائی:

(۱) ذو کی اضافت اسم ضمیر کی طرف نہیں ہوگی۔

(۲) ذو بغیر اضافت کے کبھی مستعمل نہیں ہوگا، دونوں کی وجہ یہ ہے کہ (ذو) کی وضع صرف اس لئے ہوئی ہے کہ اس کے ذریعے اسم جنس کو نکرہ یا معرفہ کی صفت بنایا جائے جیسے (جاء نی رجلٌ ذو مال) اس میں نکرہ کے لئے اسم جنس کو صفت بنایا گیا ہے اور (جاء نی زید ذوالمال) میں معرفہ کے لئے اسم جنس کو صفت بنایا گیا ہے۔

اور اگر اس کی اضافت اسم ضمیر کی طرف کی جائے یا سرے سے بغیر اضافت کے استعمال کیا جائے تو خلاف وضع کا ارتکاب لازم آئے گا، اس لئے فرمایا کہ (وذو لا يُضاف إلى مضمر ولا يُقطع)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اشکال یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ (ذو) کی اضافت نہ تو اسم ضمیر کی طرف ہوگی اور نہ یہ بغیر اضافت کے کبھی استعمال ہوگا بلکہ اس کی اضافت صرف اسم جنس کی طرف ہی ہوگی حالانکہ ایک درود پاک میں وارد ہے (اللهم صل على محمّد وذويه) یعنی اے اللہ رحمتیں اور سلامتیاں نازل فرما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے اصحاب پر، تو یہاں

(ذو) اسم ضمیر کی طرف مضاف ہوا ہے اسی طرح ایک عربی کا شعر بھی ہے:

أهنأ المعروف ما لم يتبذل فيه الوجوه

إنما يعرف ذا الفضل من الناس ذووه

ترجمہ: زیادہ خوشگوار احسان وہ ہے جس میں احسان لینے والے لوگوں کے چہرے پرانے نہ ہوں یعنی ان کی بے حرمتی نہ ہو، اور صاحب فضل کو تو صرف صاحب فضل لوگ ہی جانتے ہیں، تو اس میں بھی (ذو) کی اضافت ضمیر کی طرف ہوئی ہے۔

اس کا مختصر جواب آپ نے ھدایۃ النحو میں پڑھا ہے کہ یہ اور اس جیسی مثالیں کہیں بھی ہوں وہ سب شاذ ہوں گی۔

واللہ تعالی أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل

قد تمت المجرورات بفضل اللّٰه تعالى وكرمه

۲۶ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ

بروز جمعرات

توابع

درس (۹۸)

تابع اول یعنی صفت کا بیان

التوابع: كل ثانٍ بإعراب سابقه من جهةٍ واحدةٍ، النعت: تابعٌ يدل على معنى في متبوعه مطلقا، وفائدته تخصيصٌ أو توضيحٌ، وقد يكون لمجرد الثناء أو الذم أو التوكيد، نحو: ﴿نفخةٌ واحدةٌ﴾.

ترجمہ: توابع ہر وہ دوسرا اسم ہے جو اپنے سابقہ اسم کے ساتھ اعراب میں موافق ہو ایک ہی جہت سے، صفت وہ تابع ہے جو دلالت کرے ایسے معنی پر جو اس کے متبوع میں پایا جائے مطلقا، اور اس کا فائدہ یا تخصیص ہوتا ہے یا توضیح، اور کبھی کبھار صفت محض تعریف یا مذمت یا تاکید کے لئے بھی ہوتی ہے جیسے ﴿نفخةٌ واحدةٌ﴾۔

تشریح: آج کے درس میں پانچ باتیں ہیں:

(۱) توابع کی تعریف۔ (۲) تعریف میں فوائد اور قیود۔

(۳) صفت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔

(۴) تعریف صفت میں فوائد اور قیود۔ (۵) صفت کے فوائد۔

تمہید: صاحب کافیہ جب معربات اصلیہ کو بیان فرما کر فارغ ہو چکے تو اب ان کے بعد معربات تبعیہ کو بیان فرما رہے ہیں مطلب یہ ہے کہ اسماء معربہ یعنی مرفوعات، منصوبات، اور مجرورات کے اعراب دو قسم پر ہیں، اعراب بالأصالة اور اعراب بالتبعیہ، اعراب بالأصالة کا مطلب یہ ہے کہ خود اسماء معربہ پر عامل رافع یا ناصب یا جار داخل ہو، اور اعراب بالتبعیہ کا مطلب یہ ہے کہ خود اسماء معربہ پر کوئی ایسا عامل داخل نہ ہو بلکہ ان سے پہلے جو اسم ہے اس پر داخل ہو پھر ان کا اعراب ان اسماء کے تابع ہو کر آجائے یعنی اگر پہلا والا مرفوع ہو تو یہ بھی مرفوع ہوگا اور اگر وہ منصوب ہو تو یہ بھی منصوب ہوگا اور اگر وہ مجرور

ہوتو یہ بھی مجرور ہوگا، ان سب میں پہلے والے کو متبوع اور دوسرے والے کو تابع کہتے ہیں۔

پہلی بات: توابع کی تعریف

كل ثان باعراب سابقه من جهة واحدة: اس عبارت میں صاحب کافیہ نے مطلق تابع کی تعریف بیان فرمائی ہے لیکن اس سے پہلے لفظ توابع کے متعلق یہ سمجھ لو کہ یہ (تابعٌ) کی جمع ہے؛ کیونکہ تابع ہونا اسماء کی صفت ہے اور اسماء کا مفرد (اسمٌ) یعنی مذکر کے صیغے کے ساتھ آتا ہے لھذا توابع کا مفرد بھی (تابعٌ) مذکر کے صیغے کے ساتھ آئے گا؛ تاکہ موصوف اور صفت میں مطابقت رہے۔

اگر کسی طالب علم کو اشکال ہو کہ توابع بروزن فواعل ہے اور فواعل کے وزن پر تو فاعلۃ کی جمع آتی ہے جیسے طالبۃٌ کی جمع طوالبُ اور صاحبۃ کی جمع صواحبُ، لھذا مناسب یہ تھا کہ یہ تابعٌ کے بجائے تابعۃٌ کی جمع ہوتی؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ بتایا گیا کہ یہ اسماء کی صفت ہے اور اسماء مذکر لا یعقل یعنی اسمٌ کی جمع ہے اور قاعدہ ہے کہ لایعقل کی صفت کی جمع فواعل کے وزن پر آسکتی ہے جیسے صواھل، طوالع، اور شواھق وغیرہ۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ تابع اگرچہ اپنے اصل وضع کے اعتبار سے وصف ہے لیکن نحویوں کی اصطلاح میں یہ منقول ہو کر اسم ذات ہوگیا ہے اور قاعدہ ہے کہ فاعل کے وزن پر جو اسم ذات ہو اس کی جمع فواعل کے وزن پر آتی ہے جیسے کاھلٌ کی جمع کواھل آتی ہے اس لئے تابعٌ کی جمع بھی توابع آئی ہے۔

اب تعریف یہ ہے کہ تابع کسی جملے میں موجود ہر وہ دوسرا اسم ہے جو پہلے اسم کے ساتھ ایک ہی جہت سے اعراب میں موافق ہو، مثلاً اگر پہلا اسم فاعلیت کی وجہ سے مرفوع ہو تو یہ بھی فاعلیت ہی کی وجہ سے مرفوع ہوگا جیسے (جاء نی زیدٌ العاقلُ) اس میں زید فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور العاقل جو دوسرا اسم ہے یہ بھی فاعل ہونے کی وجہ سے ہی

مرفوع ہے اور اگر پہلا اسم مفعولیت یا حرف جر کی وجہ سے منصوب یا مجرور ہو تو دوسرا اس بھی اسی مفعولیت کی وجہ سے ہی منصوب ہوگا جیسے ذرتُ رجلاً عالماً، اور اگر پہلا مجرور بحرف الجر یا مجرور بالمضاف ہو تو دوسرا بھی حرف جر یا اسی مضاف ہی کی وجہ سے مجرور ہوگا جیسے التقیتُ برجلٍ عالمٍ اور طالعت کتابَ رجلٍ عالمٍ۔

دوسری بات: تعریف میں فوائد اور قیود

التوابع کل ثان باعراب سابقه من جهة واحدة: اس عبارت میں التوابع معرَّف اور کل ثان سے آخر تک پوری عبارت اس کی تعریف ہے، تعریف میں کل ثان جنس ہے جو کہ ہر دوسرے اسم کو شامل ہے، (باعراب سابقه) یہ فصل اول ہے اس کے ذریعے إنَّ اور اس کی اخوات، کان اور اس کی اخوات کی خبریں، اسی طرح ما ولا مشابہ بلیس کی خبر خارج ہوگئیں؛ کیونکہ ان کا اعراب پہلے اسم والا نہیں ہوتا۔

من جهة واحدة: یہ فصل ثانی ہے اس کے ذریعے مبتدأ کی خبر اور باب علمت کا مفعول ثانی اور باب اعلمت کا مفعول ثالث خارج ہو گئے، کیونکہ یہ سارے اگرچہ اسم ثانی ہیں اور سابق کے اعراب کے ساتھ موافق ہیں لیکن جہت ایک نہیں ہے اس لئے کہ مبتدأ مسند الیہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتا ہے اور اس کی خبر مسند ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوتی ہے، اسی طرح باب علمت اور اعلمت کا مفعول اول محکوم علیہ ہونے کی وجہ منصوب ہوتا ہے اور ثانی محکوم بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔

تیسری بات: صفت کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

النعت تابع يدلُّ على معنى في متبوعه مطلقا: النعت باب فتح یفتح کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے تعریف کرنا، تعریف کرنے والے کو ناعت (بروزن فاعل) اور جس کی تعریف کی جائے اس کو منعوت (بروزن مفعول) کہتے ہیں۔

اور اصطلاح میں صفت وہ تابع ہے جو بغیر کسی مانع اور بغیر کسی قید کے ایسے معنی پر

دلالت کرے جو اس کے متبوع میں پایا جاتا ہو جیسے (جاء نی رجلٌ عالمٌ)، اس میں علم ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو زید میں پایا جا رہا ہے۔

صاحب کتاب نے تعریف میں مطلقا کی قید لگائی ہے اس کے ذریعے دیگر تمام توابع خارج ہو گئے؛ کیونکہ بعض توابع مثلا بدل تاکید اور معطوف اگرچہ ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں جو ان کے متبوع میں پائے جاتے ہیں لیکن یہ دلالت ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتی بلکہ بعض مادوں کے ساتھ خاص ہوتی ہے مثلا (أعجبنی زید علمه) میں علمه زیدٌ سے بدل واقع ہے اور یہ ایسے معنی پر دلالت کر رہا ہے جو زید میں پایا جاتا ہے، مگر یہ دلالت ہر حالت میں نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ اگر ہم علمه کے بجائے غلامه کہدیں تو اس وقت بدل کی دلالت متبوع پر نہیں ہوگی بخلاف صفت کے کہ وہ ہر حال اور ہر مادہ میں ایسے معنی پر دلالت کرتی ہے جو اس کے متبوع میں ہو۔

چوتھی بات: تعریف صفت میں فوائد و قیود

النعت تابعٌ یدلُّ علی معنی فی متبوعه مطلقا: اس عبارت میں النعت معرف ہے اور تابعٌ سے آخیر تک پوری عبارت اس کی تعریف ہے، پھر اس تعریف میں تابعٌ جنس ہے جو کہ تمام توابع اور کانَ وغیرہ کی خبروں کو شامل تھا، (یدل علی معنی فی متبوعه) فصل اول ہے اس کے ذریعے توابع کے علاوہ دیگر اسماء خارج ہو گئے، اور (مطلقاً) فصل ثانی ہے اس کے ذریعے صفت کے علاوہ دیگر تمام توابع خارج ہو گئے۔

پانچویں بات: صفت کے فوائد

وفائدته تخصیصٌ أو توضیحٌ.....: یہاں سے صاحب کافیہ صفت کے پانچ فائدے بیان فرما رہے ہیں۔

پہلا فائدہ: تخصیص بیان کرنا

تخصیصؔ: اگر موصوف اور صفت دونوں نکرہ ہوں تو صفت تخصیص کا فائدہ دے گی اور تخصیص تقلیل الاشتراک فی النکرات یعنی نکرہ کے افراد میں کمی کو کہتے ہیں جیسے (جاء نی رجلٌ عالمٌ) میں رجلٌ ہر فرد عالم و جاہل کو شامل تھا لیکن عالمٌ صفت کے آنے کی وجہ سے جاہل افراد نکل گئے تو اشتراک میں کمی آگئی۔

دوسرا فائدہ: موصوف کو واضح کرنا

توضیحؔ: یعنی اگر موصوف اور صفت دونوں معرفہ ہوں تو صفت موصوف کی وضاحت کرتی ہے اور توضیح دفع الإجمال فی المعارف یعنی معرفہ سے اجمال کے دور کرنے کو کہتے ہیں جیسے (جاء نی زید الفاضل)، یہاں زید میں پہلے اجمال تھا کہ کونسا زید مراد ہوگا تو الفاضل کہنے سے وہ اجمال دور ہوگیا۔

تیسرا فائدہ: تعریف بیان کرنا

وقد یکون لمجرد الثناء: فرماتے کہ کبھی کبھار صفت کسی کی محض مدح و ثناء بیان کرنے کے لئے بھی آتی ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب متکلم یا مخاطب کو پہلے سے معلوم ہو کہ موصوف فلاں صفت کے ساتھ متصف ہے جیسے ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ اس میں ﴿الرحمن اور الرحیم﴾ سے مقصود محض اللہ تعالی کی ثناء بیان کرنا ہے؛ کیونکہ یہ پہلے سے معلوم ہے اور ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالی کی ذات رحمٰن اور رحیم ہے۔

چوتھا فائدہ: مذمت بیان کرنا

أو الذم: جب موصوف کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ فلاں صفت کے ساتھ موصوف ہے تو ایسی صفت کے ساتھ موصوف کو متصف کرنا کبھی تو محض اس کی مدح ثناء کے لئے ہوتی ہے جیسا کہ گذر گیا اور کبھی اس کی مذمت کے لئے بھی ہوتی ہے جیسے ﴿اعوذ

بـالله من الشيطان الرجيم﴾ اس میں ﴿الرجیم﴾ صفت شیطان کی مذمت کے لئے لائی گئی ہے۔

پانچواں فائدہ: تاکید بیان کرنا

أو التـوكيـد: کبھی صفت محض تاکید کے لئے لائی جاتی ہے، یہ اس وقت ہوتا ہے جب موصوف خود بھی اس معنی پر دلالت کرتا ہو جو نعت کا معنی ہے جیسے ﴿فـاذا نـفخ في الصور نفخة واحدة﴾ اس میں ﴿واحدة، نفخة﴾ کی صفت ہے اور محض تاکید کے لئے لائی گئی ہے؛ کیونکہ ﴿واحـدة﴾ کا معنی بھی ایک ہے، اور ﴿نـفـخـة﴾ کی تاء وحدت سے بھی اس کا ایک ہونا معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ آپ حضرات نے علم الصیغہ میں بھی پڑھا ہے کہ (وفعلة للمرة) یعنی فعلة کا وزن ایک کی عدد کو بیان کرنے کے لئے آتا ہے اور نفخة بھی اسی فعلة کے وزن پر ہے۔ والله تعالى أعلم بالصواب وعنده علم كل شيء.

درس (۹۹)

کونسی چیزیں صفت بن سکتی ہیں اور کونسی نہیں

ولا فصل بين أن يكونَ مشتقًّا أو غيره إذا كان وضعُه لغرض المعنى عموماً، نحو: تميمي، وذي مالٍ، أو خصوصاً، مثل: مررتُ برجلٍ أيِّ رجلٍ، ومررتُ بهذا الرجل وبزيدٍ هذا، وتوصف النكرة بالجملة الخبرية، ويلزم الضمير، وتوصف بحال الموصوف وبحال متعلَّقه، نحو: مررت برجلٍ حسَنٍ غلامه، فالأول يتبعه في الإعراب، والتعريف والتنكير، والإفراد والتثنية والجمع، والتذكير والتأنيث.

ترجمہ: اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ صفت مشتق ہو یا غیر مشتق

بشرطیکہ اس کی وضع معنی کے غرض کے لئے ہو عام طور پر جیسے تمیمیؐ اور ذو مال یا خاص ہو جیسے (مررت برجل ای رجل و مررت بزید ھذا)، اور صفت بیان کی جاسکتی نکرہ کی جملہ خبریہ کے ساتھ لیکن ضمیر لازمی ہوگی، اور صفت بیان کی جاسکتی ہے موصوف کی حال کے ذریعے اور اس کے متعلق کے حال کے ذریعے جیسے (مررت برجل حسن غلامه)، پس پہلے والی متبوع کے تابع ہوگی اعراب میں اور معرفہ اور نکرہ ہونے میں، مفرد تثنیہ اور جمع ہونے میں، اور تذکیر اور تانیث میں۔

تشریح : آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) اسم مشتق وغیر مشتق کے ذریعے صفت لانا۔

(۲) جملہ خبریہ کے ذریعے نکرہ کی صفت لانا۔

(۳) حال اور اس کے متعلق کے ذریعے صفت لانا۔

پہلی بات: اسم مشتق وغیر مشتق کے ذریعے صفت لانا

ولا فصل بين اى يكون مشتقا... وبزيدٍ هذا: بعض علماء نحو فرماتے ہیں کہ صفت کے لئے اسم کا مشتق ہونا ضروری ہے اور اگر مشتق نہ ہو تو اس میں تاویل کر کے مشتق کے معنی میں لیا جائے گا پھر اس کے بعد اس کو صفت بنایا جائے گا، تو صاحب کتاب مذکورہ عبارت کے ذریعے ایسے علماء کے قول کو رد کر کے فرما رہے ہیں کہ صفت کے لئے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے بلکہ جس طرح اسم مشتق صفت بن سکتی ہے اسی طرح اسم غیر مشتق بھی بن سکتی ہے بشرطیکہ اس کی وضع ایسے معنی کے لئے ہو جو اس کے موصوف میں پایا جاتا ہو۔

پھر آگے صاحب کتاب نے لکھا ہے (عموما یعنی کبھی تو اس صفت میں عموم ہوتا ہے یعنی متبوع کے معنی پر اس کی دلالت ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے جیسے (تمیمیؐ اور ذو مال)، تمیمی کی دلالت ہمیشہ اس آدمی پر ہوتی ہے جس کا قبیلہ بنو تمیم سے تعلق ہو اور ذو مال کی دلالت

ہمیشہ اس آدمی پر ہوتی ہے جو مالدار ہو چاہے کوئی بھی ہو اور کسی بھی زمانے میں ہو۔

آگے فرماتے ہیں (أو خصوصا) اس کا عطف ماقبل کی عبارت (عــ وما) پر ہے پوری عبارت کا معنی یہ ہوگا کہ صفت کے لئے مشتق اور غیر مشتق ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے بشرطیکہ اس کی وضع ایسے معنی کے لئے ہو جو اس کے موصوف میں پایا جاتا ہو، چاہے ہمیشہ کے لئے اس میں پایا جائے یا عارضی طور پر جیسے (مــررت بــرجــل أي رجــل) اس میں (أي رجــل) کمال آدمیت پر دلالت کرتا ہے جو کہ ماقبل رجل کے لئے صفت بن رہی ہے حالانکہ (أي) ہمیشہ کمال کے معنی میں نہیں آتا صرف یہاں اس میں یہ معنی پایا جاتا ہے، اسی طرح (مررت بهذا الرجل) میں الرجل، هذا کے لئے صفت ہے؛ کیونکہ هذا اسم اشارہ ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات معین پر، اور ذات معین پر دلالت کرنا یہ ایسا معنی ہے جو اس کے متبوع یعنی هذا میں پایا جاتا ہے لهذا جب (إذا كان وضعه لغرض المعنى) والی شرط پائی گئی تو الرجل کو ماقبل یعنی هذا کے لئے صفت بنانا صحیح ہو گیا، اسی طرح (مررت بزيد هذا) میں بھی هذا اس معنی پر دلالت کر رہا ہے جو اس کے متبوع یعنی زید میں پایا جاتا ہے اس لئے هــــذا کو زید کے لئے صفت بنانا صحیح ہو گیا، حالانکہ الرجل اور هذا ہمیشہ صفت کے لئے نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ پہلی مثال میں تــمــيــمــيٌّ، دوسری میں ذو مــال، تیسری میں أي رجل، چوتھی میں الرجل، اور پانچویں میں هذا جو صفت بن رہے ہیں یہ سارے اسم مشتق نہ ہونے کے باوجود صفت بن رہے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ بعض علماء نحو کا قول صحیح نہیں ہے۔

دوسری بات: جملہ خبریہ کے ذریعے نکرہ کی صفت لانا

وتوصف النكرة بالجملة الخبرية: اس عبارت میں صاحب کافیہ صفت کے متعلق ایک مسئلہ بیان فرما رہے ہیں کہ موصوف اگر نکرہ ہو تو جس طرح اسم نکرہ مفردہ کی صورت میں اس کی صفت بن سکتی ہے، ایسے ہی جملہ خبریہ کی صورت میں بھی اس کی صفت لائی جا سکتی

ہے چاہے وہ جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ، لیکن اگر موصوف معرفہ ہو تو جملہ خبریہ اس کے لئے صفت نہیں بن سکتی؛ کیونکہ جملہ من حیث الجملہ معرفہ نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اس میں معرفہ کی کوئی علامت نہیں ہوتی، اس لئے اس کو نکرہ کے حکم میں لے کر نکرہ کے لئے صفت بنایا جا سکتا ہے، اس کے مقابلے میں اگر کوئی اسے معرفہ کے لئے صفت بنانا چاہے تو صحیح نہیں ہوگا؛ اس لئے کہ موصوف معرفہ ہوگا اور یہ نکرہ، حالانکہ موصوف اور صفت دونوں میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی جملہ انشائیہ کو اس کے لئے صفت بنانا چاہے تو بھی صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ صفت اس معنی پر دلالت کرتی ہے جو موصوف میں پہلے سے موجود ہو جبکہ جملہ انشائیہ تو ایجاد مالم یوجد کے لئے آتا ہے۔

ویلزم الضمیر: صاحب کافیہ نے مذکورہ مسئلہ کے لئے ایک شرط لگائی ہے کہ جب جملہ خبریہ کو آپ نے نکرہ کے لئے صفت بنانا ہو تو ضروری ہے کہ جملہ خبریہ میں کوئی ایسی ضمیر ہو جو ماقبل نکرہ موصوفہ کی طرف لوٹ رہی ہو، یہ شرط اس لئے لگائی کہ جملہ من حیث الجملہ مستقل کلام ہوتا ہے جس کا ماقبل اور مابعد سے ربط نہیں ہوا کرتا، برخلاف صفت کے کہ وہ اپنے موصوف کے ساتھ ربط رکھتی ہے تو یہاں شرط لگائی کہ کم از کم ایسے جملے میں ربط کے لئے ایک ضمیر کا ہونا ضروری ہے۔

تیسری بات: حال اور اس کے متعلق کے ذریعے صفت لانا

وتوصف بحال الموصوف وبحال متعلقه: اس عبارت میں صاحب کافیہ صفت کے متعلق ایک اور مسئلہ بیان فرما رہے ہیں لیکن اس سے پہلے یہ سمجھ لو کہ صفت کی دو قسمیں ہیں: صفت بحالہ اور صفت بحال متعلقہ۔

صفت بحالہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف کی ذات میں موجود ہو جیسے (جاء نی رجلٌ عالمٌ)، اس میں عالمٌ، رجلٌ کی صفت ہے اور علم کی صفت رجل کی ذات میں موجود ہے۔

صفت بحال متعلقہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف کے متعلق میں موجود ہو جیسے (جاء نی رجلٌ عالمٌ أبوہ) اس میں عالم، أبوہ کی صفت ہے جو رجل کے متعلق ہے۔

اس تمہید کے بعد مسئلہ بتا رہے ہیں کہ موصوف کی صفت مذکورہ دونوں قسموں کے ذریعے لائی جا سکتی ہے۔

پہلی قسم کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ (فالأول یتبعه في الإعراب...) یعنی صفت بحالہ کا اپنے موصوف کے ساتھ دس چیزوں میں مطابق ہونا ضروری ہے: اعراب میں، معرفہ نکرہ ہونے میں، مفرد تثنیہ اور جمع ہونے میں، اور مذکر مؤنث ہونے میں، ان میں سے بیک وقت چار کا پایا جانا ضروری ہوگا، یعنی رفع نصب جر میں سے ایک، اور معرفہ اور نکرہ میں سے ایک، اور افراد تثنیہ اور جمع میں سے ایک، اور تذکیر اور تانیث میں سے ایک جیسے جاء نی رجل عالم۔

درس (۱۰۰)

موصوف اور صفت کے متعلق چند اہم قواعد اور تفریعات

والثانی یتبعه فی الخمسة الأُوَل وفی البواقی کالفعل، ومن ثم حسُنَ قام رجلٌ قاعدٌ غلمانُه، وضعُفَ قاعدون غلمانُه، ویجوز قعودٌ غلمانُه.

ترجمه: اور دوسری والی اس کے تابع ہوگی پہلی پانچ چیزوں میں اور باقی میں فعل کی طرح ہوگی، اور اسی وجہ سے قام رجلٌ قاعدٌ غلمانه کی ترکیب حسن اور قاعدون غلمانه کی ضعیف ہے اور قعود غلمانه کی (صرف) جائز ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) صفت بحال متعلقہ کا حکم۔

(۲) صفت بحال متعلقہ کے بارے میں چند اہم قواعد۔

(۳) پہلے قاعدے پر تفریعات۔

پہلی بات: صفت کی قسم ثانی کا حکم

پچھلے درس میں ہم نے صفت کی پہلی قسم کے بارے میں پڑھا تھا یہاں دوسری قسم یعنی صفت بحال متعلقہ کے بارے میں فرمایا کہ **والثانی یتبعه فی الخمسة الأول** یعنی دوسری قسم جو صفت بحال متعلقہ ہے اس کی اپنے موصوف کے ساتھ پہلی پانچ چیزوں میں مطابقت ضروری ہے یعنی رفع نصب جر اور تعریف اور تنکیر میں، جب کہ بیک وقت ان میں سے صرف دو کا پایا جانا ضروری ہوگا: یعنی رفع نصب اور جر میں سے کوئی ایک، اور تعریف اور تنکیر میں سے کوئی ایک جیسے (**جاء نی غلامان عالمةٌ أمهما**) اس میں (**غلامان**) موصوف اور (**عالمةٌ**) اس کی صفت ہے، اس میں صرف دو چیزوں میں مطابقت پائی جا رہی ہے:

(۱) **غلامان** اور **عالمةٌ** دونوں مرفوع ہیں، (۲) دونوں نکرہ ہیں، اس کے علاوہ افراد تثنیہ جمع، اور تذکیر اور تانیث میں کوئی مطابقت نہیں ہے؛ کیونکہ **غلامان** تثنیہ اور **عالمةٌ** مفرد ہے، اسی طرح **غلامان** مذکر اور **عالمةٌ** مؤنث ہے۔

دوسری بات: صفت بحال متعلقہ کے متعلق چند اہم قواعد

وفی البواقی کالفعل: صاحب کافیہ فرما رہے ہیں کہ صفت بحال متعلقہ باقی پانچ چیزوں (افراد، تثنیہ، جمع اور تذکیر و تانیث) میں فعل کی طرح ہے، علامہ ابن حاجب کو اللہ تعالی نے صاحب الجوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے ناتے ایک بڑی مہارت یہ دی ہے کہ چند گنے چنے الفاظ میں بہت ساری چیزوں کی طرف اشارہ فرما دیتے

ہیں مثلا مذکورہ مختصری عبارت میں انہوں نے تین قواعد کی طرف اشارہ فرمایا ہیں:

(۱) جیسا کہ آپ حضرات نے نحو میر میں یہ قاعدہ پڑھا ہے کہ فاعل اگر اسم ظاہر کی صورت میں ہو تو فعل ہمیشہ مفرد لایا جائے گا چاہے فاعل مفرد تثنیہ اور جمع کی صورت میں کیوں نہ ہو جیسے (دخل التلامیذ فی الفصل)، اور صیغہ صفت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوگا یعنی اس کا فاعل اگر اسم ظاہر ہو تو صیغہ صفت ہمیشہ مفرد لایا جائے گا جیسے (مررت برجل قاعدٍ غلامہ) اور (مررت برجلین قاعد غلاماھما)، اور (مررت برجالٍ قاعدٍ غلمانھم)، دیکھئے ان سب مثالوں میں (قاعدٌ) صیغہ صفت کو مفرد لایا گیا ہے اگر چہ اس کا موصوف بدلتا رہا لیکن اس کا فاعل اسم ظاہر کی صورت میں موجود تھا اس لئے (صیغہ صفت) کو مفرد ہی لایا گیا ہے۔

(۲) اسی طرح آپ حضرات نے پڑھا ہے کہ فعل کا فاعل اگر مذکر ہو یا مؤنث حقیقی ہو لیکن دونوں کے درمیان کوئی فصل نہ ہو تو آپس میں مطابقت ضروری ہوگی یعنی فاعل اگر مذکر ہو تو فعل کو بھی مذکر لایا جائے گا جیسے (کتب الطالبُ درسَہ)، اور اگر فاعل مؤنث حقیقی ہو تو فعل کو بھی مؤنث لایا جائے گا جیسے (نظفت المرأۃ ثیابھا)، تو ایسے ہی صیغہ صفت کا فاعل اگر مذکر یا مؤنث حقیقی بلا فصل ہو تو مطابقت ضروری ہوگی جیسے مررت برجلٍ قاعدٍ غلامُہ، اور (مررت برجلٍ قائمۃٍ جاریتُہ)، یہاں صیغہ صفت کا فاعل (جاریتہ) مؤنث حقیقی بلا فصل ہے اس لئے (قائمۃ) کو مؤنث لایا گیا ہے۔

(۳) اگر فعل کا فاعل مؤنث غیر حقیقی ہو یا مؤنث حقیقی ہو لیکن اس کے اور فعل کے درمیان فصل ہو تو فعل کو مذکر اور مؤنث دونوں طرح لایا جاسکتا ہے جیسے (طلع الشمس اور طلعت الشمس)، اسی طرح (وصلت إلی المدرسۃ تلمیذۃٌ اور وصل إلی المدرسۃ تلمیذۃٌ)، لہذا یہاں صیغہ صفت میں بھی ایسا ہی ہوگا جیسے مؤنث غیر حقیقی مع الفصل کی مثال (مررت برجل قائم فی الدار جاریتہ یا قائمۃ فی الدار جاریتہ)۔

تیسری بات: پہلے قاعدے پر تفریعات

ومن ثم حَسُنَ قام رجلٌ قاعدٌ غلمانُه، وضعف قاعدون غلمانه ویجوز قعودٌ غلمانه: اس عبارت میں صاحب کافیہ نے مذکورہ قواعد میں سے پہلے قاعدے پر تین تفریعات پیش فرمائے ہیں:

پہلی تفریع

قام رجلٌ قاعدٌ غلمانه: فرمارہے ہیں کہ مذکورہ قاعدے کی روشنی میں یہ مثال بالکل صحیح ہے؛ کیونکہ (قاعدٌ) صیغہ صفت کا فاعل (غلمانه) اسم ظاہر کی صورت میں ہے تو قاعدے کی رُو سے (قاعدٌ) کو مفرد لایا گیا ہے۔

دوسری تفریع

وضعُف قاعدون غلمانُه: اس کی پوری عبارت یوں ہے (قام رجلٌ قاعدون غلمانه) اس کے بارے میں علامہ ابن حاجبؒ فرمارہے ہیں کہ اس طرح کہنا ضعیف ہے؛ کیونکہ (غلمانه) فاعل اسم ظاہر ہے اس کے باوجود صیغہ صفت جمع کے صیغے کے ساتھ لایا گیا ہے۔

فائدہ: ایسے موقع پر فعل اور صیغہ صفت کا مفرد لانا اس لئے ضروری ہے کہ تثنیہ اور جمع کی صورت میں فاعل میں تعدد آئے گا جیسے مثال مذکور (قاعدون غلمانه) میں (غلمانه) بھی فاعل ہے اور (قاعدون) میں واؤ بھی ضمیر فاعل ہوگا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں کسی طالب علم کو اشکال پیش آسکتا ہے کہ پہلا والا قاعدہ وجوبی تھا اور وجوب کی مخالفت کو عدم جواز سے تعبیر کیا جاتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ (قاعدون غلمانه) میں قاعدہ وجوبی کی مخالفت کے باوجود اور تعدد فاعل کے باوجود اس پر (لا یجوز یا

لایصح) کے بجائے (وضعف) کا حکم لگایا گیا، اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح کہنا جائز تو ہے لیکن صرف یہ کہ جواز میں کچھ نہ کچھ ضعف ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب کافیہ نے دوسرے علماء نحو کی رعایت کرتے ہوئے اس کو ضعیف قرار دے کرنا جائز نہیں کہا؛ کیونکہ علماء نحو کے اس میں کئی اقوال ہیں مثلاً:

(۱) بعض علماء نحو فرماتے ہیں کہ واؤ اور نون فاعل نہیں ہیں بلکہ یہ تو صرف جمع کی علامت ہے اور فاعل غلمانہ ہے۔

(۲) اور بعض فرماتے ہیں کہ (قاعدون) خبر مقدم ہے اور (غلمانہ) مبتداء مؤخر ہے۔

(۳) اور بعض کے ہاں واؤ اور نون مبدل منہ ہیں اور (غلمانہ) بدل، پھر بدل اور مبدل منہ دونوں مل کر (قاعدون) کے لئے ایک ہی فاعل ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ علماء فرماتے ہیں کہ مذکورہ قاعدہ کے خرابی کی علت تعدد فاعل ہے اور وہ یہاں ہے نہیں اس لئے یہ مثال صحیح ہوگی، لہٰذا صاحب کافیہ نے بھی ان کی رعایت کرتے ہوئے (وضعف) کہدیا۔

تیسری تفریع

ویجوز قعودٌ غلمانہ: اس کی پوری عبارت یوں ہوگی (قام رجلٌ قعودٌ غلمانہ) اس کے متعلق فرمارہے ہیں کہ یہ جائز ہے؛ کیونکہ (قعودٌ) جمع مکسر کا صیغہ ہے اور جمع مکسر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے، لیکن اس کو (حسن) سے اس لئے تعبیر نہیں کیا کہ یہ اگرچہ مفرد کے حکم میں ہے لیکن حقیقی مفرد تو پھر بھی نہیں ہے اس لئے صرف (یجوز) کہدیا۔

☆☆☆

درس (۱۰۱)

موصوف اور صفت سے متعلق اہم قواعد

والمضمر لايوصَف ولا يوصَف به، والموصوف أخص أو مساوٍ، ومن ثم لم يوصفْ ذو اللام إلا بمثله، أو بالمضاف إلى مثله، وإنما التُزِمَ وصف باب (هذا) بذی اللام للإبهام، ومن ثم ضَعُف مررت بهذا الأبيض، وحَسُنَ بهذا العالم.

ترجمہ: اور ضمیر نہ موصوف بن سکتی ہے اور نہ صفت، اور موصوف یا تو اخص ہوگا یا مساوی، اور اسی وجہ سے معرف باللام کی صفت نہیں لائی جاتی، مگر اس کی مثل کے ساتھ یا اس کی مثل کی طرف مضاف کے ساتھ اور یقیناً لازم قرار دیا گیا ہے اس جیسی مثالوں کی صفت معرف باللام کے ساتھ ابہام کی وجہ سے، اسی وجہ سے (مررت بهذا الأبيض) کی ترکیب ضعیف ہے اور (مررت بهذا العالم) کی حسن ہے۔

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) ضمیر کے ذریعے صفت لانا۔

(۲) موصوف اور صفت سے متعلق ایک قاعدہ اور تفریعات۔

(۳) اسم اشارہ کی صفت سے متعلق ایک قاعدہ اور تفریعات۔

پہلی بات: ضمیر کے ذریعے صفت لانا

والمضمر لايوصف ولايوصف به: اس عبارت میں ایک قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہ ضمیر نہ تو موصوف بن سکتی ہے اور نہ صفت؛ اس لئے کہ صفت یا تو تعریف کے لئے ہوتی ہے یا تخصیص کے لئے، اور ضمیر خود اعرف المعارف ہے اس کے لئے مزید نہ

توضیح کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ تعریف کی، لہذا ضمیر موصوف نہیں ہو سکتی۔

اور صفت بھی نہیں بن سکتی؛ اس لئے کہ اگلی عبارت میں یہ بات آرہی ہے کہ موصوف کا صفت سے اخص ہونا یا کم از کم اس کے ساتھ برابر ہونا ضروری ہے جبکہ تعریف اور تخصیص میں ضمیر سے زیادہ کسی چیز میں نہ تعریف ہے اور نہ تخصیص؛ کیونکہ ضمیر اعرف المعارف ہوتی ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ صفت وہ ہوتی ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو موصوف میں پائے جاتے ہوں اور ضمیر معنی کے بجائے براہ راست ذات پر دلالت کرتی ہے، لہذا ضمیر صفت بھی نہیں بن سکتی۔

دوسری بات: موصوف اور صفت سے متعلق ایک قاعدہ

والموصوف أخص أو مساوٍ: اس عبارت میں صاحب کافیہ نے اسم موصوف کا درجہ بیان فرمایا ہے کہ موصوف کے لئے ضروری ہے کہ تعریف اور تخصیص کے اعتبار سے اپنی صفت سے زیادہ اعرف اور اخص ہو یا یہ کہ کم از کم اس کے برابر ضرور ہو؛ کیونکہ صفت موصوف کے تابع ہوتی ہے اور متبوع ہمیشہ اپنے تابع سے اعلی ہوا کرتا ہے ورنہ فرع کی اصل پر فوقیت لازم آئیگی اور یہ صحیح نہیں ہے۔

مذکورہ قاعدے پر ایک تفریع

ومن ثم لم يوصف ذو اللام إلا بمثله أو بالمضاف إلى مثله: ماقبل والے اصول پر یہاں تفریع بیان کررہے ہیں، لیکن اس سے پہلے ایک بات سمجھ لو کہ معرفہ کی تمام قسموں میں اعرف المعارف ضمائر ہیں پھر اعلام اور ان کے بعد اسماء اشارات اور پھر اس کے بعد معرف باللام اور اسماء موصولات دونوں برابر ہیں۔

اب تفریع یہ ہے کہ موصوف اگر معرف باللام ہو تو اس کی صفت کا بھی اس کے مثل ہونا یا مثل کی طرف مضاف ہونا ضروری ہوگا، اس کی کل چار قسمیں بنتی ہیں:

(۱) موصوف کی طرح صفت بھی معرف باللام ہو جیسے جاء نی الرجل الفاضل۔

(۲) موصوف کی طرح خود تو معرف باللام نہ ہو لیکن دوسرے معرف باللام کی طرف مضاف ہو جیسے جاء نی الرجل صاحب الفرس یا صاحب القلم۔

(۳) اسماء موصولات میں سے کوئی اس کی صفت بنے جیسے جاء نی الرجل الذی کان عندک امس۔

(۴) اسماء موصولات میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہو جیسے جاء نی الرجل صاحب الذی فی الدار۔

الحاصل معرف باللام موصوف کی صفت کی صرف یہی چار صورتیں ہیں؛ کیونکہ اگر کسی اور صورت کے ذریعے اس کی صفت لائی جائیگی تو تابع کی متبوع پر فوقیت لازم آئے گی؛ کیونکہ معرفہ ہونے میں معرف باللام معرفہ کی تمام قسموں میں سے کمتر درجے کا معرفہ ہے ہاں! صرف اسماء موصولات اس کے برابر ہیں۔

تیسری بات: اسم اشارہ کی صفت سے متعلق ایک قاعدہ

وانما التزم وصف باب هذا بذی اللام للإبهام: صاحب کافیہ اس عبارت کے ذریعے ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس طرح معرف باللام کی صفت معرف باللام موصول اور مضاف الی معرف باللام والموصول لاسکتے ہے تو اسی طرح اسماء اشارات کی صفت بھی ان تمام صورتوں سے آنی چاہیے؛ کیونکہ یہ سب معرفہ ہونے میں اسماء اشارات سے کمتر ہیں حالانکہ اسماء اشارات کی صفت صرف معرف باللام کی صورت میں آسکتی ہے؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ ہم نے نحو میر میں پڑھا تھا کہ اسماء اشارات اور اسماء موصولات کو مبہمات بھی کہتے ہیں؛ اس لئے کہ ان میں جنس کا ابہام ہوتا ہے اور جنس

کے ابہام کو معرف باللام ہی ختم کرتا ہے؛ کیونکہ الف لام کی وضع ہی تعریف کے لئے ہوئی ہے، اس کے علاوہ وہ اسم جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو اس میں خود ابہام ہوتا ہے جو مضاف الیہ کے ذریعے دور کیا جاتا ہے تو جو اسم خود ابہام دور کرنے میں کسی اور کا محتاج ہو وہ دوسرے کا ابہام کیا دور کرے گا، البتہ اسم موصول اسم اشارہ کی صفت واقع ہوسکتی ہے جیسے (**مررت بهذا الذی أکرم**)۔

پھر سوال ہوسکتا ہے کہ اسماء اشارات کی صفت معرف باللام کی طرح جب اسم موصول بھی آسکتی ہے تو مصنفؒ نے اس کو کیوں ذکر نہیں کیا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب معرف باللام کا ذکر کیا تو اسم موصول اس میں خود بخود داخل ہوگیا؛ کیونکہ اسم موصول اور معرف باللام معرفہ ہونے میں برابر ہیں لہذا اگر ایک کو صفت بنایا جائے اور دوسرے کو نہ بنایا جائے تو یہ ترجیح بلامرجح ہوگی۔

مذکورہ قاعدے پر ایک تفریع

ومن ثم ضعف مررت بهذا الأبیض: اسم اشارہ کی صفت معرف باللام تب لائی جاسکتی ہے جب وہ اس سے ابہام دور کرسکے ورنہ نہیں، مثلا کوئی ایسا معرف باللام اسم ہو جو کسی ایک جنس کے ساتھ خاص نہ ہو تو وہ اسم اشارہ کے لئے صفت نہیں بن سکتی، اس اصول کو سامنے رکھ کر فرمارہے ہیں کہ (**مررت بهذا الأبیض**) کہنا ضعیف ہے؛ کیونکہ (**الأبیض**) نے (**هذا**) کے جنس سے ابہام دور نہیں کیا؛ اس لئے کہ (**الأبیض**) کسی جنس کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ کسی بھی جنس کے سفید فرد کو (**الأبیض**) کہا جاسکتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ جب (**الأبیض**) نے (**هذا**) سے ابہام دور نہیں کیا تو صاحب کافیہ (**لا یجوز یا لا یصح**) فرمادیتے (**ضَعُف**) کیوں فرمایا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ (**الأبیض**) نے اگرچہ من کل الوجوہ (**هذا**) سے ابہام دور نہیں کیا لیکن کچھ نہ کچھ تو ضرور کیا ہے وہ اس طرح کہ میرا مرور کسی کالے، سرخ، اور پیلے

کے پاس سے نہیں ہوا ہے بلکہ سفید کے پاس سے ہوا ہے، لہذا اس کا اعتبار کرتے ہوئے صاحب کتاب نے اس کو (وضعف) کہدیا۔

وحسن بهذا العالم: فرمارہے ہیں کہ (مررت بهذا العالم) کہنا بالکل صحیح ہے؛ کیونکہ یہاں (العالم) نے من کل الوجوہ ابہام دور کیا ہے؛ اس لئے کہ اس نے بات واضح کردی ہے کہ مشارالیہ انسان ہے اور انسانوں میں سے مرد ہے اور پھر مردوں میں سے بھی وہ عالم مراد ہے۔ (کمافی تقریرالکافیہ)۔

درس (۱۰۲)

دوسرے تابع: عطف بیان کا بیان

العطف: تابعٌ مقصودٌ بالنسبة مع متبوعه، ويتوسَّط بينه وبين متبوعه أحد الحروف العشرة، وسيأتي، مثل: قام زيدٌ وعمروٌ، وإذا عُطفَ على المرفوع المتصل أكّد بمنفصلٍ، مثل: ضربتُ أنا وزيدٌ، إلا أن يقع فصلٌ فيجوز تركه مثل: ضربتُ اليومَ وزيدٌ.

ترجمہ: عطف وہ تابع ہے جو مقصود بالنسبت ہو اپنے متبوع کے ساتھ، اور اس کے اور اس کے متبوع کے درمیان دس حروف میں سے کوئی حرف ہو اور عنقریب ان کا بیان آجائے گا جیسے (قام زيدٌ وعمروٌ)، اور جب عطف ڈالا جائے ضمیر مرفوع متصل پر تو اس کی تاکید لائی جائی گی ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ جیسے (ضربتُ انا وزيدٌ) مگر یہ کہ فاصلہ واقع ہو تو اس (تاکید) کا چھوڑنا جائز ہے جیسے (ضربتُ اليوم وزيدٌ).

تشریح: آج کے درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) عطف بیان کی تعریف۔ (۲) مذکورہ تعریف میں فوائد اور قیود۔

(۳) عطف بیان سے متعلق ایک اہم مسئلہ۔

پہلی بات: عطف بیان کی تعریف

العطف: تابعٌ مقصودٌ بالنسبة مع متبوعه: یعنی عطف بالحرف وہ تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبت ہو یعنی جس بات کی نسبت متبوع کی طرف ہو رہی ہو وہی نسبت تابع کی طرف بھی ہو رہی ہو، آگے صاحب کافیہ اس کے لئے ایک شرط بیان فرمارہے ہیں کہ (ویتوسط بینه وبین متبوعه أحد الحروف العشرة) یعنی عطف بالحرف کے جواز کے لئے ضروری ہے کہ اس کے درمیان اور اس کے متبوع کے درمیان دس حروف عاطفہ میں سے کوئی حرف موجود ہو جیسے (جاء نی زیدٌ وعمروٌ) دیکھئے اس میں زیدٌ متبوع ہے اور عمروٌ اس کا تابع ہے اور درمیان میں واؤ حرف عطف موجود ہے، اور جس طرح مقصود بالنسبت زید ہے بالکل ایسا ہی عمرو بھی ہے؛ کیونکہ متکلم کے پاس آنے کی نسبت جس طرح زید کی طرف ہو رہی ہے اسی طرح عمرو کی طرف بھی ہو رہی ہے، اس کے بعد صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ (وسیأتی) یعنی ان حروف عاطفہ کا تفصیلی بیان عن قریب حروف کے بحث میں آنے والا ہے۔

دوسری بات: مذکورہ تعریف میں فوائد وقیود

العطف تابعٌ مقصودٌ بالنسبة مع متبوعه: اس میں (العطف) معرف اور (تابعٌ) سے اخیر تک اس کی تعریف ہے، اور تعریف میں (تابعٌ) جنس ہے جو کہ تمام توابع کو شامل ہے، اور (مقصودٌ بالنسبة) فصل اول ہے اس کے ذریعے بدل کے علاوہ دیگر توابع یعنی صفت، تاکید، اور عطف بیان خارج ہو گئے؛ کیونکہ یہ تینوں مقصود بالنسبت نہیں ہوتے بلکہ مقصود بالنسبت ان میں صرف ان کا متبوع ہوا کرتا ہے، (مع متبوعه) فصل ثانی ہے اس کے ذریعے بدل بھی خارج ہو گیا؛ کیونکہ وہ اگرچہ خود متبوع بالنسبت ہوتا ہے لیکن اس کا متبوع مقصود بالنسبت نہیں ہوتا جیسے (جاء نی زیدٌ حمارٌ) اس میں مجیت کی نسبت صرف حمار کی طرف کی گئی ہے نہ کہ زید کی طرف۔

تیسری بات: عطف سے متعلق چند اہم مسائل

وإذا عُطف علی الضمیر المرفوع المتصل أکّد بمنفصل....: اس پوری عبارت میں صاحب کافیہ عطف سے متعلق چند اہم مسائل بیان فرمارہے ہیں جن میں سے پہلا تو آج پڑھ لیں گے اور باقی آیندہ درس میں انشاء اللہ:

پہلا مسئلہ: اسم ظاہر کا ضمیر مرفوع متصل پر عطف

وإذا عُطف علی الضمیر المرفوع المتصل أکّد بمنفصل: پہلا مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ جب ضمیر مرفوع متصل پر کسی اسم کا عطف کا ڈالنا ہو تو عطف سے پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ساتھ اس کی تاکید لانا ضروری ہوگا؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ ضمیر مرفوع متصل لفظاً اور معناً شدت اتصال کی وجہ سے ماقبل کلمہ کے ایک جزء کی طرح ہوتا ہے اور جزءِ کلمہ پر اسم ظاہر کا عطف جائز نہیں ہے ورنہ کلمہ مستقلہ کا جزءِ کلمہ پر عطف لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں ہے جیسے (ضربتُ أنا وزیدٌ)، جب منفصل کے ساتھ تاکید لائی گئی تو ظاہراً اس کی تاکید پر عطف ہوا جو کہ جزء کلمہ نہیں ہے اگر چہ حقیقتاً اسی ضمیر پر معطوف ہوا۔

اس کے مقابلے میں اگر ضمیر مرفوع منفصل پر عطف ڈالنا ہو یا ضمیر منصوب یا مجرور پر تو بغیر تاکید کے اس پر اسم ظاہر کا عطف ڈالا جاسکتا ہے جیسے (أنا قائمٌ وزیدٌ) اور (ضربتک وزیداً) اور (مررت بک وبزیدٍ)۔

إلّا أن یقع فصلٌ فیجوز ترکہ: فرماتے ہیں کہ اگر ضمیر مرفوع متصل پر اسم ظاہر کا عطف ڈالنا ہو تو اس کے لئے قاعدہ مذکورہ کی بناء پر ضمیر منفصل تاکید لانا لازمی ہے لیکن اگر معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان کوئی فصل ہو تو وہاں تاکید لانا گرچہ جائز تو ہے لیکن ضروری نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں فاصلہ تاکید کے قائم مقام ہو جائے گا جیسے (ضربتُ الیوم وزیدٌ) اور فرمان باری تعالیٰ میں بھی ہے ﴿ما أشرکنا ولا آبائنا﴾ یہاں ﴿آبائنا﴾ کا عطف ﴿ما أشرکنا﴾ کے ضمیر مرفوع متصل پر ہے لیکن درمیان میں

(لا) زائدہ کا فصل ہے اس لئے تاکید نہیں لائی گئی۔

صاحب کتاب کے اسلوب تعبیر یعنی (فیجوز ترکہ) سے معلوم ہورہا ہے کہ ایسے موقع پر تاکید لائی بھی جاسکتی ہے جیسے فرمان باری تعالی ہے ﴿فکبکبوا فیها هم والغاؤون﴾ اس میں ﴿فکبکبوا﴾ کے ضمیر مرفوع متصل پر ﴿الغاؤون﴾ کا عطف ڈالا گیا ہے، درمیان میں ﴿فیها﴾ کا فصل موجود ہے لیکن پھر بھی ﴿هم﴾ ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعے اس کی تاکید لائی گئی ہے، اسی طرح ﴿ما عبدنا من دونه من شیء نحن ولا آبائنا﴾ اس میں ﴿عبدنا﴾ کی ضمیر مرفوع متصل معطوف علیہ اور ﴿ولا آبائنا﴾ معطوف علیہ ہے درمیان میں ﴿من دونه من شیء﴾ کا اتنا بڑا فاصلہ بھی موجود ہے لیکن پھر بھی ﴿نحن﴾ ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعے اس کی تاکید لائی گئی ہے۔

درس (۱۰۳)

عطف بیان سے متعلق دوسرا تیسرا اور چوتھا مسئلہ

وإذا عُطف على الضمير المجرور أُعيدَ الخافضُ نحو: مررت بكَ وبزيدٍ، والمعطوف في حكم المعطوف عليه، ومن ثم لم يجز في ما زيدٌ بقائم أو قائماً ولا ذاهبٌ عمروٌ، إلا الرفعُ، وإنما جاز الذي يطير فيغضب زيدٌ الذبابُ؛ لأنها فاء السببية، وإذا عُطف على عاملين مختلفين لم يجز، خلافاً للفراء إلا في نحو: في الدار زيدٌ، والحجرة عمروٌ، خلافاً لسيبويه.

ترجمہ: اور جب ضمیر مجرور پر عطف کیا جائے تو جار دوبارہ لایا جائے گا جیسے (مررت بک وبزید)، اور معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اس لئے جائز نہیں ہے (ما زيدٌ بقائم أو قائماً ولا ذاهبٌ عمروٌ)، میں مگر رفع، اور بلاشبہ جائز

ہے(الذی یطیر فیغضب زیدُ الذبابُ)؛ کیونکہ فاء سببیت کے لئے ہےاور جب عطف کیا جائے دومختلف عاملوں پرتو جائز نہیں ہے، یہ بات امام فراء کے خلاف ہے، مگر (فی الدار زیدٌ اور الحجرۃ عمرو) جیسی ترکیبوں میں، یہ امام سیبویہ کے خلاف ہے۔

تشریح: آج کے درس میں عطف بیان کے متعلق دوسرا تیسرا چوتھا مسئلہ اور آخر میں تین مذاہب کا بیان ہوگا:

دوسرا مسئلہ: اسم ظاہر کا ضمیر مجرور پر عطف

وإذا عُطف علی الضمیر المجرور أعید الخافض: دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ اگر اسم ظاہر کا عطف ضمیر مجرور متصل پر ڈالنا ہوتو معطوف پر جار کا اعادہ لازمی ہوگا چاہے وہ جار حرف ہو جیسے (مررت بک وبزید) یا اسم مضاف ہو جیسے (المال بینی وبینک)، ایسی صورت میں جار کے اعادے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ چاہے جار اور مجرور ہوں یا مضاف اور مضاف الیہ، ان کا آپس میں شدت سے اتصال ہوتا ہے اور اسی شدت اتصال کی وجہ سے یہ گویا کہ کلمہ واحدہ ہو گیا اب اگر بغیر اعادہ جار کے مجرور پر عطف ڈالیں گے تو جزءِ کلمہ پر کلمہ مستقلہ کا عطف لازم آئے گا جو کہ نا جائز ہے۔

تیسرا مسئلہ: معطوف کے اعراب کا حکم

والمعطوف فی حکم المعطوف علیه: فرماتے ہیں کہ معطوف ہمیشہ کے لئے معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے یعنی جو چیز معطوف علیہ کے لئے جائز ہوگی وہی چیز معطوف کے لئے بھی جائز ہوگی اور جو چیز اس کے لئے ممنوع ہوگی وہی اس کے لئے بھی ممنوع اور نا جائز ہوگی جیسے (جاء زیدٌ وعمروٌ) اس میں زیدٌ پر فاعل ہونے کی وجہ سے رفع واجب اور نصب اور جر ممنوع ہیں بالکل اسی طرح عمروٌ پر بھی رفع واجب اور نصب اور جر ممنوع اور نا جائز ہیں، اسی طرح معطوف علیہ اگر کسی شیء کی صفت یا خبر ہو یا صلہ یا حال ہو تو معطوف بھی اسی شیء کی صفت، خبر، صلہ یا حال بنے گا:

صفت کی مثال (قام زیدٌ العالمُ والعاقل) اس مثال میں اول (العالم، زیدٌ) کی صفت ہے اور معطوف علیہ ہے، تو ثانی (العاقل) جوکہ معطوف ہے یہ بھی زیدٌ کی صفت ہوگی۔

خبر کی مثال (زیدٌ عاقلٌ وشاعرٌ) اس مثال (عاقلٌ) معطوف علیہ زیدٌ کی خبر بن رہا ہے اور (شاعرٌ) معطوف ہے (عاقلٌ) پر یہ بھی (عاقلٌ) کی طرح زیدٌ کی خبر واقع ہو رہا ہے۔

صلہ کی مثال (قام الذی صلّی وصامَ) اس مثال مین (صلی) معطوف علیہ ہے اور (الذی) کا صلہ ہے اور (صام) معطوف ہے (صلی) پر، اور یہ بھی (الذی) کا صلہ بن رہا ہے۔

اسی طرح حال کی مثال (جاء نی زیدٌ مشدوداً ومضروبا) اس مثال میں (مشدودا) معطوف علیہ ہے اور زیدٌ سے حال واقع ہو رہا ہے اور (مضروبا) معطوف ہے (مشدودا) پر اور یہ بھی حال بن رہا ہے، تو زیدٌ جس طرح (مشدودا) کا ذوالحال ہے اسی طرح (مضروبا) کا بھی ذوالحال ہے، **وقس علی المثال الأخیر قولَ الله سبحانه وتعالی: ﴿لتدخلن المسجد الحرام إن شاء الله آمنین محلقین رؤوسکم ومقصرین لا تخافون﴾**۔

مذکورہ مسئلہ پر ایک تفریع

ومن ثم لم یجز فی ما زیدٌ بقائم أو قائماً ولا ذاهبٌ عمروٌ إلا الرفع: صاحب کافیہ نے ماقبل والے اصول (یعنی معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے) پر مذکورہ عبارت کے ذریعے ایک تفریع پیش فرمائی ہے کہ (ما زیدٌ بقائمٍ ولا ذاهبٌ عمروٌ) یا (ما زیدٌ قائماً ولا ذاهبٌ عمروٌ) میں (ذاهبٌ) پر رفع پڑھنا جائز اور نصب اور جر دونوں ناجائز ہیں؛ اس لئے کہ اس کو اگر منصوب یا مجرور پڑھا جائے تو اس کا

عطف (بقائمٍ یا قائماً) پر ہوگا حالانکہ یہ دونوں صحیح نہیں ہیں؛ کیونکہ (بقائمٍ اور قائماً) دونوں میں (ھو) ضمیر فاعل موجود ہے جو زیدٌ کی طرف لوٹ رہی ہے لیکن (ذاھبٌ) میں کوئی ایسی ضمیر نہیں ہے جو زیدٌ کی طرف لوٹ رہی ہو؛ کیونکہ اس کا فاعل (عمروٌ) اسم ظاہر کی شکل میں موجود ہے، حالانکہ اگر معطوف علیہ میں ضمیر ہو تو معطوف میں بھی ضمیر کا ہونا ضروری ہے ورنہ دونوں میں مطابقت نہیں رہے گی اور (والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ) والا قاعدہ ٹوٹ جائے گا، تو اس لئے صاحب کافیہ فرمارہے ہیں کہ اس کو مجرور پڑھکر (بقائمٍ) پر یا منصوب پڑھکر (قائماً) پر اس کا عطف ناجائز ہے لہذا اس کو مرفوع پڑھ کر خبر مقدم بنادیں گے اور (عمروٌ) کو مبتداء مؤخر، مبتداء مؤخر خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر پورے جملے کا عطف جملے پر آجائے گا۔

ایک سوال مقدر کا جواب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے ماقبل والی مثال کو صرف اس لئے ناجائز ٹھہرایا کہ وہاں معطوف علیہ میں ضمیر عائد موجود تھی اور معطوف میں نہیں تھی حالانکہ (الذی یطیر فیغضب زیدٌ الذباب) میں (یغضب) کا عطف (یطیر) پر ہے حالانکہ (یطیر) میں ایک ضمیر ہے جو (الذی) اسم موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور (یغضب) میں کوئی ضمیر عائد نہیں ہے اور پھر بھی اہل عرب کے ہاں یہ ترکیب جائز ہے؟۔

صاحب کافیہ (وإنما جاز الذی یطیر فیغضب زید الذباب) سے اس کا جواب دے رہے ہیں کہ بھائی! یہ ترکیب جائز ہے اور وجہ یہ بتائی کہ (لأنھا فاء السببیة) یعنی (فیغضب) میں فاء عاطفہ نہیں ہے بلکہ سببیہ ہے، تو یہ ترکیب سبب اور مسبب کے قبیل سے ہے لہذا کوئی اشکال ہی نہیں رہا؛ کیونکہ اشکال وہاں ہوگا جہاں ترکیب معطوف اور معطوف علیہ کے قبیل سے ہو۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں فاء عطف اور سبب دونوں کے لئے ہے اور ضمیر چونکہ

ربط ہی کے لئے لائی جاتی ہے تو ربط یہاں پہلے سے موجود ہے؛ کیونکہ سبب اور مسبب کے درمیان ربط موجود ہوتا ہے تو ضمیر لانے کی ضرورت ہی نہیں رہی، لہذا مذکورہ مثال صحیح ہوگئی۔

چوتھا مسئلہ: ایک حرف عطف کے ذریعے دو عاملوں کے معمولوں پر عطف کرنا

وإذا عُطف علی عاملین مختلفین لم یجز: عطف سے متعلق صاحب کتاب آخری مسئلہ یہ بیان فرمارہے ہیں کہ آیا ایک حرف عطف کے ذریعے دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف ڈالنا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس میں صاحب کافیہ نے تین مذاہب کے حوالے سے بات فرمائی ہیں لیکن اس سے پہلے بطور تمہید کے ایک بات سمجھ لیں کہ (**فی الدار زیدٌ والحجرة عمروٌ**) سے ہر وہ ترکیب مراد ہے جہاں معطوف علیہ مجرور مقدم ہو اور اس کا مابعد مرفوع یا منصوب ہو، اور معطوف میں بھی ایسا ہی ہو، مذکورہ مثال مرفوع کی تھی اور منصوب کی مثال (**إن فی الدار زیداً والحجرة عمرواً**)، اس تمہید کے بعد اصل مسئلہ کی تفصیل اور اس میں اختلاف ملاحظہ ہو۔

پہلا مذہب جمہور علماء نحو کا

وإذا عطف علی عاملین مختلفین لم یجز... إلا فی نحو: فی الدار زیدٌ والحجرة عمرو: جمہور نحاۃ فرماتے ہیں کہ اس طرح عطف ڈالنا (**فی الدار زیدٌ والحجرة عمروٌ**) جیسی ترکیب کے علاوہ کہیں بھی جائز نہیں ہے اور اسی کو مصنف (**خلافاً للفراء**) سے آگے جو عبارت ہے (**إلا فی نحو فی الدار زیدٌ والحجرة عمروٌ**) میں بیان فرمایا ہے۔

دلیل ان کی یہ ہے کہ حرف عطف ضعیف قسم کا عامل ہے جو ایک عامل کا قائمقام تو بن سکتا ہے لیکن دو کا نہیں بن سکتا اور مذکورہ مثال میں اس لئے جائز ہے کہ وہ خلاف القیاس

عرب سے نقل ہو کر ہم تک پہنچی ہے، (اس طرح کی ترکیب عرب سے سنی گئی ہے)، فی الدار زیدٌ والحجرة عمرو میں باوجودیکہ ایک حرف عطف کے ذریعے دو مختلف عاملوں (یعنی فی اور ابتداء) کے دو معمولوں (الدار اور زیدٌ) پر دو اسموں (یعنی الحجرة اور عمروٌ) کا عطف ہو رہا ہے لیکن پھر بھی ان کے ہاں درست ہے؛ اس لئے اس میں ہم دخل اندازی نہیں کر سکتے۔

دوسرا مذہب امام فراء کا

خلافاً للفراء: امام فراء کے نزدیک اس طرح عطف ڈالنا مطلقاً جائز ہے، مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ چاہے مذکورہ مثال کی طرح کوئی ترکیب ہو یا اس کا غیر ہو ہر جگہ جائز ہے اپنے اس دعوی پر ان کے پاس دو دلیلیں ہیں۔

(۱) جب مثال مذکور میں تمام علماء نحو کے ہاں بالاتفاق جائز ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے دوسری تمام ترکیبوں میں بھی جائز ہوگی۔

(۲) جب ایک عامل کے معمول پر عطف ڈالنا صحیح ہے تو دو عاملوں کے معمول پر بھی صحیح ہوگا جیسے (ما کل سوداء تمرة و البیضاء شحمة) یعنی نہ تو ہر کالی چیز کھجور ہوتی ہے اور نہ ہر سفید چیز چربی ہوتی ہے، دیکھئے اس میں ایک عامل (ما مشابہ بلیس) ہے اور دوسرا عامل (کل) ہے جو کہ مضاف ہے اور (سوداء) معمول ہے اسی (کل) کا، (کل) مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر (ما مشابہ بلیس) کا اسم بنتا ہے، اور (تمرةً، ما) کا دوسرا معمول ہے؛ کیونکہ اس کے لئے یہ خبر بن رہی ہے، اب (بیضاء) کی عطف (سوداء) پر اور (شحمةً) کا عطف (تمرةً) پر ہوگا، تو امام فراء فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنا ہر جگہ جائز ہے۔

تیسرا مذہب امام سیبویہ کا

خلافاً لسیبویہ: امام سیبویہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس طرح عطف ڈالنا مطلقاً جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ حرف عطف عامل ضعیف ہونے کی وجہ سے دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔

اورفی الدار زید والحجرة عمرو کے متعلق فرماتے ہیں کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ بھی صحیح نہیں ہے لیکن اگر اس کو صحیح مان بھی لیں تو یہاں معطوف میں حرف جر تقدیرا ماننا پڑے گا جس کی تقدیری عبارت یہ ہوگی (فی الدار زید وفی الحجرة عمرو) تو یہ عطف الجملة علی الجملة کے قبیل سے ہوگا نہ کہ فیما نحن فیہ سے۔

صحیح تر مذہب اس میں جمہور علماء نحو کا ہے؛ اس لے کہ وہ افراط اور تفریط سے بھی خالی ہے اور صاحب کتاب نے بھی اس کو مقدم ذکر فرمایا ہے جس سے اس کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

درس (۱۰۴)

تیسرے تابع: تاکید کا بیان

التاکید تابعٌ یُقرّرُ امر المتبوع فی النسبة أو الشمول، وهو لفظیٌّ ومعنویٌّ، فاللفظی تکریر اللفظ الأول نحو: جاء نی زیدٌ زیدٌ، ویجری فی الألفاظ کلّها، والمعنوی بألفاظٍ محصورةٍ، وهی: نفسه وعینه وکلاهما وکلُّه وأجمع وأکتع وأبتع وأبصع، فالأولان یعمّان باختلاف صیغتهما وضمیرهما، تقول: نفسه ونفسها وأنفسهما وأنفسهم وأنفسهنّ، والثانی للمثنی، تقول: کلاهما وکلتاهما، والباقی لغیر المثنی باختلاف الضمیر فی کله وکلها وکلهم وکلهنّ، والصیغ فی البواقی، تقول: أجمع وجمعاء وأجمعون وجمع.

ترجمہ: تاکید وہ تابع ہے جو پختہ کرتا ہے متبوع کے حال کو نسبت میں یا شمول میں، اور وہ (تاکید) لفظی اور معنوی کی طرف تقسیم ہوتی ہے پس تاکید لفظی لفظ اول کو مکرر لانا ہے جیسے (جاء زیدٌ زیدٌ) اور جاری ہوتی ہے تمام الفاظ میں، اور تاکید معنوی الفاظ

محصورہ کے ساتھ مخصوص ہے وہ الفاظ (نفسٌ، عینٌ، کلاھما، کلہ، أجمع، أکتع، أبتع، اور أبصع) ہیں پس پہلے دو (نفسٌ، عینٌ) عام ہیں ان کے صیغوں اور ضمیروں کے بدلنے کے ساتھ جیسے تو کہے (نفسہ، نفسھا، اور أنفسھما اور أنفسھم اور أنفسھنّ)، اور دوسری قسم (کلاھما) تثنیہ کے لئے آتی ہے جیسے تو کہے (کلاھما اور کلتاھما) اور باقی غیر مثنی کے لئے آتے ہیں ضمیر کے بدلنے کے ساتھ (کلہ، کلھا، اور کلھم اور کلھن) میں، اور باقیوں میں صرف صیغوں کے بدلنے کے ساتھ جیسے تو کہے أجمع اور جمعاء اور أجمعون اور جُمَعُ۔

تشریح: بھائی آج کی عبارت تو کافی طویل ہوگئی ہے لیکن آپ پریشان نہ ہوں باتیں اس میں صرف چار ہی ہیں:

(۱) تاکید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔ (۲) تعریف میں فوائد اور قیود۔

(۳) تاکید کی اقسام۔ (۴) الفاظ تاکید اور ان کی تفصیل۔

پہلی بات: تاکید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

تاکید: أکّد یؤکّد تاکیداً باب تفعیل کا مصدر ہے اس کا لغوی معنی ہے التقریر والإثبات یعنی کسی چیز کو مضبوط اور پختہ کرنا، پختہ کرنے والے کو مؤکِّد اور جس چیز کو پختہ کیا جائے اسے مؤکَّد کہا جاتا ہے۔

اور اصطلاحی تعریف خود صاحب کتاب نے بیان فرمائی ہے کہ (التاکید تابعٌ یقرر أمرَ المتبوع في النسبة أو الشمول) یعنی تاکید وہ تابع ہے جو متبوع کا حال سامع کے سامنے پختہ اور مضبوط کردے نسبت میں یا شمول میں؛ تاکہ سننے والے کو کوئی شک نہ رہے، تفصیل اس کی یہ ہے کہ متبوع کی طرف جو چیز منسوب ہوئی ہو سامع کے ہاں اس میں مجاز یا سہو یا نسیان کا احتمال ہو تو تاکید آکر ایسے احتمال کو دور کردیتی ہے جیسے کوئی کہدے (جاءنی زیدٌ) اس میں یہ احتمال ہے کہ شاید متکلم کو سہو یا نسیان ہوگیا زید نہیں آیا ہوگا بلکہ کوئی اور آیا ہوگا لیکن جب اس کے ساتھ تاکید لگا کر یوں کہا (جاءنی زیدٌ زیدٌ) تو ایسے سارے

احتمالات ختم ہوگئے اور مخاطب کے سامنے یہ بات پختہ ہوگئی کہ آنے کی نسبت زید کی طرف حقیقی ہے کوئی مجازی نہیں، یہی مطلب ہے نسبت کا، اور شمول کا مطلب یہ ہے کہ تاکید یہ بتادے کہ جس حکم کی نسبت اس کے متبوع کی طرف ہورہی ہے وہ حکم اس متبوع کے تمام افراد کو شامل ہے، جیسے (جاء نی القوم کلھم) اس میں پہلے شک ہوسکتا تھا کہ پوری قوم نہیں آئی ہوگی لیکن کلھم کی تاکید لاکر یہ بتادیا کہ مجیئت کا حکم پوری قوم کو شامل ہے۔

دوسری بات: تعریف میں فوائد وقیود

التاکید تابعٌ یقرر أمر المتبوع في النسبة أو الشمول: اس میں التاکید معرف اور تابعٌ سے آخیر تک پوری اس کی تعریف ہے، اس میں تابع جنس ہے جو کہ سارے توابع کو شامل ہے۔

یقرر أمر المتبوع: یہ فصل اول ہے اس کے ذریعے عطف بالحرف اور بدل خارج ہوگئے؛ کیونکہ وہ دونوں متبوع کی حالت کو پختہ اور مضبوط نہیں کرتے۔

في النسبة: یہ فصل ثانی ہے اس کے ذریعے صفت اور عطف بیان بھی خارج ہوگئے؛ کیونکہ یہ دونوں اگر چہ امر متبوع کی تقریر کرتے ہیں لیکن (فیما نسب إلی المتبوع) کی تقریر نہیں کرتے بلکہ متبوع کی ذات کی تعیین اور توضیح کرتے ہیں۔

أو الشمول: یہ فصل ثالث ہے اس کو صرف اس لئے لائے تاکہ تاکید کی دوسری قسم کو بھی یہ تعریف شامل ہوجائے۔

تیسری بات: تاکید کی قسمیں

وھو لفظي ومعنوي: فرماتے ہیں کہ مؤکد کے اعتبار سے تاکید کی دو قسمیں ہیں: تاکید لفظی اور تاکید معنوی۔

فاللفظي تکریر اللفظ الأول: یعنی تاکید لفظی وہ تابع ہے جو لفظ اول کو مکرر لانے سے حاصل ہوتی ہو جیسے جاء ني زیدٌ زیدٌ.

تاکید لفظی کا حکم

ویجري في الألفاظ كلها: یعنی تاکید لفظی ہر قسم کے الفاظ میں جاری ہوتا ہے، محشی صاحب نے غایۃ التحقیق کے حوالے سے اس کی بڑی جامع تشریح فرمائی ہے: (أی:في الأسماء، والأفعال، والحروف، والجمل، والمركبات التقييدية وغيرها) یعنی تاکید لفظی میں لفظ کا تکرار ہوتا ہے اور وہ ہر لفظ میں جاری ہوتا ہے خواہ وہ لفظ حرف ہو جیسے (إنّ إنّ زيداً قائمٌ) یا فعل ہو جیسے (ضرب ضرب زيدٌ) یا اسم ہو جیسے (ضرب زيدٌ زيدٌ)، یا پورا جملہ ہو جیسے (زيدٌ قائمٌ زيدٌ قائمٌ) اور فرمان باری تعالی میں بھی ہے ﴿فإنّ مع العسر يسرًا إن مع العسر يسرًا﴾، اور دوسری جگہ ارشاد باری ہے ﴿كلا سوف تعلمون ثم كلا سوف تعلمون﴾، اور ایک جگہ فرمایا ﴿وما أدراك ما يوم الدين ثم ما أدراك ما يوم الدين﴾.

تاکید معنوی کا حکم

والمعنوي بالفاظ محصورة: تاکید معنوی جس چیز کے ساتھ حاصل ہوتی ہے اور جن چیزوں میں جاری ہوتی ہے اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ چند گنے چنے الفاظ ہیں: (نفسه، عينه، كلاهما، كله، أجمع، أكتع، أبتع، أبصع)۔

چوتھی بات: الفاظ تاکید کی تفصیل

مذکورہ الفاظ تاکید میں سے پہلے دو (نفسٌ اور عينٌ) کے متعلق فرما رہے ہیں کہ (فالأولان يعمان باختلاف صيغهما وضميرهما) یعنی پہلے دونوں عام ہیں مفرد تثنیہ جمع تذکیر اور تانیث سب کے لئے استعمال ہوتے رہیں گے اور ہر ایک کے لئے ان کے صیغے اور ضمائر بدلتے رہیں گے، مثلاً واحد مذکر کے لئے آپ کہیں گے (جاء ني زيد نفسه أو عينه) اور واحدہ مؤنثہ کے لئے کہیں گے (جاء تني هند نفسها أو

عینھا) اور تثنیہ مذکر ومؤنث میں کہیں گے (جاء نی زید وعمرو أنفسھما أو أعینھما، اور جاء تنی ھند وفاطمة أنفسھما أو أعینھما)۔

یاد رہے کہ یہاں تثنیہ میں صاحب کتاب نے اس (نفسٌ اور عینٌ) کو جمع کے صیغے (أنفس اور أعین) کے ساتھ ذکر فرمایا ہے؛ اس لئے کہ تثنیہ کو جمع کے ساتھ ملحق کر دیا ہے تو جو حکم ملحق بہ کو دیا وہی اس کو دیا، یا اس لئے کہ یہ بھی جمع ہے اور جمع کی اقل تعداد یہی دو ہوگی جیسا کہ فرمایا گیا ہے ((الإثنان فما فوقھما جماعةٌ))، اس کے علاوہ بعض عرب حضرات ان کو یوں استعمال کرتے ہیں (جاء نی زیدٌ وعمروٌ نفساھما وعیناھما) یعنی تثنیہ کے صیغے کے ساتھ، اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں رہے گا، لیکن صاحب حاشیہ فرماتے ہیں کہ پہلی والی صورت زیادہ اولی ہے۔

اور جمع مذکر کے لئے کہیں گے جائنی زید وعمرو وبکر أنفسھم وأعینھم، اور جمع مؤنث میں کہیں گے جاء تنی ھند وفاطمة وعائشة أنفسھنَّ وأعینھنَّ۔

والثانی للمثنی: صاحب کتاب نے الفاظ تاکید کے تین حصے بنائے ہیں: پہلے حصے میں دو الفاظ تھے جس کی تفصیل گذر گئی، اب دوسرے حصے (یعنی کلاھما اور اس کے مؤنث کلتاھما) کے متعلق فرمایا کہ یہ تثنیہ کے لئے استعمال ہوتے ہیں جیسے ما جاء نی الرجلان کلاھما اور جاء تنی المرأتان کلتاھما.

والباقی لغیر المثنی: مذکورہ تین کے علاوہ باقی جو پانچ رہ گئے ہیں ان کے متعلق فرمایا کہ یہ تثنیہ کے علاوہ کے لئے ہیں یعنی مفرد اور جمع کے لئے چاہے وہ مذکر ہوں یا مؤنث ان سب کے لئے استعمال ہوں گے، لیکن فرق ان میں یہ بتا رہے ہیں کہ (باختلاف الضمیر فی کله) یعنی ان پانچ میں سے جو لفظ کُلُّ ہے اس میں مؤکد کے اعتبار سے صرف ضمیر میں تبدیلی آئے گی باقی صیغہ وہی رہے گا جیسے واحد مذکر کی مثال (اشتریت العبد کلّه)، اور واحدہ مؤنث کی مثال (اشتریت الجاریة کلّھا)، اور تثنیہ

کے لئے تو بتادیا کہ نہیں آتا، جمع مذکر کی مثال (جاء نی القوم کلُّهم)، اور جمع مؤنث کی مثال (جاء تنی النساء کلُّهنَّ)۔

والصیغ فی البواقی: باقی جو چار (أجمع، أکتع، أبتع، أبصع) رہ گئے تھے ان کے بارے میں فرمارہے ہیں کہ ان میں مؤکد کے اعتبار سے صیغوں میں تبدیلی آئے گی اور ضمیر ان میں کوئی نہیں ہوگی، متن میں ان سب کی صرف ایک ایک مثال لکھی ہوئی ہے (أجمع، جمعاء، أجمعون اور جُمع) لیکن جیسا کہ صاحب حاشیہ نے سب کی مثالیں پوری وضاحت کے ساتھ لکھی ہیں وہ ملاحظہ ہوں:

واحد مذکر کی مثال اشتریت العبدَ کلَّه أجمع، أکتع، أبتع، أبصع۔

واحدہ مؤنثہ کی مثال اشتریت الجاریةَ کلَّها، جمعاء، کتعاء، بتعاء، بصعاء۔

جمع مذکر کی مثال جاء نی القومُ کلُّهم أجمعون، أکتعون، أبتعون، أبصعون۔

اور جمع مؤنث کی مثال جاء تنی النسوةُ کلُّهنَّ جُمع، کُتع، بُتع، بُصع۔

درس (۱۰۵)

الفاظ تاکید سے متعلق چند اہم فوائد

ولا یؤکد بکل وأجمع) إلا ذو أجزاء یصح افتراقها حسًّا أو حکمًا، مثل: أکرمت القومَ کلَّهم واشتریت العبد کلَّه، بخلاف جاء زیدٌ کلُّه، وإذا أُکِّد الضمیر المرفوع المتصل بالنفس والعین، أُکِّد بمنفصلٍ، مثل: ضربتَ أنتَ نفسُک، وأکتع وأخواه أتباعٌ لأجمع، فلا تتقدمُ علیه، وذکرها دونه ضعیفٌ.

ترجمہ: اور (کل اور أجمع) کے ساتھ تاکید نہیں لائی جاتی مگر ایسے ذو اجزاء کی جن کا افتراق حساً یا حکماً صحیح ہو جیسے (اکرمت القوم کلّھم اور اشتریت العبدَ کلّہ) بخلاف (جاء زیدٌ کلُّہ) کے، اور جب تاکید لائی جائے ضمیر مرفوع متصل کی (نفسٌ اور عینٌ) کے ساتھ تو اس (ضمیر متصل) کی تاکید منفصل کے ساتھ کی جائے گی جیسے (ضربتَ انتَ نفسک)، اور (أکتع) اور اس کے دونوں ہم مثل (ابتع، ابصع) دونوں (أجمع) کے تابع ہیں پس یہ اس (اجمع) پر مقدم نہیں ہو سکتے اور (اجمع) کے بغیر ان کا ذکر کرنا بھی ضعیف ہے۔

تشریح: بھائی! آج کے درس میں الفاظ تاکید سے متعلق تین اہم قواعد کا ذکر ہوگا:

پہلا قاعدہ: کلّ اور أجمع کے متعلق

ولا یؤکد بکل وأجمع إلا ذو أجزاء یصح افتراقھا حسًّا أو حکمًا:

فرمارہے ہیں کہ الفاظ تاکید میں سے کلُّ اور اجمع کے ذریعے صرف اس چیز کی تاکید لائی جاسکتی ہے جو حسی یا حکمی طور پر تقسیم قبول کرسکتا ہو جیسے حسی کی مثال (اکرمت القوم کلّھم اجمعین) دیکھئے قوم کی تقسیم ہوسکتی ہے اور اس کے افراد جدا جدا ہو سکتے ہیں مثلاً زید کا الگ اکرام کیا ہو بکر کا الگ اور عمرو کا الگ، اس لئے لفظ کلُّ کے ساتھ اس کی تاکید بیان فرمائی۔

اور حکمی کی مثال (اشتریت العبدَ کلّہ) یہاں غلام کے اجزاء مثلاً ہاتھ پیر وغیرہ کی تقسیم تو نہیں ہوسکتی البتہ غلام کی حکمی تقسیم ہوسکتی ہے وہ اس طرح کہ مثلاً غلام کا آدھا حصہ میں نے خریدا اور آدھا آپ لوگوں نے یا آدھا میں نے ابھی خریدا اور آدھا بعد میں، تو اس طرح ممکن ہے اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ (اشتریت العبد کله اجمع)۔

بخلاف جاء زیدٌ کلُّہ: صاحب کتاب فرمارہے ہیں کہ قاعدہ مذکورہ کی بناء پر جاء زیدٌ کلُّہ کہنا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ زید نہ تقسیم حسی کو قبول کرتا ہے اور نہ تقسیم حکمی کو۔

دوسرا قاعدہ: نفسٌ اور عینٌ کے متعلق

وإذا أكد الضمير المرفوع المتصل بالنفس والعين أكّد بمتصل: الفاظ تاکید میں سے نفس اور عین کے ذریعے جب ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لانی ہو تو ضروری ہے کہ پہلے اس کی تاکید ضمیر منفصل کے ساتھ لائی جائے جیسے (ضربتَ أنتَ نفسُک) یہاں (نفسُک) کے ذریعے (ضربتَ) میں تاء ضمیر مرفوع متصل کی تاکید لائی گئی ہے اس لئے کہ اس سے پہلے ضمیر مرفوع منفصل کے ذریعے اس کی تاکید لائی گئی ہے۔

مذکورہ شرط کی وجہ یہ ہے کہ لفظ نفس اور عین اکثر فاعل واقع ہوتے ہیں جیسے (زیدٌ ضرب نفسُہ) یعنی زید! اس کی ذات نے مارا، اور (عمروٌ جاء عینُہ) عمرو! اس کی ذات آئی، لہٰذا اگر ضمیر منفصل کے بغیر صرف نفس اور عین کے ذریعے اس کی تاکید لائی جائے تو بعض صورتوں میں تاکید کا فاعل کے ساتھ التباس لازم آئے گا جیسے (زیدٌ ضربني نفسُہ) میں معلوم نہیں ہوگا کہ نفسہ، ضربني کا فاعل ہے یا اس کی ضمیر فاعل کی تاکید ہے، اسی طرح (زیدٌ أکرمني نفسُہ) میں بھی یہی خرابی لازم آئے گی، لیکن اگر اس کی تاکید ضمیر منفصل سے لائی جائے مثلاً (زیدٌ ضربني ھو نفسُہ اور زیدٌ أکرمني ھو نفسُہ)، تو اب ان میں فاعل اور تاکید بالکل صاف صاف نظر آئیں گے کہ ھو ضمیر ضرب اور أکرم کا فاعل اور نفسہ اسی ضمیر فاعل کی تاکید ہے، اور بعض مثالیں اگرچہ ایسی ہیں جہاں التباس لازم نہیں آئے گا جیسے ضربت أنت نفسُک میں، لیکن ان میں بھی طرداً للباب ایسا کریں گے۔

مذکورہ قاعدہ میں فوائد اور قیود

وإذا أُكد الضميرُ المرفوعُ المتصلُ بالنفس والعين أكد بمنفصل:

(۱) پہلے اس میں الضمیر کا ذکر ہے لہٰذا ضمیر کے بجائے اگر اسم ظاہر کی تاکید لانی ہو تو

ضمیر منفصل کے ذریعے اس کی تاکید کی ضرورت نہیں ہوگی جیسے جاء زیدٌ کلُّہ۔

(۲) ضمیر کو المرفوع کے ساتھ مقید کیا ہے لہٰذا ضمیر مرفوع کے بجائے ضمیر منصوب یا مجرور ہو تو اس کے لئے بھی یہ حکم نہیں ہوگا جیسے ضربتکَ نفسک اور مررت بک نفسک۔

(۳) مرفوع کو المتصل کے ساتھ مقید فرمایا لہٰذا متصل کے بجائے اگر منفصل ہو تو اس کے لئے بھی یہ حکم نہیں ہوگا جیسے انت نفسک مسافر۔

(۴) الفاظ تاکید میں سے صرف نفس اور عین کا ذکر ہے لہٰذا اگر کسی اور لفظ سے تاکید لائی ہو تو بھی یہ حکم نہیں ہوگا جیسے جاء نی القوم کلھم اجمعون أکتعون۔ ان سب میں مذکورہ حکم اس لئے جاری نہیں ہوگا کہ ایسے موقعوں پر فاعل کا تاکید کے ساتھ التباس لازم نہیں آتا، لہٰذا جب لازم نہیں رہا تو ملزوم بھی نہیں رہے گا۔

تیسرا قاعدہ: اخوات أکتع کے متعلق

واخواہ أتباع لأجمع، فلا تتقدم علیہ، وذکرھا دونہ ضعیف:

اکتع اور اس کے دونوں اخوات یعنی ابتع اور ابصع یہ سب اجمع کے تابع ہیں لھٰذا یہ تینوں اجمع سے پہلے نہیں آسکتے؛ ورنہ تابع کا متبوع سے مقدم ہونا لازم آئے گا اور اجمع کو بغیر ان تینوں کے ذکر کرنا بھی ضعیف ہے؛ کیونکہ اس صورت میں متبوع کے بغیر صرف تابع کا ذکر لازم آئے گا۔

فائدہ: علامہ زمخشری اور ان کی اتباع میں صاحب کافیہ کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح اکتع اور اس کے اخوات اجمع پر مقدم نہیں ہو سکتے اسی طرح ابتع اور ابصع دونوں اکتع پر مقدم نہیں ہو سکتے اور اسی طرح ابصع ابتع پر مقدم نہیں ہو سکتا، چناچہ ان کو ایسا پڑھا جائے گا جاء القوم کلھم اجمعون واکتعون وابتعون وابصعون۔

اور بغدادیہ اور جزولی کے ہاں بھی یہی ترتیب لازم ہے فقط یہ کہ أبصع کو أبتع پر مقدم کرنا جائز ہے، اور علامہ ابن کیسانؒ فرماتے ہیں کہ أکتع اور اس کے اخوات تو اجمع پر مقدم نہیں ہو سکتے لیکن خود ان میں کوئی ترتیب لازم نہیں بلکہ جسے بھی چاہو تو اسے مقدم کر سکتے ہو۔

درس (۱۰۶)

چوتھے تابع: بدل کا بیان

البدل: تابعٌ مقصودٌ بما نُسب إلى المتبوع دُونه، وهو بدل الكل والبعض والاشتمال والغلط، فالأول: مدلوله مدلول الأول، والثاني: جزؤه، والثالث: بينه وبين الأول ملابسةٌ بغيرهما، والرابع: أن تقصد إليه بعد أن غلطتَ بغيره، ويكونان معرفتين ونكرتين ومختلفين، وإذا كان نكرةً من معرفةٍ فالنعت مثل: ﴿بالناصية، ناصية كاذبة﴾، ويكونان ظاهرين ومضمرين ومختلفين، ولايبدل ظاهرٌ من مضمر بدل الكل إلا من الغائب نحو: ضربته زيداً.

ترجمہ: بدل وہ تابع ہے جو ایسی چیز کے ساتھ مقصود ہو جس کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہو نہ کہ خود متبوع، اور وہ بدل الکل ہے اور بدل البعض ہے اور بدل الاشتمال ہے اور بدل الغلط ہے پس پہلا والا وہ ہے جس کا مدلول پہلے والے کا مدلول ہو، اور دوسرا وہ ہے جو پہلے والے کا جزء ہو اور تیسرا وہ ہے کہ اس کے اور اس کے متبوع کے درمیان ایک قسم کا تعلق ہو (مذکورہ) دونوں کے علاوہ، اور چوتھا وہ ہے کہ آپ پھر جاؤ اس کی طرف بعد اس کے کہ آپ نے اس کے غیر کے ساتھ غلطی کی ہو، اور وہ دونوں معرفہ ہوتے ہیں اور دونوں نکرہ ہوتے ہیں اور مختلف بھی ہوتے ہیں اور جب بدل نکرہ ہو معرفہ سے تو بدل کے ساتھ

صفت لانا ضروری ہوگا جیسے ﴿بالناصية، ناصية كاذبة﴾ اور دونوں اسم ظاہر ہوں گے اور دونوں ضمیر ہوں گے اور دونوں مختلف ہوں گے، اور بدل نہیں بن سکتا بدل الکل کے طور پر اسم ظاہر اسم ضمیر سے مگر ضمیر غائب سے جیسے (ضربته زيداً)۔

تشریح: آج کے درس میں چار باتیں ہیں بھائی:

(۱) بدل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف۔ (۲) تعریف میں فوائد وقیود۔

(۳) بدل کی قسمیں۔ (۴) بدل اور مبدل منہ سے متعلق ضروری مسائل۔

پہلی بات: بدل کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

توابع میں سے چوتھا تابع بدل ہے اس کے لغوی معنی ہیں عوض اور مقابل، اور اس کے متبوع کو مبدل منہ کہتے ہیں۔

اور اصطلاحی تعریف خود صاحب کافیہ کر رہے ہیں کہ (البدل تابعٌ مقصودٌ بما نسب إلى المتبوع دونه) یعنی بدل وہ تابع ہے کہ جس حکم کی نسبت متبوع کی طرف کی گئی ہو اسی حکم کی نسبت اس کے تابع کی طرف بھی کی گئی ہو لیکن مقصود بالنسبت صرف یہی تابع ہو نہ کہ متبوع جیسے (جاء ني زيدٌ أخوك) اس میں زید مبدل منہ ہے اور اخوک اس سے بدل واقع ہے، اور زید کی طرف جو مجیئت کی نسبت کی گئی ہے وہی اس کے تابع اخوک کی طرف بھی کی گئی ہے اور مقصود اسی اخوک کی طرف نسبت کرنا ہے لفظ زید صرف تمہیداً لایا گیا ہے۔

دوسری بات: تعریف میں فوائد وقیود

البدل تابعٌ مقصودٌ بما نسب إلى المتبوع دونه: اس عبارت میں البدل معرف ہے اور تابعٌ سے آخر تک اس کی تعریف ہے، تعریف میں تابعٌ جنس کے درجے میں ہے جو تمام توابع کو شامل ہے۔

مقصود بالنسبة إلى المتبوع: یہ فصل اول ہے ۱۲ اس کے ذریعے عطف، ۱۰۱، تاکید اور

صفت خارج ہو گئے؛ کیونکہ ان سب میں مقصود بالنسبت متبوع ہوتا ہے نہ کہ تابع۔

دونــــه: یہ فصل ثانی ہے اس کے ذریعے عطف بالحرف خارج ہو گیا؛ کیونکہ اس میں مقصود بالنسبت تابع اور متبوع دونوں ہوتے ہیں۔

تیسری بات: بدل کی قسمیں

وهو بدل الكل والبعض والاشتمال والغلط: صاحب کافیہ فرما رہے ہیں کہ بدل کی چار قسمیں ہیں: (۱) بدل الکل۔ (۲) بدل البعض۔ (۳) بدل الاشتمال۔ (۴) بدل الغلط، پھر آگے ہر ایک کی تعریف بیان فرمائی ہے۔

الأول بدل الكل

فالأول: مدلوله مدلول الأول: یعنی بدل الکل وہ تابع ہے کہ اس کا اور مبدل منہ کا مدلول ایک ہو جیسے (جاء نی زید أخوک) اس میں زیدٌ مبدل منہ ہے اور أخوک اس سے بدل بن رہا ہے اور دونوں ایک ہی چیز یعنی ذات زید پر دلالت کر رہے ہیں۔

الثاني بدل البعض

الثاني: جزء ه: صاحب کافیہ کا کمال اور اپنے خزانہ الفاظ میں سے الفاظ کے خرچ کرنے میں احتیاط دیکھئے کہ اس مختصری عبارت میں بدل البعض کی تعریف کر گئے، فرمایا کہ بدل البعض وہ تابع ہے جس کا مدلول مبدل منہ کے مدلول کا ایک جزء اور حصہ ہو جیسے (ضُرب زیدٌ راسُه) مارا گیا زید یعنی سر اس کا، اس میں زید مبدل منہ اور راسُه بدل ہے اور پورے زید کا ایک جزء اور حصہ ہے۔

الثالث بدل الاشتمال

الثالث: بينه وبين الأول ملابسة بغيرهما: یعنی بدل الاشتمال وہ تابع ہے کہ اس کے اس کے مبدل منہ کے درمیان پہلی دو قسموں کے مابین جو کلیت اور بعضیت کا

تعلق تھا اس کے علاوہ کوئی اور تعلق ہو جیسے (سُلب زیدٌ ثوبُه)، دیکھئے ثوبٌ نہ تو زید کا کل ہے اور نہ جزء بلکہ ان کے علاوہ ایک خارجی تعلق اور لگاؤ دونوں کے درمیان میں ہے اسی طرح فرمان باری تعالی ہے ﴿یسئلونک عن الشهر الحرام قتال فیه﴾ اس میں ﴿الشهر الحرام﴾ موصوف صفت مل کر مبدل منہ ہے اور ﴿قتال فیه﴾ اس سے بدل بن رہا ہے، اور ﴿قتال﴾ نہ تو ﴿الشهر الحرام﴾ کا کل ہے اور نہ جزء بلکہ اس کے علاوہ ایک خارجی تعلق دونوں کے درمیان میں ہے اور وہ ہے ظرف اور مظروف کا تعلق۔

الرابع بدل الغلط

الرابع: أن تقصد إليه بعد أن غلطت بغيره: یعنی بدل الغلط وہ تابع ہے کہ مبدل منہ کو غلط ذکر کرنے کے بعد اس کا قصد کیا جائے جیسے مررت برجل حمارٍ، یہاں متکلم (مررت بحمار) کہنا چاہ رہا تھا مگر غلطی اور سبقت لسانی کی وجہ سے اس کے منہ سے رجلٌ نکل گیا پھر فوراً (حمارٍ) کہہ کر اس غلطی کا تدارک کیا۔

فائدہ: بدل الغلط کی تعریف کرتے ہوئے صاحب کتاب نے (أن تقصد إليه بعد أن غلطت بغيره) کہا اور اس کے بجائے (بعد أن غلطت بالمبدل یا بالمتبوع) نہیں کہا؛ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہ پہلا والا اسم دوسرے والے کے لئے حقیقت میں کوئی متبوع نہیں ہے بلکہ سبقت لسانی کی وجہ سے اس پر تکلم ہو گیا اور جو عامل بعد والے اسم پر داخل کرنا تھا وہ اسی پہلے والے پر داخل ہو گیا۔

چوتھی بات بدل اور مبدل منہ سے متعلق ضروری مسائل

پہلا قاعدہ: بدل اور مبدل منہ کا معرفہ یا نکرہ ہونا

ویکونان معرفتین ونکرتین ومختلفین: اس عبارت میں صاحب کتاب نے بدل اور مبدل منہ کی تعریف اور تنکیر کے اعتبار سے ایک قاعدہ بیان فرمایا ہیں کہ بدل اور

مبدل منہ دونوں کے لئے کوئی مطابقت شرط نہیں ہے بلکہ دونوں معرفہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے (ضرب زیدٌ اخوک)، اور دونوں نکرہ بھی ہو سکتے ہیں جیسے (جاء نی رجل غلامٌ لزید)، اور ایک دوسرے کے مغائر اور مخالف بھی ہو سکتے ہیں کہ پہلا معرفہ اور دوسرا نکرہ ہو جیسے ﴿بالناصیة، ناصیة کاذبة خاطئة﴾، یا پہلا نکرہ اور دوسرا معرفہ ہو جیسے (جاء نی رجل غلام زید)۔

فائدہ ۱: صاحب تقریر کافیہ نے لکھا ہے اور محشی صاحب نے حاشیہ میں بھی لکھا ہے کہ تعریف اور تنکیر کے اعتبار سے بدل کی کل ۱۶ سولہ قسمیں بنتی ہیں جیسے مذکورہ چار قسمیں ہیں یہ چاروں قسمیں بدل کی چاروں قسموں میں جاری ہوتی ہیں لہٰذا چار کو چار سے ضرب دینے سے کل سولہ صورتیں بن جائے گی سب کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

بدل الکل کی مثالیں

بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں جیسے جاء نی زیدٌ أخوک۔

بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہوں جیسے جاء نی رجلٌ غلامٌ لزید۔

بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو جیسے جاء نی زیدٌ غلامٌ لہ۔

بدل معرفہ اور مبدل منہ نکرہ ہو جیسے جاء نی رجلٌ غلام زید۔

بدل البعض کی مثالیں

بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں جیسے سُلب زید راسہ۔

بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہوں جیسے سُلب رجلٌ راس لہ۔

بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو جیسے سُلب زیدٌ راسٌ لہ۔

بدل معرفہ اور مبدل منہ نکرہ ہو جیسے سُلب رجلٌ راسہ۔

بدل الاشتمال کی مثالیں

بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں جیسے اعجبنی زیدٌ علمہ۔

بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہوں جیسے اعجبنی رجلٌ راسٌ لہ۔

بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو جیسے اعجبنی زیدٌ علمٌ لہ۔

بدل معرفہ اور مبدل منہ نکرہ ہو جیسے اعجبنی رجلٌ علمہ۔

بدل الغلط کی مثالیں

بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں جیسے جاء نی زیدٌ الحمار۔

بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہوں جیسے جاء نی رجلٌ حمارٌ لہ۔

بدل نکرہ اور مبدل منہ معرفہ ہو جیسے جاء نی زیدٌ حمارٌ لہ۔

بدل معرفہ اور مبدل منہ نکرہ ہو جیسے جاء نی رجلٌ حمارہ۔

فائدہ ۲: بدل الکل کی دوسری مثال جس میں بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہیں تو اس میں غلام پر جو تنوین ہے یہ غلام اس کی وجہ سے نکرہ ہے آپ ایسا نہ سمجھیں کہ زید کی طرف اضافت کی وجہ سے غلام معرفہ بنا ہے اس لئے زیدٌ پر لام بھی داخل کیا ہے؛ کیونکہ یہاں اضافت نہیں۔ (کمافی تقریر الکافیہ ج ا ص ۲۶۲)۔

دوسرا قاعدہ: نکرہ کا معرفہ سے بدل واقع ہونا

واذا کان نکرۃ من معرفۃ فالنعت: لگتا ہے علامہ ابن حاجب کو کافیہ لکھتے وقت ہی موت کی گھنٹیاں بجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں اس لئے بالکل شاٹ کٹ الفاظ میں تعریفات، مسائل اور قواعد وغیرہ بتا رہے ہیں تا کہ کوئی چیز رہ نہ جائے، تو یہاں بھی ایک اہم قاعدہ مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی اسم نکرہ اسم معرفہ سے بدل واقع ہو رہا ہو تو اسم نکرہ میں کچھ نہ کچھ تخصیص پیدا کرنے کے لئے صفت لانا ضروری ہوگا؛ اس لئے کہ مق[illegible]

بالنسبت یہاں بدل ہوتا ہے اور مقصودی چیز کا درجہ غیر مقصودی چیز کے مقابلے میں اعلی ہونا چاہئے، اور یہاں مبدل منہ معرفہ ہوکر اعلی ہے اور بدل نکرہ ہوکر ادنی ہے اس لئے اس کے ساتھ صفت لاکر تخصیص پیدا کریں گے تاکہ نکارت کی وجہ سے ادنی اور انقص ہونے کا کچھ نہ کچھ حصہ زائل ہوجائے جیسے ﴿لنسفعاً بالناصية ناصية كاذبة خاطئة﴾ یعنی ہم گھسیٹیں گے اس کی پیشانی کو، تو سوال پیدا ہوسکتا تھا کہ کونسی پیشانی؟ تو فرمایا کہ ﴿ناصية كاذبة خاطئة﴾ یعنی وہ کوئی عام پیشانی نہیں ہے بلکہ جھوٹی اور خطا کار پیشانی ہے اس کو گھسیٹیں گے۔

تیسرا قاعدہ: بدل اور مبدل منہ اسم ظاہر اور اسم ضمیر کی صورت میں آنا

ويكونان ظاهرين ومضمرين ومختلفين: اس عبارت میں صاحب کتاب نے بدل اور مبدل منہ کے اسم ظاہر اور اسم ضمیر کے اعتبار سے ایک قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ اس کے لئے بھی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ دونوں اسم ضمیر بھی ہوسکتے ہیں جیسے (زيد ضربته إياه)، اور ایک دوسرے کے مغائر بھی ہوسکتے ہیں کہ پہلا اسم ظاہر اور دوسرا اسم ضمیر ہو جیسے (ضربتُ زيداً إياه)، یا اس کے برعکس ہو جیسے (زيد ضربته أخاك)۔

فائدہ: جس طرح پہلے قاعدے میں کل سولہ صورتیں بنائی تھیں بالکل اسی طرح یہاں بھی سولہ صورتیں بن رہی ہیں جو مثالوں سمیت اصل کتاب کے حاشیہ میں لکھی ہوئی ہیں وہاں ملاحظہ ہوں۔

چوتھا قاعدہ: اسم ظاہر کا اسم ضمیر سے بدل الکل بنانا

ولا يُبدل ظاهرٌ من مضمر بدل الكل إلا من الغائب: یعنی اسم ظاہر کو ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب سے بدل الکل نہیں بنایا جاسکتا بلکہ صرف غائب کی ضمیر سے بنایا جاسکتا ہے جیسے (ضربته زيداً)۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ متکلم اور مخاطب کی ضمیریں اعرف المعارف ہوتی ہیں اور

مقصود بالنسبت بدل ہوتا ہے لھذا اگر متکلم یا مخاطب کی ضمیر سے اسم ظاہر کو بدل بنایا جائے تو اعلی کا ادنی اور ادنی کا اعلی ہونا لازم آئے گا، اور غائب کی ضمیر سے اسے بدل اس لئے بنایا جاسکتا ہے کہ وہ اگرچہ معرفہ ہے لیکن کم درجے کا معرفہ ہے، اس لئے مذکورہ خرابی اس میں لازم نہیں آئے گی۔

درس (۱۰۷)

پانچویں تابع: عطف بیان کا بیان

عطف البيان: تابعٌ غير صفة يوضح متبوعه مثل: أقسم بالله أبو حفص عمر، وفصله من البدل لفظاً في مثل: أنا ابن التارك البكريّ بشر.

ترجمہ: عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت کے علاوہ ہو اور اپنے متبوع کو واضح کرے جیسے (أقسم بالله أبو حفص عمر) یعنی قسم کھائی اللہ کے نام کی ابو حفص یعنی عمر رضی اللہ عنہ نے، اور جدائی اس کی بدل سے لفظی طور پر ہوتی ہے ان جیسی مثالوں میں (أنا ابن التارك البكري بشر) یعنی میں ابن التارک بکری بشر کا بیٹا ہوں۔

تشریح: بھائی! آج کے اس آخری درس میں تین باتیں ہیں:

(۱) عطف بیان کی تعریف۔ (۲) تعریف میں فوائد اور قیود۔

(۳) بدل اور عطف بیان میں فرق۔

پہلی بات: عطف بیان کی تعریف

عطف البيان تابعٌ غير صفة يوضح متبوعه: اس عبارت میں صاحب کافیہ نے عطف بیان کی تعریف بیان فرمائی ہیں کہ عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہو اور

اپنے متبوع کی وضاحت کرے جیسے (أقسم بالله أبو حفص عمر)، اس میں (أبو حفص) متبوع ہے اور (عمر) اس کا تابع ہے یعنی عطف بیان ہے؛ کیونکہ (أبو حفص) جو کنیت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ غیر واضح ہے، تو عمر نے آکر اس کی وضاحت کی۔

شعر کا محل ورود

ایک اعرابی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے امیر المومنین! میرا گھر بہت دور ہے اور اونٹنی جو میرے پاس ہے وہ کافی کمزور ہے اور پیٹھ اس کی زخمی ہے اور پاؤں میں سوراخ پڑ گئے ہیں لہذا آپ مجھے کوئی اچھی سی اونٹنی عنایت فرمائیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ عالم الغیب تو تھے نہیں تو گمان کیا کہ شاید یہ جھوٹ بول رہے ہے، اس لئے اونٹنی دینے سے انکار فرمایا، اعرابی یہ سن کر روانہ ہو گئے اور ایک پتھریلی زمین میں اپنی بیمار اونٹنی کے پیچھے پیچھے چلتے رہے اور یہ شعر پڑھتے رہے:

أقسم بالله أبو حفص عمر

ما مسّها من نقبٍ ولا دَبَرٍ

اغفر له اللهم إن كان فجر

ترجمہ: ابو حفص یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی ہے کہ نہ تو اس کی اونٹنی کو کسی سوراخ نے چھوا ہے اور نہ پیٹھ کے کسی زخم نے، تو اے اللہ! اگر عمر رضی اللہ عنہ نے جھوٹی قسم کھائی ہو تو اسے بخش دے۔

اللہ کی شان اور قدرت دیکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ راستے میں سامنے سے آرہے تھے، اس کی حالت دیکھی اور درد بھرے اشعار سن کر فرمانے لگے کہ اے اللہ! اس اعرابی کے قول کو سچا کر دے، پھر اس کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: اپنی اونٹنی سے سامان اتار کر دکھاؤ، اس نے سامان اتارا، عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو وہ واقعی میں بیمار تھی، لہذا اسے اپنا اونٹ اور زاد راہ اور کچھ کپڑے وغیرہ دے کر رخصت فرمایا۔ (کمافی تہذیب الکافیہ ۲۱۳)۔

لطیفہ: سنا ہے کہ ایک طالب علم سے کسی نے پوچھا کہ بتاؤ! پیر بابا علیہ الرحمہ بڑے ہیں یا وہ سامنے والی پہاڑی؟ طالب علم یہ سن کر سوچ میں پڑ گیا کہ کیا جواب دوں؟، پیر بابا کو بڑا کہوں تو سامنے والی پہاڑی تو اتنی بڑی ہے کہ گویا آسمان سے راز و نیاز کی باتیں کر رہی ہے لہٰذا یہ جواب تو صحیح نہیں ہوگا، اور اگر پہاڑی کو بڑا کہوں تو اس کے مقابلے میں پیر بابا کا درجہ تو اتنا اونچا ہے کہ وہاں سے جھانک کر پتہ نہیں پہاڑی بھی نظر آئی گی کہ نہیں، لہٰذا یہ جواب بھی صحیح نہیں ہوگا، بالآخر کافی دیر سوچنے کے بعد سیدھا سادھا جواب دے کر کہنے لگے کہ بھائی! اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا ہی حیران کر دے جیسا تو نے مجھے حیران کر دیا۔

تو عزیز طلبہ! آج آپ لوگوں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ پیش آیا ہے، وہ یہ کہ پچھلے سال آپ حضرات نے ہدایۃ النحو میں عطف بیان کی تعریف میں پڑھا تھا کہ (وهو أشهر اسمي شيء) یعنی عطف بیان کسی چیز کے دو ناموں میں سے مشہور ترین نام کے ساتھ ہوگا، اور اس کے مقابلے میں آیندہ سال آپ حضرات شرح جامی میں پڑھیں گے کہ (وليس بلازم في عطف البيان أن يكون أوضح من متبوعه... فيمكن أن يكون الأول (المتبوع) أوضح من الثاني) یعنی عطف بیان کے لئے یہ کوئی لازم نہیں ہے کہ وہ اپنے متبوع سے زیادہ واضح ہو بلکہ لازم صرف یہی ہے کہ وہ وضاحت جو تابع اور متبوع میں سے کسی ایک سے حاصل نہ ہو رہی ہو وہ دونوں کے مل جانے سے حاصل ہو جائے، اور اس میں یہ بھی عین ممکن ہے کہ پہلا والا یعنی متبوع زیادہ واضح ہو اپنے تابع یعنی عطف بیان سے۔

تو درمیان میں ہم اور آپ حضرات آکر پھنس گئے لہٰذا ہم نے صاحب کافیہ سے درخواست کی کہ جناب! ہم اس مشکل میں پڑ گئے ہیں آپ ہمیں بتادیں کہ ہم کس کی بات مان لیں؟ ہدایۃ النحو کی بات مانتے ہیں تو صاحب شرح جامی ناراض ہوتے ہیں اور اس کی بات مانتے ہیں تو صاحب ہدایۃ النحو ناراض ہوتے ہیں؟ تو صاحب کافیہ نے بھی اس طالب علم کی طرح سیدھی سادھی تعریف (تابعٌ غير صفة يوضح متبوعه) بیان کر کے دونوں

سے جان بچالی، لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ صاحب شرح جامی نے صحیح بات کہی ہے۔

دوسری بات: تعریف میں فوائد اور قیود

عطف البیان تابعٌ غیر صفة یوضح متبوعه: اس عبارت میں (عطف البیان) معرف ہے، اور (تابعٌ) سے لے کر آخر تک اس کے تعریف ہے، پھر تعریف میں (تابعٌ) جنس کے درجے میں ہے جو تمام توابع کو شامل ہے، اور (غیر صفة) فصل اول ہے اس کے ذریعے صفت خارج ہوگئی، (یوضح متبوعه) فصل ثانی ہے، اس کے ذریعے باقی توابع خارج ہوگئے۔

تیسری بات: بدل اور عطف بیان میں فرق

وفصله من البدل لفظاً: اس عبارت میں صاحب کافیہ ان علماء نحو پر رد کرنا چاہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ توابع کل چار ہیں وہ اس طرح کہ عطف بیان کوئی مستقل قسم نہیں ہے بلکہ یہ بدل ہی میں شامل ہے، تو صاحب کافیہ نے ان پر رد کرتے ہوئے فرمایا کہ نہیں جی! عطف بیان اور بدل دونوں ایک چیز نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان باقاعدہ لفظی اور معنوی دونوں طرح فرق پایا جاتا ہے، معنوی چونکہ مشہور تھا کہ بدل اور مبدل منہ میں مقصود بالنسبت بدل ہوا کرتا ہے اور مبدل منہ صرف توطیہ وتمہید کے لئے لایا جاتا ہے، اور عطف بیان میں مقصود بالنسبت اس کا متبوع ہوتا ہے اور تابع صرف وضاحت کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اس کا ذکر نہیں کیا۔

البتہ لفظی فرق بیان کر رہے ہیں کہ (أنا ابن التارک البکری بشر) جیسی مثالوں میں عطف بیان اور بدل کے درمیان بڑا فرق ہوتا ہے کہ (بشر) کو (البکری) کے لئے عطف بیان بنانے میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی لیکن اسی (بشر) کو (البکری) سے بدل بنانے میں خرابی لازم آئیگی؛ کیونکہ بدل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے، تو گویا کہ ہاں (بشر) کے شروع میں (التارک) لگانا صحیح ہوگا، پھر عبارت یہ بنے گی: (أنا ابن

التارک البکری التارک بشر) اور یہ نا جائز ہے؛ کیونکہ یہ بعینہ (الضارب زید) کی طرح بن جائے گا، اور ماقبل میں ہم اس کی وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ نا جائز ہے؛ کیونکہ (الضارب) میں اضافت کی وجہ سے کوئی تخفیف نہیں ہوئی بلکہ (الضارب) سے تنوین جو گری ہے وہ دخول الف لام کی وجہ سے گری ہے، اور یہاں (التارک بشر) میں بھی یہی ہو رہا ہے، اس لئے بدل بنانا صحیح نہیں ہے بلکہ اس کو عطف بیان بنائینگے اور عطف بیان تکرار عامل کا تقاضا نہیں کرتا اس لئے عبارت صرف یہ ہوگی: (أنا ابن التارک البکری بشر) جو کہ صحیح ہے۔

فائدہ ۱: صاحب کافیہ نے فی مثل (أنا ابن التارک البکری بشر) فرمایا، تو (مثل) سے مراد ہر وہ ترکیب ہے جس میں عطف بیان کا متبوع ایسا معرف باللام ہو جس کی طرف صیغہ صفت کی اضافت ہوگئی ہو درانحالیکہ وہ صیغہ صفت بھی معرف باللام ہو جیسے مذکورہ شعر (أنا ابن التارک البکری بشر) میں دیکھئے (بشر) کا متبوع (البکری) معرف باللام ہے اور اس کی اضافت ہوئی ہے (التارک) صیغہ صفت کی طرف جو کہ معرف باللام ہے۔

فائدہ ۲: مذکورہ شعر المرار الأسدی نامی شاعر کا ہے، مکمل شعر یہ اس طرح ہے:

أنا ابن التارک البکری بشر — علیه الطیر ترقبه وقوعا

ترجمہ: میں اس شخص کا بیٹا ہوں جو بکری بشر جیسے بہادر اور پہلوان آدمی کو میدان کارزار میں قتل کر کے چھوڑ دیتا ہے اس حال میں کہ پرندے اس کے مرنے کا انتظار کر رہے ہیں اور درانحالیکہ وہ پرندے اس کے اوپر ہوا میں موجود ہیں۔

ترکیب:

انا ابن التارک البکری بشر

علیه الطیر ترقبه وقوعا

(أنا) ضمیر متکلم مبتداء، (ابن) مضاف (التارک) ماقبل کے لئے مضاف الیہ اور مابعد کے لئے مضاف، (البکری) معطوف علیہ، (بشر) عطف بیان، معطوف علیہ اپنے عطف بیان سے مل کر مضاف الیہ لفظاً اور مفعول بہ اول (التارک) صیغہ صفت کے لئے، (علی) جار (هاء) ضمیر مجرور، جار اپنے مجرور سے مل کر ظرف مستقر متعلق ہوا (کائنة) کے ساتھ، (کائنة) صیغہ اسم فاعل، (هی) ضمیر ذوالحال، (الطیر) مبتداء مؤخر، (ترقب) فعل، (هی) ضمیر ذوالحال، (ہ) ضمیر مفعول بہ، (وقوعا) واقعة کی جمع ہے یہ حال، ذوالحال اپنے حال سے مل کر فاعل ہوا (ترقب) فعل کے لئے، (ترقب) فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر مقدم بنا، (الطیر) مبتداء مؤخر کے لئے، مبتداء مؤخر خبر مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مفعول ثانی بنا (التارک) صیغہ صفت کا، (التارک) صیغہ صفت اپنے دونوں مفعولوں سے مل کر مضاف الیہ بنا (ابن) مضاف کے لئے، (ابن) مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر خبر ہوا (أنا) ضمیر مبتداء کے لئے، مبتداء اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

واللّٰه تعالى أعلم بالصواب وعلمه أتم وأكمل ﴿وما أوتيتم من العلم إلا قليلاً﴾ ربنا تقبل منا إنک أنت السميع العليم وتب علينا إنک أنت التواب الرحيم.

وصلى اللّٰه تعالى على النبي الأمي وعلى آله وأصحابه وأتباعه وأمته أجمعين إلى يوم الدين. برحمتک يا أرحم الراحمين.

سید عبدالرشید بن مقصود ہاشمی

عفا اللہ عنہ وعافاہ

استاذ مدرسہ عربیہ تجوید القرآن قیوم آباد کراچی

۳ شوال المکرم ۱۴۳۰ھ بروز بدھ